معترضینِ اقبال اور ڈاکٹر ایوب صابر کی اقبال شناسی

(تحقیقی و تنقیدی جائزہ)

تحقیقی مقالہ برائے ایم۔ایس (اُردو)

مقالہ نگار:

ریاض احمد

رجسٹریشن: 128-FLL/MSURDU/F14

نگران:

ڈاکٹر عزیز ابن الحسن

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

شعبۂ اُردو

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

۲۰۱۸ء

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

درج ذیل مقالہ شعبۂ اُردو، کلیہ زبان وادب، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی میں MS اُردو کی ڈگری کی جزوی منظوری کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ زیرِ دستخطی نے یہ مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے اور MS اُردو کی ڈگری تفویض کرنے کی منظوری دیتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: **معترضینِ اقبال اور ڈاکٹر ایوب صابر کی اقبال شناسی (تحقیقی وتنقیدی جائزہ)**

مقالہ نگار: ریاض احمد

رجسٹریشن نمبر: 128-FLL/MSURDU/F14

کمیٹی دفاع مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر منور اقبال احمد
ڈین
کلیہ زبان وادب

ڈاکٹر عزیز ابن الحسن
چیئرمین
شعبۂ اُردو

ڈاکٹر راشد حمید
سیکرٹری، اکادمی ادبیات
اسلام آباد
بیرونی ممتحن

ڈاکٹر کامران عباس کاظمی
اسسٹنٹ پروفیسر (اُردو)
آئی آئی یو، اسلام آباد
اندرونی ممتحن

ڈاکٹر عزیز ابن الحسن
ایسوسی ایٹ پروفیسر (اُردو)
آئی آئی یو، اسلام آباد
نگران مقالہ

مئی، 2018ء

Acc # TH.21154

43915

اقبال ، محمد ، 1877-1938

اردو ادب ، شاعری - تنقید و تشریح

اقرار نامہ

میں، ریاض احمد حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ،اسلام آباد کے ایم ایس (اُردو) سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر عزیز ابن الحسن کی نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا اور نہ آئندہ کروں گا اور میرا یہ مقالہ سرقہ سے پاک ہے۔

(ریاض احمد)

مقالہ نگار

شعبہ اُردو

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

۲۰۱۸ء

فہرست

پیش لفظ vii

باب اول: معترضینِ اقبال اور اُن کے اعتراضات کی نوعیت ۱

اقبال پر اعتراضات کی روایت ۲

معترضینِ اقبال کے مختلف گروہ اور اُن کے اعتراضات کی نوعیت ۶

اہل زبان ۷

روایتی عجمی تصوف کے حامی ۱۲

مستشرقین ۱۴

ہندی قوم پرست مسلمان ۱۷

تنگ نظر اور فرقہ پرست مولوی ۱۸

اشتراکیت پسند دہریے ۱۹

حاسدین اور طالبانِ شہرت ۲۱

قادیانی ۲۳

قدیمی اور جدیدی ۲۶

اساتذہ ۲۷

اقبال پر اعتراضات کی نوعیت ۲۷

اقبال کی شخصیت پر اعتراضات ۲۸

علامہ اقبال پر تصورِ پاکستان کے حوالے سے اعتراضات کی نوعیت ۲۹

افکارِ اقبال پر اعتراضات ۳۱

خطباتِ اقبال پر اعتراضات ۳۴

حوالہ جات ۳۸

باب دوم: ڈاکٹر ایوب صابر کی فکرِ اقبال سے وابستگی	۴۵
ڈاکٹر ایوب صابر۔۔۔۔تعارف	۴۶
شخصیت	۴۹
ڈاکٹر ایوب صابر کی فکرِ اقبال سے وابستگی	۵۲
اعلیٰ تعلیم میں اقبالیات پر تحقیق	۵۴
ڈاکٹر ایوب صابر کا اقبالیاتی سرمایہ	۵۶
بیرونِ ملک فکرِ اقبال کی ترویج و اشاعت	۵۷
علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی شعبہ اقبالیات کی سربرائی	۵۸
اعزازات	۵۹
ذرائعِ ابلاغ سے فکرِ اقبال کا فروغ	۵۹
علامہ اقبال اور مسئلہ قومیت	۶۰
پاکستان کی بنیاد اسلامی نظام پر رکھی گئی ہے	۶۰
موجودہ عالمی تناظرات اور فکرِ اقبال	۶۱
فکرِ اقبال اور مسلم اُمہ۔۔۔اکیسویں صدی میں	۶۱
اقبال کا تصورِ جمہوریت	۶۱
فکرِ اقبال متاعِ بے بہا	۶۲
پیامِ اقبال کی اساس	۶۳
وحدت الوجود اور اقبال	۶۳
علامہ اقبال پر مجنوں گورکھ پوری کے اعتراضات	۶۴
علامہ اقبال پر جوش ملیح آبادی کے اعتراضات	۶۴
علامہ اقبال پر حمید نسیم کے اعتراضات کا جائزہ	۶۵
کیا اقبال کے ہاں تضاد ہے؟	۶۵
اقبال اور جدید و قدیم کی کش مکش	۶۶
کیا اقبال کا تصورِ عشق غلط اور مبہم ہے	۶۷

اقبال اور فاشزم ۶۸
ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے فکرِ اقبال کا فروغ ۷۰
حوالہ جات ۷۲
باب سوم: ڈاکٹر ایوب صابر کا اقبالیاتی سرمایہ (تعارفی مطالعہ) ۷۴
معترضینِ اقبال ۷۶
اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ ۸۹
کلامِ اقبال پر فنی اعتراضات ایک جائزہ ۱۱۰
اقبال کی فکری تشکیل اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ ۱۱۶
علامہ اقبال کا تصورِ اجتہاد (مجموعہِ مقالات) ۱۳۰
اقبال دشمنی ایک مطالعہ ۱۳۲
تصورِ پاکستان علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ ۱۴۱
اقبال کے فہمِ اسلام پر اعتراضات ایک مطالعہ ۱۴۷
حوالہ جات ۱۵۵
باب چہارم: معترضین اقبال کے رد میں ڈاکٹر ایوب صابر کے نظریات (تحقیقی وتنقیدی جائزہ) ۱۶۳
اقبال پر اعتراضات اور ڈاکٹر ایوب صابر ۱۶۴
اقبال پر فکری اعتراضات اور ڈاکٹر ایوب صابر ۱۶۷
اقبال کی شخصیت پر اعتراضات اور ڈاکٹر ایوب صابر ۱۸۳
اقبال پر فنی اعتراضات اور ڈاکٹر ایوب صابر ۱۹۲
حوالہ جات ۲۰۰
ماحصل ۲۰۴
ڈاکٹر ایوب صابر کی اقبال شناسی کی نمایاں خصوصیات ۲۰۷
سفارشات ۲۱۱
حوالہ جات ۲۱۲
کتابیات ۲۱۳

حرفِ آغاز

شاعری انسانی احساسات کی ترجمانی کا بہترین ذریعہ ہے۔ ہر دور میں شعرا نے فکرِ انسانی کی ترویج وارتقاء کے لیے شاعری کا موثر ذریعہ اختیار کیا۔ اُردو شاعری میں بہت سے شعرا گزرے ہیں مگر جو مقام ومرتبہ علامہ اقبال کو حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ علامہ محمد اقبال نے مشرق ومغرب کے علوم وفنون کی روشنی میں انسانی فکر ذہن اور سوچ کا عمیق مطالعہ کیا اور مختلف رجحانات اور مسائل کو اپنے افکار ونظریات کا موضوع بنایا۔ عصرِ حاضر میں اسلامی روح کی بیداری اور اُمت مسلمہ کی آزادی اور استحکام کے لیے علامہ محمد اقبال نے جو فکری اور عملی کوششیں کی ہیں وہ تمام عالمِ اسلام کے لیے باعثِ فخر ہیں۔ علامہ محمد اقبال نے اپنی شاعری، افکار اور نظریات کے ذریعے اقوامِ عالم میں بالعموم اور مسلمانوں میں بالخصوص ایک تازہ روح پھونکی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن اقوام نے اپنے مشاہیر کے افکار ونظریات پر عمل کیا وہ بامِ عروج پر پہنچ گئیں اور جنھوں نے مشاہیر کو فراموش کر دیا وہ گمنامی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گئیں۔

ایم ایس اُردو کے مقالے کی تیاری کا مرحلہ جب آیا تو موضوع کا انتخاب ایک مشکل کام تھا۔ مختلف افراد کے ساتھ اس حوالے سے مشاورت کی گئی بہت سے عنوانات پیشِ نظر تھے مگر طبیعت مانتی نہیں تھی خواہش تھی کہ علامہ اقبال کے حوالے سے کوئی موضوع ہو جس پر تحقیقی کام کیا جائے آخر کار اپنے محترم اُستاد ڈاکٹر طیب منیر (مرحوم) کے مشورے سے معترضینِ اقبال اور ڈاکٹر ایوب صابر کی اقبال شناسی تحقیقی اور تنقیدی جائزہ موضوع منتخب کیا گیا آج وقت کی اہم ضرورت ہے کہ ہم فکرِ اقبال کو اپنی زندگی کا جزو بنائیں۔ کلامِ اقبال میں ہر شخص کے لیے راہ نمائی کا سامان موجود ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر ایک بہترین محقق اور ماہر اقبال شناس ہیں۔ اقبال شناسی کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر کا تحقیقی کام نہایت وقیع ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر کی شخصیت کسی شجرِ سایہ دار سے کم نہیں اُن کی اقبال شناسی کے حوالے سے کام کرنا میرے لیے باعثِ اعزاز ہے اقبال شناسی کے میدان میں ڈاکٹر ایوب صابر کی علمی حیثیت عیاں ہے۔ مقالہ ہذا اُن کی اقبال شناسی کی مختلف جہات پر مشتمل ہے۔ اس مقالے کو درج ذیل چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اول:	معترضینِ اقبال اور ان کے اعتراضات کی نوعیت
باب دوم:	ڈاکٹر ایوب صابر کی فکرِ اقبال سے وابستگی
باب سوم:	ڈاکٹر ایوب صابر کا اقبالیاتی سرمایہ تعارفی مطالعہ
باب چہارم:	معترضینِ اقبال کے رد میں ڈاکٹر ایوب صابر کے دلائل تحقیقی وتنقیدی جائزہ

پہلے باب میں علامہ اقبال پر اعتراضات کی روایت ،معترضینِ کے مختلف گروہ اور اُن کے اعتراضات کی نوعیت اسباب اور محرکات کا جائزہ لیا گیا ہے ۔دوسرے باب میں ڈاکٹر ایوب صابر کی فکرِ اقبا ل کے ساتھ وابستگی،شخصیت،اقبالیات پر تحقیق، بیرونِ ملک فکرِ اقبال کی ترویج و اشاعت اور زرائع ابلاغ سے فکرِ اقبال کا فروغ وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔تیسرے باب میں ڈاکٹر ایوب صابر کی کتابوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور چوتھے باب میں ڈاکٹر ایوب صابر کی قبال شناسی کا مجموعی طور پر جائزہ لیا گیا اور اور سرسری طور پر ڈاکٹر ایوب صابر کی اقبال شناسی کی نمایاں خصوصیات کو واضح کیا گیا ہے۔ مقالہ ہذا میں تحقیق کا طریقہ کار معیاری اور مروجہ تحقیقی اصولوں کے مطابق رکھا گیا ہے۔ مقالہ عنوانات کے حوالے سے چار ابواب میں تقسیم ہے۔ ہر باب میں مختلف ذیلی عنوانات ہیں۔ باب کے آخر میں حوالہ جات کے عنوان سے تحقیقی مآخذ کی فہرست دی گئی ہے۔اس مقالے میں کتاب کا عنوان ہر جگہ خط نسخ میں لکھا گیا ہے۔ مضامین کا اندارج واوین میں کیا گیا ہے۔ ہر باب کے آخر میں حوالہ جات مسلسل اور علیحدہ علیحدہ ہیں۔حوالہ جات میں پہلی مرتبہ شامل کتاب کی مکمل تفصیل، نام مصنف، تاریخ اشاعت اور ناشر کی معلومات درج ہیں جبکہ دوسری دفعہ اسی کتاب کا حوالہ آنے کی صورت میں صرف کتاب کا نام، مصنف کا نام اور صفحہ نمبر درج کیا گیا ہے۔اس مقالے کی تیاری میں جتنی کتابوں سے مدد لی گئی ہے اس کی مکمل فہرست کتابیات کے عنوان سے مقالے کے آخر میں الف بائی ترتیب سے درج کی گئی ہے۔ مقالے کی زبان آسان اور عام فہم ہے۔ جہاں تک ممکن ہوسکا ہے بنیادی مآخذ سے رجوع کیا گیا ہے اور باوقت ضرورت ثانوی مآخذ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

تحقیق ایک مشکل اور دشوار گزار راستا ہے اور خاص طور پر تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ تحقیق کے خار زار میں آبلہ پائی کرنا بہت ہی مشکل کام ہے ۔مگر مقصد کی لگن اور اللہ کی مدد شاملِ حال ہو تو انسان سُرخرو ہو جاتا ہے۔اس مقالے کی تکمیل میں بہت سے مقاماتِ آہ و فغاں آئے مگر نصرتِ خداوندی سے سرخرو ہو گیا۔تحقیق کے اس سفر میں جن شخصیات کا خصوصی تعاون حاصل رہا اُن کا ذکر نہ کرنا علمی بددیانتی ہے سب سے پہلے بریگیڈئر مجاہد عالم ،پرنسپل لارنس کالج مری اور ارشد اقبال چودھری ،وائس پرنسپل لارنس کالج مری کا خصوصی شکریہ جنھوں نے مجھے ایم۔ایس میں داخلہ لینے کی اجازت دی اُن کے تعاون کے بغیر میں یہ کام نہیں کرسکتا تھا۔خصوصی شکریہ ڈاکٹر طیب منیر (مرحوم) کا اللہ تعالیٰ اُنھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔انھوں نے موضوع کے انتخاب میں میری مدد کی۔ ڈاکٹر عزیز ابن الحسن اور ڈاکٹر کامران کاظمی کی مدد ہر وقت شامل حال رہی دونوں اساتذہ کرام نے تحقیقی سفر میں ہمیشہ میری مدد کی اور مفید مشوروں سے نوازا۔ ذوالفقار علی سجاد جو میرے یار غار ہیں، اگرچہ تحقیقی سفر میں کوئی مدد نہیں کی مگر پھر بھی ان کا شکریہ مجھ پر واجب ہے۔ڈاکٹر ایوب صابر صاحب کا ممنون احسان ہوں جنھوں نے نہایت شفقت سے میری مدد اور رہنمائی فرمائی۔ میں ممنونِ احسان ہوں اپنی شریک حیات کا جنھوں نے ہر قدم پر مجھے حوصلہ دیا۔اپنے بیٹوں علی،اسد اور حنان کا جو اقبال کے شاہین ہیں اور اُنھوں نے میرے کسی کام میں دخل اندازی نہیں کی۔

خصوصی شکریہ نذیر احمد اور محمد اسحاق بھائی کا جنھوں نے نہایت محنت سے مقالہ ہٰذا کمپوز کیا ان کی مدد کے بغیر میں یہ کام نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے دوست عادل بادشاہ کا ممنون احسان ہوں جنھوں نے ہر معاملے میں ہمیشہ میری مدد کی۔ اپنی والدہ بھائیوں اور بہنوں کا خصوصی شکریہ ہمیشہ ان کی دعائیں میرے شامل حال رہی ہیں۔ اپنے والدین کا خصوصی شکریہ جنھوں نے تمام زندگی خود سختیاں برداشت کر کے میری زندگی کو آسان بنایا۔ جنھوں نے ساری زندگی تپتی دھوپ میں جل کر میرے لیے سایہ فراہم کیا۔ کاش اگر آج میرے والد محترم زندہ ہوتے! تو میرا یہ مقالہ دیکھ کر بہت خوش ہوتے میں آج جو کچھ بھی ہوں اپنے والدین کی دعاؤں کی بدولت ہوں خالقِ کائنات میرے والد صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین) مقالہ ہٰذا ایک طالب علم کی تحقیقی کاوش ہے اس میں، میں کہاں تک کامیاب ہوا اس کا فیصلہ اہلِ علم ہی کریں گے۔ اس مقالے میں اگر کوئی کمی اور خامی ہو تو اس میدان میں مبتدی ہونے کی حیثیت سے راہنمائی کا خواستگار ہوں۔

آخر میں ہر اُس شخص کا شکریہ جس نے اس تحقیقی سفر میں میری مدد کی۔

ریاض احمد

اسسٹنٹ پروفیسر (اُردو)، لارنس کالج، مری

باب اول

معترضینِ اقبال اور اُن کے اعتراضات کی نوعیت

ا۔ اقبال پر اعتراضات کی روایت
ب۔ معترضین اقبال کے مختلف گروہ اور اُن کے اعتراضات کی نوعیت
ج۔ اقبال پر اعتراضات کی نوعیت
د۔ اقبال کی شخصیت پر اعتراضات
ہ۔ اقبال پر تصورِ پاکستان کے حوالے سے اعتراضات کی نوعیت
و۔ افکارِ اقبال پر اعتراضات
ز۔ خطباتِ اقبال پر اعتراضات
حوالہ جات

اقبال پر اعتراضات کی روایت:

علامہ محمد اقبال عالم اسلام کے منفرد شاعر اور مفکر ہیں۔ اُن کی شہرت نہ صرف پاکستان و ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں پھیل چکی ہے۔ کلامِ اقبال اُمتِ مسلمہ کے لیے ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ کلام اقبال بہترین اسلامی اور انسانی اقدار کا مجموعہ ہے اور یہی بات اُن کی وجہ شہرت ہے۔ اقبال کا شعری وفکری کارنامہ اُنھیں ادب وفلسفہ کی روایت میں منفرد وممتاز مقام عطا کرتا ہے۔ دنیا بھر میں اقبال کی عظمت اور فکروفن کا اعتراف کیا گیا ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری کا آغاز ابتدائی عمر میں کیا اگرچہ یہ بات وثوق سے نہیں کہی جا سکی کہ اُن کی شاعری کا آغاز کب ہوا؟ مگر مستند روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ کالج کے زمانے میں کلامِ موزوں اُن کی زبان سے ادا ہوتا تھا۔ قیام لاہور میں اُنھوں نے مشاعروں میں بھی شرکت کی اور اپنے کلام کی موزونیت اور شعریت سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتے رہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے اپنی کتاب اقبال ممدوح عالم میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اقبال کی عظمت کا اعتراف دنیا بھر کے چھوٹے بڑے ممالک کے ماہرین اقبالیات نے کیا ہے۔ اس وقت اقبال شناسی برصغیر پاک و ہند کی سرحدوں سے باہر نکل چکی ہے اور پوری دنیا میں اقبال کی عظمت کا اعتراف کیا جا رہا ہے۔ اٹلی، ازبکستان، افغانستان، امریکہ، ترکی، انڈونیشیا، ایران، بنگلا دیش، بھارت، جرمنی، پاکستان اور دنیا کے دیگر ممالک میں اقبال کے فکروفن پر تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے بجا طور پر اس بات کو واضح کیا ہے کہ: ''آج تمام مہذب دنیا اقبال کے نام اور افکار سے واقفیت رکھتی ہے۔''[۱]

آج کے دور میں اقبالیات کی تحقیق وتدریس ایک باقاعدہ علم کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ پاکستان اور دنیا کے اکثر وبیشتر ممالک میں اقبال کی شاعری، فکر اور فلسفہ کے حوالے سے مختلف زبانوں میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور سلسلہ تحقیق ابھی تک جاری ہے۔ اردو کے کسی بھی شاعر یا نثر نگار پر آج تک اتنی تحقیق نہیں ہوئی جتنی اقبال پر ہوئی ہے اور آج اقبالیات اردو تحقیق کا سب سے بڑا موضوع ہے۔ افکار اقبال کے حوالے سے تحقیق کا سلسلہ اقبال کی زندگی ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ جس کی پہلی کڑی قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی کی کتاب اقبالیات کا تنقیدی جائزہ کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ فکرِ اقبال کی تفہیم وتوضیح کے لیے اقبالیات اور اقبال شناسی کی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔ ان دونوں اصطلاحات میں فرق کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اقبالیات ایک شعبہ علم ہے جس میں اقبال کی شعری و نثری تمام تصانیف، مقالات، خطوط اور خطبات وغیرہ کا جائزہ لیا جاتا ہے نیز فکرِ اقبال کے حوالے سے جو مقالات،

کتب اور مضامین شائع ہوئے ہیں اُن کی تشریح اور تنقید شامل ہے جبکہ اقبال شناسی وہ علمی روایت ہے جس کی بنیاد خیالات و افکارِ اقبال کی تفہیم کے سلسلے میں کی جانے والی اب تک کی کوششوں کا مطالعہ شامل ہے۔اقبال شناسی کے حوالے سے محقق اس بات کا اندازہ لگاتا ہے کہ فکرِ اقبال کی تفہیم کے سلسلے میں آج تک کیا کیا کوششیں ہوئی ہیں؟ اور اُن کی نوعیت کیا ہے؟ اقبال کی شاعری کی پہلی کتاب اسرار خودی ہے جو ۱۹۱۵ میں فارسی زبان میں شائع ہوئی۔ پروفیسر نکلسن (Prof. R.A. Nicholson) نے اقبال کی اجازت سے ۱۹۱۹ میں ایک مبسوط مقدمے کے ساتھ *The Screts of Self* کے نام سے انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔[۲]

ڈاکٹر نکلسن کے اس ترجمہ کی وجہ سے مغرب پہلی مرتبہ فکر اقبال سے روشناس ہوا۔اسی طرح اور بھی مختلف ماہرین نے اقبال کے فکر و فلسفہ پر اپنے تاثرات تنقیدی مضامین کی شکل میں لکھے ہیں۔ اقبالیات اور اقبال شناسی کے ساتھ ساتھ ایک اور روایت بھی پروان چڑھنے لگی جو اقبال شکنی کی روایت تھی۔ اقبال شکنی کی روایت سے مراد وہ روایت ہے جس میں اقبال کی شاعری، نثر، شخصیت اور فکر و فن کے حوالے سے لکھے ہوئی اُن کتب، مضامین اور مقالات کا جائزہ لینا ہے جن میں انہدام اقبال کی کوشش کی گئی ہے۔ اقبال شناسی کے ساتھ ساتھ اقبال شکنی کی روایت بھی اقبال کی شہرت کے ساتھ ہی شروع ہوگئی تھی جس کے کئی اسباب اور محرکات تھے۔ اگرچہ وقتاً فوقتاً مختلف لوگوں نے فکر اقبال کے خلاف لکھے گے مواد پر گرفت بھی کی ہے۔ قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی کا تبصرہ اس حوالے سے کافی مفید اور کارآمد ہے مگر موضوع کی اہمیت کے پیش نظر بہت مختصر اور ناکافی ہے ضرورت اس امر کی تھی کہ اقبال شکنی کے حوالے سے جو جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن کا غیر جانبدرانہ اور تحقیقی انداز میں مکمل اور مدلّل جائزہ لیا جائے۔ اقبال پر سب سے پہلا اعتراض ۱۹۰۲ میں لگایا گیا۔ تاج اخبار راولپنڈی نے کلام اقبال پر شدید اعتراضات کیے۔[۳]

ابتدا میں اقبال پر جو اعتراضات کیے گئے اُن کی نوعیت زبان و بیان کی تھی۔ اقبال پر سب سے پہلے اعتراضات اہل زبان لوگوں نے کیے۔ اہل زبان اپنے علاوہ کسی کی زبان کو مستند نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے لیے اقبال کے جدید اسالیب غیر مانوس تھے۔ شروع میں اُنھوں نے اقبال کی زبان اور محاورے پر اعتراضات کیے۔ ۱۹۰۳ میں تنقید ہمدرد کے نام سے علامہ اقبال کی زبان اور انداز بیان پر اعتراضات ہوئے۔ اخبار اودھ پنچ نے ۱۹۰۴ سے علامہ اقبال پر اعتراضات کا ایک سلسلہ شروع کیا جس نے اپنے مزاحیہ اور طنزیہ انداز میں علامہ اقبال کی شخصیت اور فکر و فن پر اعتراضات کیے۔ ابتدا میں یہ اعتراضات صرف اسالیب، زبان و بیان، روزمرہ اور محاورہ کے حوالے سے

تھے۔مگر مثنوی اسرار خودی کی اشاعت سے اعتراضات کا یہ سلسلہ تیز ہوگیا۔خواجہ حسن نظامی اس سلسلے میں پیش پیش رہے۔اُنھوں نے سب سے پہلے ذوقی شاہ سے اسرار خودی کی مخالفت میں مضمون لکھوا کر ۳۰ نومبر ۱۹۱۵ کے رسالہ خطیب دہلی میں شائع کرایا جس میں اُنھوں نے اعتراض کیا کہ علامہ اقبال نے اپنی مثنوی اسرارِ خودی میں روایتی عجمی تصوف کی مخالفت کی ہے جو کہ دراصل اسلام کی مخالفت ہے۔[۴]

خواجہ حسن نظامی نے ۳۰ جنوری ۱۹۱۴ کے رسالہ خطیب دہلی میں مثنوی اسرار خودی کو پانچ وجوہات کی بنیاد پر نامعقول قرار دیا۔وہ معترض ہیں کہ اقبال نے اس مثنوی میں جو کچھ لکھا ہے اُس میں نا ہی تو کوئی نئی بات کی ہے اور نہ ہی متعلقہ موضوع پر مکمل مواد فراہم کیا ہے۔قرآن پاک میں ان تمام باتوں کی تعلیم موجود ہے اور قرآن کے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت نہیں۔اقبال نے مثنوی کے دیباچہ میں وحدت الوجود اور صوفیوں کو ملزم قرار دیا ہے۔مصنف مسلمانوں کو حکمائے یورپ کی پیروی میں اپنے عقائد بدل دینے کا مشورہ دیتے ہیں۔یہ مثنوی مغربی خوداری سکھاتی ہے۔چناں چہ وہ معترض ہیں کہ میں ان اسباب کی وجہ سے مثنوی کو بے نتیجہ اور لغو سمجھتا ہوں۔[۵]

پیرزادہ مظفر احمد نے اسرار خودی کے جواب میں ایک مثنوی رازِ بے خودی شائع کی جس میں افلاطون اور حافظ کی تعریف کی اور علامہ اقبال کی ذات پر ناجائز حملے کیے۔اسی طرح ملک محمد کاشمیری نے اپنی ایک مثنوی میں حافظ کی مدح سرائی کی اور علامہ اقبال کے نظریات وتصورات پر اعتراضات کیے۔۲۴ جنوری ۱۹۱۴ کو سراج اخبار جہلم نے ''ڈاکٹر اقبال کی کمزوریاں'' کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا لکھنے والے نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔اسرار خودی کی مخالفت میں ڈھائی تین سال کے عرصے میں بیسیوں مضامین شائع ہوئے جن میں ذوقی شاہ، خواجہ حسن نظامی اور مشیر حسین قدوائی وغیرہ کے نام زیادہ مشہور ہیں۔اس سلسلے کی آخری مثنوی ۱۹۴۲ میں کراچی سے شائع ہوئی جو خواجہ معین الدین عقیل نے سر الاسرار کے نام سے لکھی ہے۔مضامین کے بعد انہدام اقبال کی باقاعدہ مہم تیز ہوگئی اور اقبال کے فکروفن کے حوالے سے مکمل کتابیں لکھنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔یہ سلسلہ آج تک جاری ہیں۔انہدام اقبال کے حوالے سے لکھی ہوئی کتابوں میں سے چند کے نام حسب ذیل ہے۔اور اس فہرست میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔آج کے جدید دور میں کچھ لوگ فیس بک اور دوسرے سماجی رابطے کے ذریعے سے انہدامِ اقبال کی کوششیں کر رہے ہیں۔جن کا تذکرہ اس فہرست میں شامل نہیں۔

۱۔ خدوخال اقبال، مصنفہ محمد امین زبیری

۲۔ مکائد اقبال، مصنفہ برکت علی گوشہ نشین

۳۔ علامہ اقبال اور اُن کی پہلی بیوئی، مصنفہ سید حامد جلالی

۴۔ اقبال ایک شاعر، مصنفہ سلیم احمد

۵۔ اقبال (اجمالی تبصرہ)، مصنفہ مجنوں گورکھ پوری

۶۔ مودبانہ تبدیلیاں، مصنفہ برکت علی گوشہ نشین

۷۔ اقبال ایک مطالعہ، مصنفہ کلیم الدین احمد

۸۔ راز بے خودی، مصنفہ مظفر احمد فضلی

۹۔ اقبال کی خامیاں، مصنفہ جوش ملیسانی

۱۰۔ ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ، مصنفہ ریاض صدیقی

۱۱۔ احمدیت علامہ اقبال کی نظر میں، مصنفہ عبدالمالک

۱۲۔ ڈاکٹر اقبال سے ادب کے ساتھ، مصنفہ نوری

۱۳۔ متحدہ قومیت اور اسلام، مصنفہ مولانا حسین احمد مدنی

۱۴۔ اقبال اور احمدیت، مصنفہ شیخ عبدالماجد

۱۵۔ صدائے احتجاج، مصنفہ شمیم رجز

۱۶۔ اقبال اقبال ہے، مصنفہ ریاض صدیقی

۱۷۔ کلام اقبال کا بے لاگ تجزیہ، مصنفہ آسی ضیائی

۱۸۔ سرود بے خودی، مصنفہ ڈاکٹر عشرت حسن انور

۱۹۔ لسان الغیب، مصنفہ حکیم فیروز الدین طغرائی

۲۰۔ اقبال جادو گر ہندی نژاد، مصنفہ عتیق صدیقی

۲۱۔ اقبال کا علم الکلام، مصنفہ علی عباس جلالپوری

۲۲۔ خادمانہ تبدیلیاں، مصنفہ برکت علی گوشہ نشین

۲۳۔ اقبال قلندر نہیں تھا، مصنفہ صائب عاصمی

۲۴۔ مثنوی سرالاسرار، مصنفہ ڈاکٹر خواجہ معین الدین عقیل

۲۵۔ اقبال، مصنفہ حمید نسیم

۲۶۔ فکر اقبال کا المیہ، مصنفہ ڈاکٹر صلاح الدین درویش

متذکرہ بالا کتابوں کے علاوہ ایسی اور بہت سی کتب موجود ہیں جن میں اختلافی مواد پایا جاتا ہے۔ معترضین اقبال نے رسائل و جرائد میں مضامین لکھ کر بھی انہدام اقبال کی کوشش کی ہے اور کافی مواد پایا جاتا ہے۔ اقبال پر اعتراضات کی جو روایت ۱۹۰۲ میں شروع ہوئی تھی وہ مختلف انداز سے آج تک جاری ہے۔ مختلف گروہوں سے تعلق رکھنے والے افراد اقبال کی شخصیت اور فکروفن کو مسخ کرنے کی کوششوں میں سرگرم عمل ہیں۔ اقبال ہماری تاریخ کے ایک عظیم شاعر اور مفکر ہیں۔ اُنھوں نے اپنے افکار سے مسلمانانِ برصغیر کی زندگیوں پر مثبت اور حیرت انگیز اثرات مرتب کیے ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنے عظیم اور انقلاب آفرین پیغام سے مسلمانانِ برصغیر کی قسمت تبدیل کی اور اُن افکار کی روشنی میں مسلمانانِ برصغیر نے اپنے لیے ایک الگ وطن حاصل کیا۔ اقبال شکنی کی روایت کا اگر بنظر غائر جائزہ لیں تو اس روایت میں زیادہ تر وہ افراد ہیں جو کسی نہ کسی طرح پاکستان کے مخالف ہیں، کچھ ایسے افراد ہیں جو پاکستان کے کسی نہ کسی طرح حمایتی تو ہیں مگر اپنے ذاتی عناد کی وجہ سے انہدام اقبال کے درپے ہیں۔ ایک لحاظ سے اقبال خوش قسمت ہیں کہ اُن کی عظمت کا اعتراف مشرق ومغرب میں ہو رہا ہے اور دوسری طرف بدقسمت بھی ہیں کہ اُن کی شاعری کے آغاز سے لے کر آج تک مخصوص ذہنیت کے حامل افراد اُن کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اور انہدام کی کوششوں میں سرگرم عمل ہیں۔

معترضین اقبال کے مختلف گروہ اور اُن کے اعتراضات کی نوعیت

اقبال کی شخصیت اور فکروفن پر اعتراضات کرنے والے افراد کا تعلق مختلف گروہوں سے ہے۔ اقبال پر علمی نوعیت کے اعتراضات بھی ہوئے اور ذاتی عناد پر مشتمل اعتراضات بھی۔ اگرچہ علمی نوعیت کے اعتراضات کرنا کوئی

بری بات نہیں ہے۔ ہر انسان کو اختلاف رائے کا حق ہے اور اختلاف ہونا بھی چاہیے۔ کسی کے نظریات کو من و عن رد قبول کے بغیر تسلیم کرنا اندھی تقلید ہے جو سراسر غلط بات ہے۔ تنقید فن کو نکھارتی ہے اور تنقید ہی کے ذریعے کسی ادب پارے، نظریے اور فن کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ مگر جب تنقید خاص مقصد کے پیشِ نظر ہو اور اس کا مقصد دوسرے فرد کا انہدام ہو تو یہ مذموم عمل ہے، ایسی تنقید سے کوئی علمی و ادبی فائدہ نہیں ہوتا۔ ایسے اعتراضات لغو اور بے جا ہوتے ہیں۔ اقبال پر موخر الذکر اعتراضات زیادہ ہوئے ہیں۔ فکر اقبال کی اصل صورت حال واضح کرنے کے لیے اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ معترضین کے ان اعتراضات کا تحقیقی کسوٹی پر جائزہ لیا جائے اور اصل صورت حال کو واضح کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے معترضین اقبال کے مختلف گروہوں اور اُن کے اعتراضات کی نوعیت کا جائزہ حسب ذیل پیش کیا جا رہا ہے۔

ا: اہل زبان

اقبال پر سب سے پہلے اعتراضات کا سلسلہ اہل زبان حضرات نے شروع کیا۔ شعرا اور اہل زبان حضرات کی معاصرانہ چشمک روز اول ہی سے جاری ہے۔ ہر دور میں شاعر اور اہل زبان حضرات ایک دوسرے کی زبان اور اشعار میں نقص نکالتے آئے ہیں۔ یونان اور روم کے شعرا کے علاوہ دوسری زبانوں عربی اور فارسی وغیرہ میں بھی اس قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ معاصرانہ چشمک میں پھکڑ، ہجو، سب وشتم، زبان پر اعتراضات، قافیہ اور روز مرہ کے استعمال پر اعتراضات وغیرہ شامل ہیں۔ اردو ادب میں معاصرانہ چشمک کی پوری روایت موجود ہے۔ میرؔ، سوداؔ، انشاؔ، مصحفیؔ، ذوقؔ، غالبؔ، ناصرؔ، انیسؔ، جلالؔ اور حالیؔ وغیرہ کے ساتھ دوسرے شعرا کی چشمک بدستور جاری رہی ہے۔[٦]

علامہ اقبال کی شاعری کا جب شہرہ ہوا تو اہل زبان حضرات نے اُن پر طرح طرح کے الزامات عائد کیے اُن کی زبان، بیان، روزمرہ اور محاورہ، بندش الفاظ، ترکیب وغیرہ پر اعتراضات کیے گئے۔ معرکہ آرائی اور نئی آواز اور شاعری کے خلاف بیانات دینا اور اُس پر اعتراضات کرنا اہل زبان کی فطرت میں شامل تھا۔ اہل لکھنؤ اور اہل دہلی کے درمیان بھی چشمک چلتی تھی۔ اہل لکھنؤ کو اہل زبان ہونے پر فخر تھا۔ وہ لکھنؤ کے علاوہ کسی دوسرے علاقے کی زبان کو مستند نہیں سمجھتے تھے۔ جب پنجاب سے ایک نئی آواز آئی تو اہل لکھنؤ نے اپنی روایتی دشمنی کا ثبوت دیتے ہوئے اُس آواز کے خلاف بغاوت کی۔ اہل زبان کے اقبال کے خلاف اعتراضات لسانی برتری اور صوبائی تعصب کی وجہ سے تھے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال اہل زبان کے اعتراضات کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اہل زبان اقبال کے جدید اسالیب میں کیڑے نکالتے تھے۔ وہ تو حالی کی زبان کو بھی مستند نہ سمجھتے تھے۔ کیوں کہ حالی کا وطن پانی پت تھا، جہاں زبان ٹکسالی نہ تھی۔ سو شروع ہی سے ٹکسالی زبان کے مدعیان نے اقبال کی زبان اور محاورے پر اعتراض وارد کیے۔''[۷]

اہل زبان نے اقبال کی شاعری اور زبان و بیان پر جو اعتراضات کیے اُن کی ایک وجہ صوبائی تعصب بھی تھا جس کی واضح مثال جوش ملیح آبادی کے اعتراضات ہیں۔ ہمارے قدیم شاعر اور نقاد حضرات عہد تنزل کی شاعری کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ اردو شاعری میں ہجر و وصال اور عشق و عاشقی کے مضامین کو بار بار دہرایا جا رہا تھا۔ اقبال نے اُس وقت زندہ اور جاندار شاعری شروع کی جب دوسرے شعرا غزل کے روایتی مضامین کی جگالی کر رہے تھے۔ اقبال نے نئے استعارات، تشبیہات اور نئی تراکیب کو شاعری میں استعمال کیا جو اُن حضرات کے لیے نا مانوس تھے، لہٰذا اُنھوں نے اُسے سمجھنے کے بجائے اس پر اعتراضات شروع کر دیے۔ اہل زبان اقبال کی دور احیاء کی شاعری سے واقف نہیں تھے۔ اہل زبان کے اعتراضات کے اسباب و محرکات واضح کرتے ہوئے آل احمد سرور لکھتے ہیں:

''شاعری کے دو سکول ہیں۔ ایک تشبیہات و استعارات سے اپنے کلام کو مرصع کرتا ہے اور دوسرا محاورات پر جان دیتا ہے۔۔۔ محاورہ بندی شاعری میں اتنی ضروری نہیں جتنی تشبیہات و استعارات۔۔۔ اس طرح دیکھیں تو ہمارے تمام اچھے شاعر دو گروہوں میں منقسم ہو جاتے ہیں۔ میرؔ، داغؔ اور ذوقؔ زبان کو صاف کرنے والے ہیں۔۔۔ غالبؔ، اقبال اور انیسؔ زبان کو آگے بڑھانے والے ہیں۔۔۔ جب کوئی استعارے اور تشبیہات استعمال کرتا ہے تو کہیں کہیں اس انداز میں ایک اجنبیت آ جاتی ہے۔ اس کے خیال کے سانچوں اور علامتی مترادفات سے لوگ پوری طرح واقف نہیں ہوتے اس اس وجہ سے قواعد کی رو سے اعتراض پیش کرتے ہیں۔''[۸]

آل احمد سرور کی اس رائے کی روشنی میں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اہل زبان کے اقبال پر اعتراضات صوبائی تعصب،

لسانی برتری، اقبال کا اہل زبان نہ ہونا، شعرا اور ناقدین کا روایتی اردو شاعری اور مضامین سے منسلک ہونا، اقبال کی آواز اور فکر کو درست سمت میں نہ سمجھ سکنا وغیرہ کا نتیجہ ہیں۔

اردو زبان ایک مخلوط زبان ہے۔ اس کا ہیولا مختلف زبانوں اور بولیوں سے تیار ہوا اور اس نے مختلف علاقوں میں پرورش اور نشو ونما پائی اور ارتقائی منازل طے کر کے ایک ترقی یافتہ زبان بن گئی۔ اردو زبان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں لچک پائی جاتی ہے اور جدید تقاضوں کے مطابق ہر عہد اور ہر زبان کے الفاظ کو اپنے اندر سمانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اردو کے آغاز و ارتقا کے بارے میں مختلف ماہرین نے مختلف نظریات پیش کیے ہیں۔ ادبی زبان کی اسناد کے حوالے سے اہل لکھنؤ اور اہل دہلی کو سند کا درجہ حاصل رہا ہے۔ علامہ اقبال کا تعلق پنجاب سے تھا۔ جب اہل دہلی اور اہل لکھنؤ نے اقبال کی زبان سنی تو اُس پر اعتراضات کرنا شروع کر دیے۔ یکم جون ۱۹۰۳ کے علی گڑھ منتھلی میں حاجی محمد خان کا ایک مضمون "اردو پنجاب میں" شائع ہوا۔ اُنھوں نے اعتراض کیا کہ اس وقت پنجاب میں کوئی ایسی کتاب نظر نہیں آتی جسے کوئی اہل زبان پڑھ کر خوبی کا قائل ہو اور نہ ہی پنجاب میں اس وقت تک عمدہ اردو لکھنے کا رواج ہوا ہے۔ ۷ اگست ۱۹۰۳ کے اردو معلی میں حکیم عبدالکریم برہم نے اس بات پر اعتراض کیا کہ رسالہ مخزن میں جب سے اقبال کی نظمیں شائع ہونا شروع ہوئی ہیں اس وقت سے اہل پنجاب کا دماغ آسمان پر پہنچ گیا ہے۔[۹]

اہل زبان نے زیادہ تر اعتراضات اقبال کے روزمرہ اور محاورے پر کیے۔ اقبال کی آواز ایک نئی آواز تھی۔ جس طرح اہل عرب کو اپنی زبان دانی پر ناز تھا وہ اپنے سوا باقی لوگوں کو عجمی گونگے کہتے تھے مگر جب اُنھوں نے قرآن کی نئی آواز سنی تو اُس پر طرح طرح کے اعتراضات لگائے۔ اسی طرح اہل لکھنؤ اور اہل دہلی کے لیے اقبال کی آواز نئی تھی اُنھوں نے اقبال کی زبان پر اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اہل زبان کے اعتراضات کے اصل محرکات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اہل زبان کی طرف سے اقبال کی شاعری اور زبان و بیان پر اعتراض کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ اہل لکھنؤ اور اہل دہلی نئی آواز سننے کے قائل نہیں تھے۔ لکھنؤ اور دہلی کے شعرا عہد تنزل کی شاعری کے ساتھ وابستہ تھے۔ اُن کے ہاں نئی تراکیب، استعارات اور صنائع بدائع کا چلن نہیں تھا۔ وہ صرف اُن ہی الفاظ کی جگالی کو پسند کرتے تھے جو قدما کے ہاں سے چلی آ رہی تھی۔ اقبال نے چونکہ اپنی شاعری میں نئے خیالات کا اظہار کیا

اور نئے خیالات کے لیے نئی تراکیب واستعارات کا استعمال کیا۔ لہٰذا اہلِ زبان انھیں ماننے کے لیے کسی بھی طور پر تیار نہ تھے۔

۲۔ اقبال کا تعلق پنجاب سے تھا۔ اہلِ لکھنؤ اور اہلِ دہلی لسانی برتری میں مبتلا تھے۔ وہ اپنے سوا کسی کے روزمرہ اور محاورے کو مستند ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس لیے اُنھوں نے اقبال کی زبان میں خامیاں نکالنی شروع کر دی۔

۳۔ اقبال کی زبان پر اعتراضات کرنے والوں میں زیادہ تر شاعر تھے۔ اگرچہ اُن کی اپنی زبان اُن خامیوں سے پاک نہیں جن کا الزام اُنھوں نے اقبال پر لگایا ہے۔ مگر وہ اقبال کی شہرت سے جلتے تھے اور اُن میں صوبائی اور علاقائی تعصب نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔

۴۔ اہلِ زبان کی طرف سے اقبال پر جو اعتراضات ہوئے وہ زیادہ تر محاورہ، روزمرہ اور تذکیروتانیث کے حوالے سے تھے۔ اس حوالے سے اہلِ لکھنؤ اور اہلِ دہلی کے درمیان بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان امور میں اہلِ زبان اہلِ پنجاب کو سند کا درجہ دینے کے لیے آمادہ نہیں ہو سکتے تھے۔

اہلِ زبان نے اقبال کی زبان پر حسبِ ذیل قسم کے الزامات لگائے ہیں۔ متروکات، تذکیروتانیث کی غلطیاں، ایطائے جلی، نُدرتِ الفاظ، مہمل گوئی، روزمرہ، فارسیت کا غلبہ، خرابی بندش، حشو و زوائد، ندرتِ تراکیب، معنوی لغزشیں، اختلافِ لغت، اختلالِ الفاظ، تقدیم وتاخیر، بے جا تخفیفِ الفاظ، بے ضرورتِ الفاظ، عدم تقابل، فرقت زدہ الفاظ، سرقہ، بے ربطی کلام وغیرہ۔[۱۰]

اہلِ زبان نے اقبال کی زبان و بیان پر اعتراضات کا سلسلہ ۱۹۰۲ میں شروع کیا اور اُن کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری وساری رہا۔ اودھ پنچ نے اقبال کی زبان پر اعتراضات کا سلسلہ ۱۹۰۴ میں شروع کیا اور یہ سلسلہ ۱۹۳۵ تک جاری رہا۔ نیرنگ خیال اگست ۱۹۳۴ کے شمارے میں ''عہدِ حاضر کے شعرا کی خامیاں'' کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا جس میں اقبال کی دو نظموں کو زبان و بیان کے حوالے سے ہدفِ تنقید بنایا گیا۔ بانگ درا اور بال جبریل کی اشاعت کے بعد ان شعری مجموعوں پر بھی اعتراضات ہوئے۔ جوش ملیسانی نے حضرت جراح کے قلمی نام سے اخبار پارس میں اقبال کی خامیاں کے عنوان سے مضمون شائع کیا۔ برکت علی گوشہ نشین نے اپنی کتاب اقبال کا شاعرانہ زوال میں بانگ درا کی لسانی خامیوں پر بحث کی، جبکہ اسی کتاب

کے حصہ دوم میں اسرار خودی، رموز بے خودی، پیام مشرق اور زبور عجم کی خامیوں کو زیر بحث لائے اسی طرح گوشہ نشین نے اپنی کتاب مسودبانہ تبدیلیاں میں زبان و بیان کے حوالے سے بال جبریل کے چوراسی اشعار کو تبدیل کیا۔[۱۱]

جوش ملیسانی نے اپنی کتاب اقبال کی خامیاں میں اقبال کی زبان و بیان اور اُن کی اغلاط کی نشاندہی کی ہے۔عبدالسلام ندوی نے بال جبریل کی غزلیات پر اعتراض کیا ہے کہ یہ غزلیات غزل کی زبان سے عاری ہیں اُن میں وہ نرم، لطیف اور خوشگوار احساس نہیں پایا جاتا جو غزل کی زبان کا طرہ امتیاز ہے۔[۱۲]

یہ بات تو واضح ہے کہ ہم کسی شاعر اور ادیب کے کلام کو ہر قسم کی لغزشوں اور اغلاط سے پاک قرار نہیں دے سکتے۔کسی نہ کسی طور پر انسانی کلام میں غلطیاں پائی جاتی ہیں اور مختلف علاقوں میں رہنے والے افراد کے مابین لسانی تبدیلیاں بھی ایک مسلمہ عمل ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر منظر اعظمی لکھتے ہیں:

> ”طرزِ انشا کے نقائص اور صرفی غلطیاں کس کے یہاں نہیں پائی جاتیں۔تذکیرو تانیث کے معاملے میں تو خود اہل دہلی اور اہل لکھنؤ کے اختلافات سامنے کی باتیں ہیں اور پھر اقبال نے کبھی نہیں کہا کہ مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔اہل زبان حضرات زبان کے فخرِ بے جا میں مبتلا تھے اس لیے پنجاب کے خلاف ہمیشہ تیغ در دست رہے وہ دراصل زبان کی وسعت کے عمل سے ناواقف اور لسانی تعصب کا شکار تھے اقبال کے ساتھ اہل زبان نے جو سلوک کیا وہ اُن کے احساس کمتری اور جذبہ حسد کا نتیجہ تھا۔“[۱۳]

اہل زبان نے عام طور پر اقبال کے زبان و بیان پر جو اعتراضات کیے ہیں اُن کی نوعیت حسب ذیل ہے۔اقبال نے اپنی کتاب بانگ درا میں بہت سے متروک الفاظ استعمال کیے ہیں۔اقبال کی شاعری میں تذکیرو تانیث کی بہت سی اغلاط پائی جاتی ہیں۔اُنھوں نے اپنی اردو شاعری میں فارسی زبان کے الفاظ کا استعمال بہت زیادہ کیا ہے۔بہت جگہوں پر اقبال نے معنوی لغزشیں کی ہیں۔[۱۴]

جوش ملیسانی کے نزدیک اقبال نے اپنی شاعری میں بہت سی نامانوس تراکیب استعمال کی ہیں۔مثلاً

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی[15]

بقول جوش ملیسانی لفظ بتان جاندار سے مخصوص ہے، مگر یہاں پتھر کے بت مراد ہیں۔ کیونکہ لفظ توڑ کر سے یہی ثابت ہوتا ہے جو کہ اقبال کی غلط ترکیب ہے۔[16] سید سلیمان ندوی کے بقول اقبال کی زبان غزل کی زبان نہیں ہے اور ان کی غزل اوصاف غزل سے بالکل عاری نظر آتی ہے۔ اقبال کی بالِ جبریل کی غزلیں تغزل سے بالکل بیگانہ ہیں۔[17] کلیم الدین احمد کے نزدیک کلام اقبال میں شعریت کی کمی ہے۔ اُس کی وجہ اُن کا پیغمبری پر اصرار اور خطابت ہے۔ طویل نظموں میں ربط و تسلسل کا فقدان ہے۔ رومانیت اور منظر نگاری کم ہے۔ مخصوص خیالات کو بار بار پیش کیا گیا ہے۔[18] مسجد قرطبہ نظم نہیں ہے اور اس میں تسلسل بھی نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح اُن کی نظم ''خضرِ راہ'' میں بھی تسلسل نہیں پایا جاتا۔[19] عرش ملیسانی کے نزدیک اقبال کو ایک مفکر اور فلسفی ہونے کے باوجود ذریعہ اظہار بہتر صورت میں نہ ملا۔[20]

۲: روایتی عجمی تصوف کے حامی

معترضین اقبال کا ایک گروہ روایتی عجمی تصوف کا حامل ہے۔ عجمی تصوف کے حامل افراد نے اسرار خودی کی اشاعت کے بعد علامہ اقبال پر اعتراضات کا سلسلہ شروع کیا۔ اس مثنوی کی ابتدا میں علامہ اقبال نے افلاطون، حافظ اور روایتی عجمی تصوف کی پرزور الفاظ میں مذمت کی ہے۔ اقبال عجمی تصوف کو اقوام کی ترقی میں زہر قاتل سمجھتے تھے کیوں کہ عجمی تصوف بے عملی اور تقدیر پرستی کا درس دیتا ہے یہ بات اقبال کے نظریات کے منافی تھی۔ حافظ کی شاعری میں عجمی تصوف کا درس پایا جاتا ہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے ساری زندگی اس مساعی میں صرف کی کہ وحدت الوجود کو اسلام کا جزو ثابت کیا جائے۔ اُنھوں نے قرآن کی تفسیر اس انداز سے لکھی کہ عجمی تصوف کو اسلامی تخیل کا جزو بنایا جائے۔ اہل ایران نے عجمی تصوف کے دلکش نمونے لوگوں کے سامنے پیش کر کے عوام کو متاثر کیا۔ اقبال نے جب حافظ کے نظریات پر تنقید کی تو مخالفت کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا کیونکہ عوام میں حافظ صرف شاعر کے طور پر نہیں جانے جاتے تھے بلکہ عوام اُنھیں پیرِ کامل اور ولی اللہ سمجھتے تھے۔ دیوان حافظ سے فال نکالی جاتی تھی۔ وہ کسی بھی صورت میں حافظ پر تنقید برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ حال آنکہ اقبال نے حافظ کی شخصیت پر نہیں نظریات پر تنقید کی ہے۔ معترضین کا یہ خیال تھا کہ اقبال برصغیر سے صوفی تحریک ختم کرنا چاہتے ہیں۔ چناں چہ اقبال پر اعتراضات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔

اقبال کی شہرہ آفاق تصنیف اسرار خودی ۱۹۱۵ میں شائع ہوئی۔مثنوی کے پہلے اڈیشن کے دیباچے میں اقبال نے روایتی عجمی تصوف پر اعتراض کیا۔اگر چہ ابتدا میں اقبال کا رجحان وحدت الوجود کی طرف تھا۔مگر آہستہ آہستہ وہ اس سے بدظن ہوتے گے اپنے تحقیقی مقالے ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقاء پر تحقیق کے دوران اُنھیں وحدت الوجود کی صداقت پر شک ہوا۔اور وہ وحدت الوجود اور روایتی عجمی تصوف کو مسلمانوں کے زوال کا سبب جانتے تھے۔اقبال نے مثنوی اسرار خودی کے دیباچے میں وحدت الوجود پر سخت الفاظ میں تنقید کی۔اُنھوں نے افلاطون اور حافظ کے نظریات پر تنقید کی۔افلاطون کو راہب اول اور حافظ کو گوسفند قدیم کہا۔اقبال نے اپنے جو اشعار حافظ کی مخالفت میں لکھے ہیں اُن سے اقبال کا مقصد حافظ کی عظمت اور بزرگی پر حملہ کرنا نہیں تھا بلکہ اُنھوں نے حافظ کے نظریات سے اختلاف کیا تھا۔اقبال کی حافظ کے خلاف تنقید سے اقبال کی مخالفت کا ایک نیا گروہ پیدا ہو گیا۔ان میں وہ لوگ شامل تھے جو نام نہاد صوفی ،سجادہ نشین، پیر اور شریعت سے ناواقف تھے۔حافظ کی حیثیت ان لوگوں کے سامنے صرف ایک شاعر کی نہیں بلکہ وہ اُنھیں ایک برگزیدہ بزرگ ہستی تسلیم کرتے تھے۔لہذا یہ لوگ کسی بھی صورت میں حافظ کے خلاف تنقید برداشت نہیں کر سکتے تھے۔معترضین کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جنھوں نے اقبال کی مثنوی اسرار خودی کو تصوف کے خلاف بغاوت قرار دیا۔لہذا بہت سے لوگ میدان میں آگئے اور اُنھوں نے اقبال کے خلاف اعتراضات کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔

حافظ کی حمایت میں اور اقبال کی مخالفت میں مثنویاں لکھی گیں۔اقبال نے اپنی مثنوی اسرار خودی کو سر علی امام کے نام منسوب کیا تھا۔اس انتساب پر لوگوں نے اعتراضات کیے اسرار خودی کی مخالفت کا آغاز خواجہ حسن نظامی سے ہوا۔اگر چہ خواجہ حسن نظامی کا شمار اقبال کے دوستوں میں ہوتا تھا مگر اُنھوں مختلف افراد سے اقبال کے خلاف تنقیدی مضامین لکھوانے کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ان مضامین میں اقبال کے خلاف الزام تراشیاں کی گئیں۔خواجہ حسن نظامی نے مختلف علما کو ایک سوالنامہ بھی ارسال کیا اور مثنوی کے انہدام کی مہم کو تیز کیا۔خواجہ حسن نظامی نے بلآخر پانچ وجوہات کی بنا پر مثنوی کو نا قابل قبول قرار دیا۔مختلف لوگوں نے مثنوی کی مخالفت میں مضامین لکھے۔اسرار خودی کی مخالفت میں چار مثنویاں لکھی گئیں جن میں ملک محمد کاشمیری نے ایک مختصر سی مثنوی لکھی جس میں حافظ کی تعریف اور اقبال کی مذمت کی گئی۔ڈاکٹر عشرت حسن انور نے سرود بے خودی اور ڈاکٹر خواجہ معین الدین جمیل نے سر الاسرار کے نام سے مثنوی لکھی جس میں حافظ کی تعریف اور اقبال کے انہدام کی کوشش کی گئیں۔۱۹۸۳ میں ایک مولوی نے تنقیدات اقتدار بر نظریات اقبال کے نام سے ایک رسالہ بریڈفورڈ سے شائع کیا جس میں

مولوی موصوف نے علامہ اقبال پر یہ اعتراض لگایا کہ مثنوی اسرار خودی میں اقبال نے اسلام صوفیا اور علما کے خلاف باتیں کی ہیں اور تصوف کی مذمت کی ہے۔[۲۱] روایتی عجمی تصوف کے حامل افراد نے مختلف مضامین اور مثنویوں کی شکل میں فکرِ اقبال پر اعتراضات لگائے۔ قطع نظر اُس پس منظر کے جس میں اقبال نے حافظ کی مذمت کی تھی۔ علامہ اقبال کا حافظ پر اعتراض ایک فکری اور نظریاتی حوالے سے تھا مگر معترضین نے اصل حقائق کی پرکھ نہیں کی۔

روایتی عجمی تصوف کے حامی افراد کا تعلق کسی نہ کسی طرح خانقاہ، آستانے یا مرشد سے تھا روایتی عجمی تصوف کا اثر مسلمان معاشرے میں بہت زیادہ سرایت کر چکا ہے۔ لوگ پیروں، فقیروں اور راہبوں کی اندھی تقلید کرتے ہیں ایسا ہی ان افراد نے بھی کیا جو بات پیر صاحب نے کہہ دی اُسے من وعن تسلیم کر لیا قطع نظر اس بات کہ وہ اصل حقائق کی چھان پھٹک کرتے کہ عجمی تصوف پر اقبال کے اعتراضات کی نوعیت کیا ہے؟ اقبال نے حافظ کے خلاف کیوں اعتراضات کیے؟ اس گروہ سے تعلق رکھنے والے افراد نے اندھی تقلید سے کام لیا اور فکر اقبال پر بے جا الزامات لگانا شروع کر دیے۔

۳: مستشرقین

معترضین اقبال کا ایک گروہ مستشرقین کا ہے۔ اس گروہ میں غیر ملکی اہل قلم شامل ہیں۔ مستشرقین کے اقبال پر اعتراضات کے پس منظر میں صرف ایک ہی سب سے بڑا محرک تھا وہ اسلام دشمنی اور اسلام کے خلاف تعصب تھا۔ مذہبی تعصب پسندی کی وجہ سے مستشرقین اقبال کی آواز پر کان دھرنے کے بجائے اُس کے خلاف ہو گئے۔ اقبال کا پیغام وحدت انسانی کا پیغام ہے وہ مسلمانوں کو اتحاد اور عمل کی تعلیم دیتے تھے۔ مستشرقین کو خدشہ تھا کہ اقبال اُمت مسلمہ خاص طور پر اقوام مشرق کو مغرب کے خلاف صف آرا کر رہے ہیں اور اُنھیں اس بات کا اندیشہ بھی تھا اگر اقبال کی تعلیمات پر مکمل طور پر اقوام مشرق نے عمل کر لیا تو مغرب اُن کے زیر تسلط آجائے گا۔ مستشرقین عورت کی آزادی کے خواہاں ہیں جبکہ اقبال عورت کو اسلامی دائرے کے اندر رکھنے کے حق میں ہیں لہذا اُنھوں نے اقبال کے نظریات سے اختلاف کیا۔

مستشرقین کے اعتراضات کا سب سے بڑا محرک مذہبی تعصب اور مسلم اقوام کی بیداری تھا۔ اہل مغرب کبھی بھی یہ بات گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ اہل مشرق متحد ہوں اور اُن میں حرکت، قوت، عمل اور بیداری پیدا ہو۔ لہذا مستشرقین نے فکر اقبال کو مسخ کرنے کی کوششیں شروع کر دی۔ فکر اقبال کے انہدام کے لیے ہندو معترضین نے ایڑی

چوٹی کا زور لگایا۔اقبال نے حق اور اسلام کی آواز بلند کی۔ مسلمانوں کو اپنے حقوق کے تحفظ کا یقین دلایا۔ اقبال مسلمانوں کو مضبوط بنانا چاہتے تھے۔ اقبال نے مسلمانوں کو اپنے لیے علاحدہ وطن کے حصول کی طرف راہ نمائی کی۔ یہ باتیں ہندوں کو بہت ناگوار گزرتی تھی، ہندو معترضین کے اعتراضات کا پس منظر وہی روایتی بات تھی کہ اقبال بھارت ماتا کے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں۔ ہندو معترضین کی مخالفت اقبال کے نمایاں اسباب حسب ذیل ہیں:

i۔ اقبال کی اسلام کے ساتھ وابستگی ،مسلمانوں کو خودی کی تعلیم اور اپنی شخصیت کی اسلامی تناظر میں نشو ونما کرنا۔

ii۔ وطنی قومیت کے بت کو توڑنا اور اسلامی نظریہ قومیت ،نظریہ ملت کی تفسیر و تلقین کرنا۔

iii۔ مسلمانوں کو اس بات کی طرف راغب کرنا کہ وہ اپنے لیے الگ مسلم سلطنت حاصل کریں،یعنی مسلم ریاست کا نصب العین اور خطبہ الٰہ آباد میں مسلم ریاست کا تصور پیش کرنا۔

iv۔ مسلمانوں کو اسلامی احیا اور اسلامی اتحاد کی دعوت دینا۔

علامہ اقبال کے یہ نظریات ہندوؤں کو گراں گزرتے تھے، لہٰذا اُنھوں نے اقبال کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا شروع کردیا اور ناروا الزامات سے فکرِ اقبال کو منہدم کرنے کی ایک باقاعدہ سازش شروع کردی۔

علامہ اقبال نے تحریک خلافت میں حصہ نہیں لیا تھا چونکہ علامہ اقبال اتحاد بین المسلمین کے حامی تھے اور وہ متحدہ ہندی قومیت کے نظریے کو کسی صورت میں تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ محمد علی جوہؔر تحریک خلافت کے روح رواں تھے۔قومیت کے مسئلہ پر محمد علی جوہؔر اور علامہ اقبال کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا تھا لہذا محمد علی جوہؔر نے اقبال کی مخالفت کی۔محمد علی جوہؔر ایک جذباتی انسان تھے۔ وہ بعض اوقات معمولی سی بات پر آگ بگولہ ہو جاتے تھے اور ساری دوستی اور تعلق بالا طاق رکھ کر مخالفت پر آجاتے تھے۔[۲۲] چناں چہ اُنھوں نے تحریک خلافت، تحریک ترک موالات اور دوسری سیاسی تحریکات کے حوالے سے اقبال کو اعتراضات کا نشانہ بنایا۔ نقطہ نظر کا یہ اختلاف محمد علی جوہؔر کے دوسرے حامیوں کو بھی اقبال کے خلاف اعتراضات پر اُکساتا رہا اور اس طرح مخالفین و معترضین کا ایک پورا گروہ وجود میں آ گیا۔ اس گروہ کے اعتراضات کا سب سے بڑا سبب متحدہ قومیت کے نظریے سے اقبال کا اختلاف تھا۔

ڈاکٹر نکلسن نے علامہ اقبال کی مثنوی اسرار خودی کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس ترجمہ کی بدولت مغرب پہلی مرتبہ اقبال کے افکار سے آگاہ ہوا۔ مغرب میں اقبال کی مثنوی اور افکارِ اقبال کی کافی پذیرائی ہوئی اور بہت

سے نامور محققین اور ادباء نے فکر اقبال کی تعریف و تحسین کی۔ مگر کچھ ایسے افراد بھی تھے جنھوں نے فکر اقبال کے انہدام کی کوشش کی۔ ان میں ای۔ ایم فوسٹر، کانٹ ویل سمتھ، الفرڈ گیوم، ایچ۔ اے۔ ار۔ گب وغیرہ نام قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے مستشرقین کے تین گروہ بنائے ہیں۔

i۔ وہ مستشرقین جن کا مطالعہ اقبال سنجیدہ اور غائر ہے۔

ii۔ وہ افراد جن کی تحریریں غیر رسمی اور غیر معیاری ہیں۔

iii۔ وہ معروف مستشرقین جن کی تحریک تعصّباتی ہے۔[۲۳]

اقبال نے مثنوی اسرار خودی میں فرد کی اصلاح اور معاشرے کی اصلاح کی طرف توجہ مبذول کی جو کہ اسلامی نشاۃ ثانیہ کا عمل ہے۔ مغرب کو اسلامی نشاۃ ثانیہ ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی، جن مستشرقین نے اقبال کی نشاۃ ثانیہ کو خطرناک قرار دیا اور اُسے تشویش کی نگاہ سے دیکھا اُنھوں نے اقبال شکنی کی اور اقبال کے فکر و فن پر اعتراضات کیے۔ مستشرقین نے اقبال پر جو اعتراضات کیے وہ ایک لحاظ سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے کیونکہ اہل مشرق نے ہمیشہ اہل مغرب کا کہا مستند تسلیم کیا ہے۔ مشرقی معترضین نے جب اقبال پر مغربی مفکرین کے اعتراضات دیکھے تو اُنھیں اس سے مزید شہ ملی اور وہ انہدام اقبال کی مہم میں اُن کی تحریک تیز ہوگئی۔

علامہ اقبال کی شاعری کی ابتدا اُن کے زمانہ طالب علمی سے ہو چکی تھی۔ ابتدائی دور کی شاعری میں بھی متعدد رُجحان نظر آتے ہیں جن میں وطن پرستی کا رُجحان نمایاں ہے۔ اقبال کی ابتدائی شاعری میں وطنی قوم پرستی اسلام پر حاوی نظر آتی ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ وطنی قوم پرستی کے حصار سے نکل کر اسلامی قومیت کی طرف راغب ہو گے۔ اُن کا ایسا کرنا کسی ذاتی مصلحت یا کسی اور سیاسی مصلحت کے پیش نظر نہیں تھا۔ بلکہ اُنھوں نے اپنے مشاہدات اور مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مسلمانوں کی ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ وطنی قوم پرستی کی قید سے نکلیں اور ملت کے تصور کے حامل ہوں۔ اقبال نے اسلام کی آواز بلند کی وہ مسلمانوں کو اپنے حقوق کے حصول کی طرف آمادہ کرنا چاہتے تھے۔ ۱۹۳۰ کے خطبہ الہٰ آباد میں اُنھوں نے مسلمانوں کو علاحدہ ریاست کا تصور دیا۔ ہندو دانش وروں کو اقبال کے یہ خیالات نا گوار گزرے اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ اقبال مسلمانوں کو اس بات پر اُکسا رہے ہیں کہ وہ بھارت ماتا کے ٹکڑے کریں۔ چناں چہ ہندو دانش وروں نے اقبال کی مخالفت شروع کر دی۔ جن ہندو دانش وروں نے انہدام اقبال کی کوشش کی اُن میں انندنرائن ملا، سچد انند سہنا، لالہ دنیا ناتھ صحافی، ڈاکٹر تارا چرن رستوگی اور فراق گورکھ پوری وغیرہ

شامل ہیں۔ابتدا میں ہندوؤں کے اعتراضات کی نوعیت اور شدت اتنی تیز نہیں تھی مگر خطبہ الہٰ آباد کے بعد ہندوؤں نے انہدام اقبال کی مہم تیز کر دی اور طرح طرح کے الزامات اقبال پر عائد کیے۔ ۷ جنوری ۱۹۳۱ کو ہندوستان میں کوئی اخبار ایسا نہیں تھا جس نے پیٹ بھر کر اقبال کو گالیاں نہ دی ہوں۔[۲۴]

دنیا ناتھ صحافی اقبال پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وہ شاعر ہے نہ فلاسفر، نہ محبّ وطن ہے وہ ایک تنگ خیال، تنگ نظر، انتہا پسند متعصب مسلمان ہے۔ وہ اپنی تنگ نظری سے مسلمانوں کو عملاً اس قسم کی جنگی تعلیم دیتا رہا ہے۔''[۲۵]

اس قسم کے الزامات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ہندوؤں نے تنگ نظری اور انتہا پسندی کے اوچھے ہتکھنڈوں سے انہدام اقبال کی کوشش کی ہے جو اُن کی متعصّبانہ ذہنیت کی غماز ہے۔

۵: ہندی قوم پرست مسلمان

ہندوؤں کے ساتھ ساتھ انہدام اقبال کی مہم میں ہندی قوم پرست مسلمانوں کا حصہ بھی کسی سے کم نہیں۔ مولانا محمد علی جوہؔر، ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، جمیل مظہری، مولانا حسین احمد نجیب، مولانا نجم الدین اصلاحی، قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی، آل احمد سرور اور مظفر حسین برنی وغیرہ ایسے افراد ہین جنھوں نے انہدام اقبال کی مہم میں سرخیل کا کردار ادا کیا۔تحریک خلافت برصغیر کی ایک بڑی تحریک تھی۔ چند مستند وجوہات کی بنیاد پر علامہ اقبال نے تحریک خلافت میں حصہ نہیں لیا۔ اور اُنھوں نے تحریک ترک موالات کو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ قرار دیا، علامہ اقبال نے تحریک کے شروع میں جن خدشات کا اظہار کیا تھا ۱۹۲۴ میں وہ درست ثابت ہوئے۔ علامہ اقبال ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد کے حامی تو تھے لیکن وہ متحدہ ہندی قومیت کے مخالف تھے۔ جب کہ زیادہ تر ہندی قوم پرست مسلمان متحدہ ہندوستانی قومیت کے علمبردار تھے جن میں سب سے پیش پیش مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی نے علامہ اقبال کے خلاف ایک رسالہ بعنوان متحدہ قومیت اور اسلام لکھا جس میں اُنھوں نے متحدہ قومیت کے حق میں اسلامی دلائل پیش کیے اور اقبال کے نظریہ ملت کی تردید کی۔ مولانا محمد علی جوہؔر نے اقبال پر انگریز دوستی کا الزام لگایا اور رسالہ ہمدرد میں اقبال کے خلاف پانچ مضامین شائع کیے۔

مولانا حسین احمد نجیب نے اقبال کا شمار اُن شعرا میں کیا جنھوں نے قرآن کی مذمت کی ہے حال آنکہ اقبال کی شاعری قرآن سے متصادم نہیں قرآن کی شرح وتفسیر ہے۔جس کا واضح ثبوت ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان کی کتاب اقبال اور قرآن ہے۔جن میں اُنھوں نے قرآن سے متعلق علامہ اقبال کے خیالات ،نظریات اور واقعات درج کیے ہیں اور علامہ اقبال کے ہر مجموعہ کلام کے قرآنی مضامین کو جمع کیا ہے۔متحدہ ہندوستان میں قوم پرست مسلمانوں کے دو گروہ پائے جاتے ہیں،معترضین اقبال کا ایک گروہ وہ ہے جس نے نظریہ قومیت اور تصور پاکستان کی بنا پر اقبال کی مخالفت کی اور دوسرے گروہ نے یہ دعویٰ کیا کہ نظریہ پاکستان سے علامہ اقبال کو کوئی تعلق ہی نہیں ۔ ہندی قوم پرست مسلمانوں کو یہ بات ناگوار گزرتی تھی کہ مسلمانوں کا علاحدہ وطن پاکستان معرض وجود میں آئے ،مگر اللہ کے فضل سے پاکستان بن گیا مگر اُنھوں نے پاکستان کی نظریاتی بنیادیں کھوکھلی کرنی شروع کر دیں جس کا ایک موثر ترین حربہ یہ تھا کہ تصور پاکستان سے علامہ اقبال کا رشتہ منقطع کر دیا جائے۔لہذا اس گروہ نے واضح کرنے کی یہ کوشش کی کہ قیام پاکستان انگریزوں کی چال تھی اور پاکستان کا تصور علامہ اقبال نے پیش نہیں کیا۔اس گروہ سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد دوقومی نظریے کے مخالف تھے۔لہذا اقبال کے خلاف ان افراد نے مختلف قسم کے اعتراضات کیے اور فکر اقبال کے انہدام کو کوشش خاص مقاصد کے تحت تھی جو کہ ان کی تحاریر اور بیانات سے واضح ہے۔

۶: تنگ نظر اور فرقہ پرست مولوی

علامہ اقبال ایسے مولویوں اور اہل مدرسہ کے خلاف تھے جو خودی کا گلا گھوٹ دیں اور جو نوجوان نسل کو سعی و عمل کی طرف راغب نہ کر سکیں۔اقبال کے نزدیک عوام کا استحصال امراء اور جاگیرداروں کے ساتھ ساتھ پیروں اور مولویوں نے بھی کیا ہے۔ ہمارے مولوی صاحبان کی فرقہ پرستی اور تنگ نظری کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔اقبال کے پیش نظر ملت کی اصلاح تھی جبکہ مولوی صاحبان دین پر اپنی اجارہ داری سمجھتے تھے۔مولوی صاحبان کسی ایسی بات کو سننے اور تسلیم کرنے کے روادار کبھی بھی نہیں ہو سکتے جو اُن کے مسلک کے خلاف ہو۔ چناں چہ مولوی صاحبان نے انہدام اقبال کی کوشش کی اور اُن کے خلاف اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا جو سراسر مسلکی اختلاف اور تنگ نظری کا نتیجہ تھا۔

اسلام دین وحدت ہے اور تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے احترام کا درس دیتا ہے۔ بد قسمتی سے دین اسلام میں فرقہ پرستی اور مسلکی اختلاف کا رُجحان باقی مذاہب کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے۔فرقہ واریت نے اسلام

کی اصل روح کو ختم کر دیا۔ نام نہاد مولوی صاحبان اپنے آپ کا اسلام کا ٹھکیدار تصور کرتے ہیں اور مذہبی امور پر اُن کی اجارہ داری قائم ہے۔ ہمارے علماء کرام تو ایک دوسرے کی بات برداشت نہیں کرتے کوئی سنی عالم کسی دیوبندی یا وہابی عالم کی بات سننے اور اُسے درست تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اگر وہ ایسا کریں تو اُن کی مذہبی اجارہ داری ختم ہو جائے گی۔ وہ علماء کہاں یہ بات برداشت کر سکتے تھے کہ کوئی ایسا شخص جو اُن کے مسلک اور گروہ سے منسلک نہ ہو اُن کی اجارہ داری میں مداخلت کرے۔ صرف وضو، نماز، روزہ اور بنیادی شعائر اسلام ہی اصل اسلام نہیں بلکہ اسلام وسیع معاملات اور اُن کی تفہیم کا نام بھی ہے۔ اسلام اجتماعی، قانونی، سیاسی، معاشی، عمرانی اور ملی زندگی کے جملہ پہلوں کا احاطہ کرتا ہے۔

حجاز پر سعودی حکومت قائم ہوئی تو وہاں کی حکومت نے بدعات کے خاتمے کے لیے وہاں وہابی مسلک کے طرز پر مہم شروع کی۔ اقبال نے اس مہم پر اطمینان کا اظہار کیا۔ بریلوی مسلک کے لوگوں کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور وزیر خان مسجد کے خطیب مولوی دیدار علی نے اقبال کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کر دیا۔ بریڈفورڈ کے ایک تنگ نظر متعصب اور نیم خواندہ مولوی نے اقبال کے خلاف ناروا اعتراضات کیے۔ مولانا حسین احمد مدنی جن کا تعلق دیوبندی فرقے سے تھا اُنھوں نے بھی فکرِ اقبال کے انہدام کی کوشش کی۔ اگرچہ کچھ علماء کرام نے اقبال پر درست اعتراضات بھی کیے ہیں جو علمی نوعیت کے تھے جن کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں، مگر فرقہ پرست مولویوں نے اپنے متشددانہ رویوں سے انہدامِ اقبال کی کوششیں کیں۔ معترضین اقبال کے اس گروہ میں مولانا برکت علی گوشہ نشین، علامہ مشرقی، مولانا حسین احمد مدنی، صاحبزادہ اقتدار، مولوی دیدار علی، سبط شبر زیدی وغیرہ شامل ہیں۔

۷: اشتراکیت پسند دہریے

ترقی پسند تحریک برصغیر کی اہم ادبی تحریک تھی جس کا احیاء خاص مقاصد کے تحت ہوا تھا۔ اس تحریک سے تعلق رکھنے والے افراد خاص نظریات و رُجحانات کے حامی تھے۔ ترقی پسند شاعر، نقاد اور مصنفین اشتراکیت کے ہم نوا تھے اور اُن کے یہی اشتراکی مقاصد ادبی مقاصد بھی مقرر ہوئے۔ وہ ادب کا جائزہ اشتراکیت کے پس منظر میں لیتے تھے۔ اس تحریک کے آغاز کے ساتھ ہی فکرِ اقبال کے انہدام کی ایک باقاعدہ تحریک شروع کی گئی جس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ اقبال اشتراکی نہیں ہیں۔ اقبال ایک راسخ العقیدہ مذہبی مسلمان تھے جبکہ ترقی پسندوں کے نزدیک اشتراکی ہونا مسلمان ہونے سے بہتر ہے۔[۲۶] ترقی پسند نقاد اشتراکیت کا فروغ چاہتے تھے اس مقصد کے لیے اُنھوں نے اقبال کو

اشتراکی ظاہر کرنے کی کوشش بھی کی۔ تمام ترقی پسند نقادوں نے اشتراکیت کا نمک مرچ لگا کر فکر اقبال کو پرکھا اور جب اقبال کے افکار و نظریات اُن کے طے شدہ نظریات کے برعکس نکلے تو اُنھوں نے انہدام اقبال کی مہم شروع کر دی۔ ترقی پسند نقادوں کے پس منظر میں ایک یہ نظریہ رچا بسا ہوا تھا" جو ہمارے ساتھ نہیں وہ ہمارا مخالف ہے۔[۲۷] علامہ اقبال چونکہ اسلامی نظریہ حیات کے نقیب اور علم بردار ہیں۔ اسلامی نظریہ حیات اشتراکیت پسندوں کو گوارا نہیں تھا اس لیے اُنھوں نے اقبال کی مخالفت میں تنگ نظری اور انتہا پسندی کا ثبوت دیا۔ اُن کے نزدیک قوم کی ترقی و خوشحالی کا پیغام اشتراکیت کا پیغام تھا اور اقبال نے اپنی شاعری میں اشتراکیت کا کوئی پیغام نہیں دیا۔

لہٰذا وہ انہدام پر اُتر آئے۔ علامہ اقبال کی شہرت و ناموری صرف برصغیر پاک و ہند تک محدود نہیں رہی بلکہ اُن کی زندگی ہی میں اہل مغرب بھی اُن کی فکر اور علمیت کا اعتراف کرتے تھے۔ کچھ لوگوں کو اقبال کی یہ شہرت و عظمت ناگوار گزرتی تھی۔ وہ لوگ تو اس قابل نہیں تھے کہ اُن کو عظمت کا وہ مقام میسر آتا چناں چہ اُنھوں نے روایتی دشمنی، حسد اور شہرت طلبی کے مرض میں مبتلا ہو کر اقبال پر اعتراضات شروع کیے۔ اس گروہ کے حامل افراد کا مقصد اقبال کو گرا کر اپنا قد کاٹھ اونچا کرنا تھا۔ اس گروہ کے افراد نے اقبال کے خلاف قابل اعتراض اور ناشائستہ زبان استعمال کی جس کا واحد سبب یہی تھا کہ یہ لوگ اقبال کی شہرت سے جلتے تھے اور اقبال پر اعتراضات کر کے اپنے رقابت کے پندار کو تسکین دینا چاہتے تھے۔ مخالفین اقبال کے اس گروہ میں بہت سے شعرا بھی تھے جن کی شاعری تو اس قابل نہیں تھی کہ وہ عظمت کی بلندیوں کو چھو سکے وہ ادبی اور علمی دنیا میں اقبال کا مقام، مرتبہ اور عزت دیکھ کر آگ بگولا ہو جاتے تھے۔ یہ گروہ ایسے افراد پر مشتمل ہے جو اپنے نام کی شہرت کے لیے بڑے بڑے شاعروں پر حملے کرتے تھے اور ان کے اعتراضات میں جذبہ رقابت اور حسد کے عناصر بدرجہ اُتم پائے جاتے ہیں۔

اردو ادب میں بہت سی تحریکات پیدا ہوئیں مثلاً ریختہ کی تحریک، ایہام گوئی کی تحریک، فورٹ ولیم کالج کی تحریک، علی گڑھ تحریک، رومانی تحریک اور اقبال کی تحریک وغیرہ لیکن جس تحریک نے اردو ادب کو سب سے زیادہ متاثر کیا اور جس کے اثرات آج بھی نظر آ رہے ہیں وہ ترقی پسند تحریک ہے۔ برصغیر میں ترقی پسند تحریک کا آغاز اقبال کی زندگی ہی میں ہوا تھا۔ اس تحریک نے اپنے آغاز و ارتقاء کے دوران ایک منظم طریقے سے انہدامِ اقبال کی کوشش کی اور اس انہدام کے اثرات آج تک جاری ہیں۔ اس تحریک سے وابستہ معترضینِ اقبال کا ایک گروہ پیدا ہو گیا جس میں احمد علی، اختر حسین رائے پوری (اگر چہ بعد میں تائب ہو گئے) سبط حسن، احتشام حسین، مجنوں گورکھ پوری اور علی سردار

جعفری وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان تمام افراد اور اشتراکی ذہنیت رکھنے والے دوسرے افراد نے اپنی تحریروں کے ذریعے فکر اقبال کی اصل روح کو مسخ کرنے کی کوششیں کیں۔ علامہ اقبال اسلامی نظام حیات کے مبلغ ہیں۔ وہ ہر اُس نظریے کی مخالفت کرتے ہیں جو اسلامی نظریہ حیات سے متصادم ہو۔ اشتراکیت پسندوں کو یہ بات ناگوار گزرتی تھی۔ پہلے تو اُنھوں نے اقبال کی فکر پر ناروا حملے اور اعتراضات کیے جب اس میں اُنھیں کامیابی حاصل نہ ہوئی تو اُنھوں نے علامہ اقبال کو اشتراکیت پسند ثابت کرنے کی کوشش کی جو ایک خاص مقصد اور سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ تھی ترقی پسندوں کے انہدامِ اقبال کے خاص نظریے کے طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ یہ لوگ ایک طے شدہ مقصد کے تحت انہدامِ اقبال کی کوششیں کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

''اگر تم اقبال کو Condemn نہیں کر سکتے تو اسے Convert کر دو۔''[۲۸]

اس سوچ کے حامل افراد آج بھی اس کوشش میں مبتلا ہیں کہ وہ اقبال کو ترقی پسند تحریک سے وابستہ کریں اور ان کا شمار لا دین اشتراکیت پسندوں سٹالن، لینن اور مارکس وغیرہ کے نظریات کے حامیوں میں کریں جو ایک شوقِ فضول کے سوا اور کچھ نہیں۔ جامعات کے اساتذہ اپنی نگرانی میں ایسے مقالے لکھوا رہے ہیں اور یہ ثابت کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اقبال ترقی پسندانہ نظریات کے حامل تھے۔ جو ایک سوچی سمجھی سازش ہے۔

۸: حاسدین اور طالبان شہرت

اقبال کی شخصیت اور فکر وفن پر سب سے زیادہ اعتراضات جس گروہ نے کیے وہ حاسدین اور طالبان شہرت کا تھا۔ یہ ایسے لوگ تھے جو اقبال کی عظمت اور شہرت سے جلتے تھے۔ اُنھیں اقبال کی سر بلندی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ اس گروہ سے تعلق رکھنے والے افراد تعداد میں اتنے زیادہ ہیں کہ سب کی نشاندہی کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس گروہ میں زیادہ تعداد شعرا کی ہے۔ اگرچہ زندگی کے دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد بھی اس گروہ میں موجود ہیں۔ اس گروہ کے سرخیل چودھری رحمت علی ہیں جنھوں نے سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے انہدام اقبال کی کوششیں کیں۔ اگرچہ اُنھوں نے پاکستان کا نام تجویز کیا مگر وہ اس بات پر قناعت نہیں کرتے تھے وہ اپنے آپ کو پاکستان کا خالق اور بانی پاکستان کہلوانے پر مصر تھے۔[۲۹]

چودھری رحمت علی نے نہ صرف اقبال پر اعتراضات کیے اور نظریہ پاکستان اور تصور پاکستان سے اُن کا رشتہ منقطع کرنے کی کوشش کی بلکہ اُنھوں نے تو قائداعظم محمد علی جناح کے خلاف بھی الزام تراشیاں کیں۔ معترضین اقبال

کے اس گروہ میں چودھری رحمت علی، حکیم تاج الدین، علامہ مشرقی، جوش ملیسانی، فانی بدایوانی، مرزا یاس یگانہ چنگیزی، سیماب اکبر آبادی، فراق گورکھ پوری اور جوش ملیح آبادی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس گروہ کے افراد کا اقبال کے خلاف الزام تراشی کا مقصد یہ تھا کہ وہ اقبال کی علمی و ادبی حیثیت کو منہدم کر کے اُس کے مقابلے میں اپنا قد کاٹھ اونچا کریں۔ اس گروہ سے تعلق رکھنے والے افراد نے اقبال کے خلاف ناشائستہ زبان استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ ان افراد کو عزت و شہرت نہیں ملی اور نہ ہی وہ اس کے قابل تھے جبکہ اقبال کی شہرت چار دانگ عالم تھی۔ چناں چہ یہ لوگ حسد اور رقابت کی آگ میں جل رہے تھے اور اُنھوں نے اپنے حاسدانہ جذبے کی تسکین کے لیے انہدامِ اقبال کی کوشش کی۔ مرزا یاس یگانہ چنگیزی اپنے آپ کو بیسویں صدی کا واحد شاعر سمجھتے تھے۔ اُن کا کہنا ہے کہ اگر یگانہ کے سوا کسی کو بیسویں صدی کا شاعر سمجھا جائے تو یہ خود فریبی ہے۔[۳۰] حکیم تاج الدین نے اقبال کے خلاف تین کتابچے بنام بت شکن معروف بہ جہاد سخن، موزانہ اقبال و تاج، شعلہ انتقام نمبر ایک اور شعلہ انتقام نمبر دو شائع کیے مگر اخلاقی جرات یہ تھی کہ اپنی کتابوں پر اپنا نام بھی نہیں لکھ سکے اور فدا حسین کا فرضی نام لکھا۔ انور شیخ ویلز سے ایک رسالہ اردو اور انگریزی زبان میں شائع کرتے تھے جس کا نام لبرٹی تھا۔ اس رسالے میں اُنھوں نے علامہ اقبال کے خلاف مضامین شائع کیے۔ یاس یگانہ چنگیزی تو اس حد تک گرے ہوئے تھے بقول نیر مسعود:

> ''اُن کے سامان سے قرآن مجید کا ایک نسخہ برآمد ہوا تھا۔ جس کے حاشیوں پر اُنھوں نے اُسکے اُسلوب اور معانی پر اعتراضات کے نوٹ تھے۔''[۳۱]

اس گروہ سے تعلق رکھنے والے افراد خود فریبی کے مرض میں مبتلا تھے۔ ان میں اتنی صلاحیت نہیں تھی کہ وہ کسی دوسرے کی علمی صلاحیتوں کا اعتراف کر سکیں۔ جو شخص ذہنی طور پر اتنی پستی میں گر چکا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام، جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اُس پر اعتراض کرے، ایسے شخص کی نظر میں کسی انسان کے کلام کی کیا اہمیت اور وقعت ہو گی۔ ایسا شخص کسی کی مخالفت اور انہدام میں کوئی بھی حربہ استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ آخر کار مشاہیر پر اعتراضات کرنا اُسے مہنگا پڑا بقول کے۔ کے کھلر:

> ''یگانہ کے خلاف لکھنو میں جو جلوس نکالا گیا وہ گدھے پر تھا۔ اُن کے منہ پر کالک لگی ہوئی تھی۔ اُن کے گلے میں پھٹے ہوئے جوتوں کا ہار تھا۔ ہر راہ گیر اُن پر تھوکتا اور گالیاں دیتا تھا۔''[۳۲]

طالبان شہرت اور حاسدانِ کا یہ گروہ آج بھی موجود ہے۔ اور نام نہاد فلسفی انہدام اقبال کی کوششیں آج بھی کر رہے ہیں۔ معترضینِ اقبال کے بقیہ گروہ اپنی ساکھ اور تحریک ختم کر چکے ہیں مگر حاسدان اور طالبانِ شہرت آج بھی انہدام اقبال کے شوقِ فضول میں مبتلا ہیں اور فکرِ اقبال کو مسخ کرنے کے لیے اقبال کی ذات اور افکار پر ناروا حملے کر رہے ہیں۔

۹: قادیانی

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عقل و عرفان کی نعمت سے نوازا ہے۔ انسان دیکھتا ہے سوچتا سمجھتا ہے اور غور فکر کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص ابتدا میں کوئی نظریہ یا سوچ قائم کر لیتا ہے مگر بعد میں غور فکر کرنے کے بعد اس سے دست بردار ہو جاتا ہے یا تبدیل کر لیتا ہے تو یہ بات عین فطرت ہے۔ ابتدا میں اقبال ہندی وطنی قومیت کے حامی رہے مگر بعد میں اُنھوں نے ان نظریات میں تبدیلی کر لی اسی طرح ابتدا میں رُجحان وحدت الوجود کی طرف تھا مگر بعد میں اس سے انحراف کیا۔ اگر چہ اقبال شروع ہی سے عقیدہ ختم نبوت اور جہاد کے علمبردار تھے۔ اقبال کی شاعری میں جہاد کی تلقین جا بجا موجود ہے۔ شروع میں مرزائیوں کے نظریات کھل کر سامنے نہیں آئے تھے اس وجہ سے دوسرے مقتدر اکابرین کی طرح اقبال بھی مرزائیوں کو مسلمانوں کا فرقہ سمجھتے تھے۔ علامہ اقبال کو احمدی جماعت کو قریب سے سمجھنے کا موقع پہلی بار اُس وقت ملا جب آپ کشمیر کمیٹی سے منسلک تھے۔ اس عرصے میں اُنھوں نے احمدی تحریک کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ احمدی غیر مسلم ہیں اور اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔[۳۳]

قادیانیت کے حوالے سے اقبال پر الزامات لگانے والے دو طرح کے افراد ہیں ایک کے نزدیک اقبال خالص قادیانی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے تھے اور دوسرے گروہ سے تعلق رکھنے والے افراد کے نزدیک اقبال قادیانیت کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ شروع شروع میں اقبال پر قادیانی تحریک کے اصل مقاصد واضح نہیں تھے تو وہ اس تحریک کو دوسری اسلامی تحریکات ہی کی طرح سمجھتے تھے۔ اقبال کی اس سوچ نے معترضین کا ایک گروہ پیدا کر دیا۔ اقبال مخالف مسلمانوں اور غیر مسلموں نے اس بات کو خوب اُچھالا کہ اقبال قادیانیت کے ساتھ وابستہ رہے یا وہ قادیانیت کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے۔ جب اقبال پر قادیانی تحریک کے اصل مقاصد واضح ہوئے تو اُنھوں نے اس تحریک سے منسلک افراد کو غیر مسلم قرار دیا۔ اقبال کی یہ بات قادیانیوں کو بہت ناگوار گزری اور اُنھوں نے اقبال شکنی کی کوشش شروع کر دی۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کے بیان کے مطابق علامہ اقبال اپنی تحریروں کے باعث احمدیوں کے غیض و غضب کا نشانہ بنے۔[۳۴]

قادیانیوں کا سب سے بڑے اعتراض کا سبب یہی تھا کہ اقبال نے ۱۹۳۵ کے بعد اس تحریک کی مخالفت کیوں کی۔ اس گروہ کے حامل افراد کا انہدام اقبال کا سبب یہی تھا کہ مرزائیت کو تقویت پہنچائی جاتی اور مسلمانوں کی نگاہوں میں علامہ اقبال کا مرتبہ کم کیا جائے۔ دوسری طرف خالص قادیانی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد ہیں جن کا اعتراض یہ ہے کہ آخر کار علامہ اقبال نے ۱۹۳۵ میں ہی قادیانیت کو غیر مسلم تحریک کیوں قرار دیا جبکہ ۱۹۳۵ تک اُن کا قادیانیت سے گہرا تعلق تھا۔ اس گروہ میں شیخ عبدالماجد، شیخ اعجاز احمد اور شیخ نور احمد منیر کا نام قابلِ ذکر ہے اس گروہ کی پھیلائی ہوئی غلط باتیں آج کے نوجوان طبقے میں کافی حد تک پائی جاتی ہیں اور قادیانی حضرات بھی ان باتوں کو خوب عام کر رہے ہیں جو ابتدا میں علامہ اقبال نے تحریکِ احمدیہ کے بارے میں کی تھیں۔ ان اعتراضات کی بیخ کنی اور اصل تاریخی و تحقیقی حالات سے عوام الناس کو آگاہ کرنا اس وقت کی اہم ضرورت ہے۔ قادیانیت کے حوالے سے علامہ اقبال پر جو اعتراضات کیے گئے اُن کی نوعیت حسبِ ذیل ہے۔

اقبال نے ۱۹۰۰ میں ایک انگریزی مقالہ 'نظریہ توحید مطلق' تحریر کیا اس مقالے میں اُنھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو موجودہ دور کے ہندی مسلمانوں میں سب سے عظیم دینی مفکر قرار دیا ہے۔[۳۵]

۱۹۱۰ میں علامہ اقبال نے ''ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر'' کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا جس میں اُنھوں نے جماعت احمدیہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا کہ پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اُس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ جسے قادیانی فرقہ کہا جاتا ہے۔[۳۶]

علامہ اقبال کے بڑے بھائی جن کے پیسوں سے اقبال نے اپنی تعلیم حاصل کی وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ابتدائی زمانے کے پیروکاروں میں شامل تھے۔[۳۷]

علامہ اقبال ۱۸۹۳ میں قادیان گئے اور مرزا غلام احمد قادیانی کی بیعت کی۔[۳۸] اقبال ۱۹۳۱ تک قادیانی تھے۔[۳۹]

علامہ اقبال نے اپنے بڑے بیٹے آفتاب اقبال کو ۱۹۱۱ میں تعلیم السلام ہائی سکول قادیان میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخل کیا اور وہ پانچ سال تک وہاں زیر تدریس رہے۔ علامہ اقبال دینی اُمور کے معاملے میں حکیم نورالدین سے مشاورت لیتے تھے۔[۴۰]

علامہ اقبال کے والد شیخ نور محمد احمدی تھے اور اُنھوں نے ۱۸۹۱ میں مرزا غلام احمد قادیانی احمدی کی بیعت کی تھی۔ اسی طرح اقبال کے گھرانے کے افراد یعنی اُن کے بڑے بھائی اور بھتیجا اعجاز احمد احمدی تھے۔[۴۱]

یوسف سلیم چشتی جو شارح اقبال ہیں اُن کے بقول اقبال ۱۹۱۱ تک کٹر مرزائی تھے اور اُن کا شمار مرزا صاحب کے مخلص اتباع کنندہ گان میں ہوتا تھا۔[۴۲]

اقبال نے صرف سیاسی اختلاف کی بنا پر قادیانیت کی مخالفت کی جس میں اُن کے ذاتی اغراض و مقاصد تھے۔ آخر کیا وجہ تھی کہ اقبال نے ۱۹۳۵ تک قادیانیت کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔[۴۳]

تحریک احمدیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے عملی زندگی کا آغاز ایک مناظر کے طور پر کیا تھا۔ انہوں نے منکرین اسلام خاص طور پر آریہ سماج کے راہ نماؤں اور عیسائی پادریوں کو اسلام کی حقانیت کے حوالے سے لاجواب کر دیا تھا۔ ان کے اس عمل سے بہت سے لوگوں کے دلوں میں اس تحریک کے لیے نرم گوشے کے در واہ ہوئے۔

علامہ اقبال کی زندگی کے ابتدائی سالوں میں اس تحریک کے مقاصد واضح نہیں تھے۔ اقبال نے ایک عرصہ تک مرزا قادیانی کی کتب اور اس تحریک سے وابستہ ادب کا مطالعہ نہیں کیا اگرچہ اس زمانے میں بھی مختلف علماء کرام اس تحریک کو غیر اسلامی تحریک قرار دیتے تھے۔ مگر علامہ اقبال اس بات کو علمائے کرام کی تنگ نظری اور ایک مقاصد آلہ چشمک تصور کرتے تھے۔ علامہ اقبال کو اس تحریک سے اچھی توقعات وابستہ تھیں۔

شروع میں علامہ اقبال پر اس تحریک کے مقاصد واضح نہیں تھے اور نہ ہی انہوں نے تحریک کے مقاصد کے کھوج لگانے کی کوشش کی۔ اس تحریک کے اصل مقاصد دو طرح علامہ اقبال پر واضح ہوئے۔

۱۹۳۱ء میں علامہ اقبال نے قادیانی تحریک کے سربراہ کے ساتھ آل انڈیا کشمیر کمیٹی میں کام کیا اور وہاں ان پر یہ بات واضح ہوئی کہ اس جماعت سے تعلق رکھنے والے افراد کے اصل عقائد کیا ہیں۔ لہٰذا انہوں نے سنجیدگی کے ساتھ اس تحریک کا مطالعہ شروع کیا۔

علامہ اقبال نے جب پروفیسر الیاس برنی کی کتاب قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ کا مطالعہ کیا تو اس تحریک کے عقائد سے مکمل آگاہ ہوئے۔ اور انہوں نے اس تحریک کو غیر مسلم تحریک قرار دیا۔

اس بات میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ علامہ اقبال کا عقیدہ ختم نبوت پر مکمل یقین تھا اور وہ جذبہ عشق رسولؐ سے سرشار تھے۔ فکر اقبال کا مصدر ومنبع ہی عشق رسول ہے اور کلامِ اقبال میں جا بجا ایسے اشعار موجود ہیں جن میں عشق محمدؐ کا اظہار کیا گیا ہے۔ اقبال کا کسی طور پر بھی تحریک احمدیہ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ایسے تمام افراد جو اقبال کا تعلق قادیانیت سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں ان کا مقصد اقبال دشمنی کے سوا اور کچھ نہیں۔ علامہ اقبال نے ۱۹۱۶ء میں تحریک احمدیہ کو خارج از اسلام قرار دیا تھا۔ ۱۱/اپریل ۱۹۱۶ء کے روزنامہ الفضل قادیان میں علامہ اقبال کا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں علامہ اقبال نے اس بات کا واضح طور پر اعلان کیا تھا کہ جو شخص بھی عقیدہ ختم نبوت کا قائل نہ ہو اور حضورؐ کے بعد کسی طور پر بھی کسی اور نبی کے آنے کا عقیدہ رکھتا ہو وہ مسلمان نہیں ہے اور اگر جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والے افراد کا عقیدہ بھی یہ ہی ہے کہ حضور پاکؐ کے بعد کوئی اور نبی آیا ہے تو یہ جماعت بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس واضح اعلان کے بعد اس بات کی کوئی توجیہہ باقی نہیں رہتی کہ اقبال ۱۹۳۵ء تک قادیانی تھے یا انہوں نے ۱۹۳۵ء سے پہلے اس تحریک کی مخالفت کیوں نہیں کی۔

۱۰: قدیمی اور جدیدی

علامہ اقبال کی مخالفت قدیم نظریات اور سوچ رکھنے والے افراد نے بھی کی اور جدید نظریات کے حامل افراد نے بھی۔ ان میں جدید تعلیم اور غور وفکر کی صلاحیت سے نابلد مولوی صاحبان اور جدید تعلیم سے آراستہ مگر اسلامی تعلیمات اور اقدار اور علم سے بے بہرہ طبقہ بھی شامل ہے۔ مسلکی انتہا پسند اور عہد تنزلی کی شاعری کے دلدادہ اور ہر جدید چیز کی مخالفت کرنے والے افراد کو قدیمی کہہ سکتے ہیں جبکہ عقل پرست لبرل، اشتراکی، ترقی پسند، نام نہاد ماہرین نفسیات، پیشہ ور معلم، نقاد اور مغربی تہذیب کے دلدادہ جدیدی کہلاتے ہیں۔ اقبال نے قدیم وجدید نظریات جو اسلام کی روح سے متصادم تھے ان کی مخالفت کی ان نظریات میں ملوکیت، جاگیرداری، ہر قسم کی اجارہ داری، توہم پرستی، ملحدانہ اشتراکیت، بے لگام سرمایہ داری اور مغربی طرزِ جمہوریت وغیرہ شامل ہے۔ مخالفت کی وجہ ان نظریات کا اسلام کے منافی ہونا ہے، چناں چہ ان نظریات کے حامل افراد نے علامہ اقبال کے فکروفن پر ناجائز اعتراضات وارد کر کے انہدام اقبال کی کوشش کی۔ اس گروہ میں خلیفہ عبدالحکیم، پروفیسر کرار حسین، یوسف ثانی، حمید نسیم، کے۔ کے عزیز، علی عباس جلالپوری، سبطِ حسن اور رالف رسل وغیرہ شامل ہیں۔

۱۱: اساتذہ

فکرِ اقبال پر اعتراضات اور اُس کی غلط تشریح وتعبیر کرنے کے حوالے سے اساتذہ کا گروہ موجود ہے جو نوجوان نسل کا ذہن فکرِ اقبال سے منحرف کرتے ہیں۔ یہ ایسے اساتذہ ہیں جو تدریس کا فریضہ سرانجام تو دے رہے ہیں مگر فکری مغالطّوں میں گمراہ ہیں۔ اگرچہ اقبالیات کی تدریس ہمارے سکولوں اور کالجوں کے نصاب کی تدریس کا باقاعدہ حصہ نہیں ہے مگر جو کچھ شامل ہے ہمارے کچھ اساتذہ اُس کی تدریس بہتر انداز میں نہیں کر سکتے۔ غلط قسم کی روایات اور تفہیم کرتے ہیں جو کسی ذاتی عناد پر تو مشتمل نہیں ہوتی مگر وہ اپنی کم علمی کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں مگر یہ روایت طلبہ میں سرایت کر جاتی ہے اور اُن کے ذہن پر نقش ہو جاتی ہے اور عملی زندگی میں اگر اُن کی اس غلطی کی اصلاح نہ کی جائے تو ساری زندگی وہ فکرِ اقبال کے حوالے سے مخمصے کا شکار رہتے ہیں۔ میں نے اپنے ذاتی تجربے اور ملاقاتوں کے دوران ایسے بہت سے اساتذہ کرام دیکھے ہیں جو اُردو یا اقبالیات پڑھاتے ہیں مگر اُنھیں اقبال کی کتابوں کے نام تک بھی نہیں آتے غلط اشعار اور غلط تفہیم کرتے ہیں۔ جو دانستہ تو نہیں ہوتی مگر اُن کے اقدام سے نئی نسل میں غلط افکار رائج ہو جاتے ہیں اور ایک جدید تعلیم یافتہ طبقہ ایسا پیدا ہو جاتا ہے جو اقبال کے حوالے سے مختلف قسم کی غلط فہمیوں کا شکار ہوتا ہے اور یہ طبقہ فکرِ اقبال سے دل برداشتہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سماجی رابطوں کے مختلف ذرائع سے اقبال سے غلط قسم کی باتیں اور ایسے اشعار جو اقبال کے نہیں وہ پھیلائے جاتے ہیں۔ یہاں اساتذہ کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اصل صورتِ حال کو طلبہ پر واضح کریں۔ اگر کسی چیز کی واضح حقیقت کے بارے میں اساتذہ خود فکری مغالطّوں میں مبتلا ہوں گے تو وہ نسل نو کی بہتر ذہنی تربیت نہیں کر سکیں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اساتذہ پہلے خود فکرِ اقبال سے مکمل طور پر آگاہی حاصل کریں اور پھر طلبہ کو اصل صورتِ حال سے آگاہ کریں اور جو غلط قسم کی باتیں اقبال سے منسوب کی جا رہی ہیں ان کی اصل حقیقت سے طلبہ کو آگاہ کریں۔

۳: اقبال پر اعتراضات کی نوعیت

معترضینِ اقبال اپنی ایک سوچی سمجھی منصوبہ بندی اور مربوط سازش کے تحت فکرِ اقبال کے انہدام کی کوششیں کر رہے ہیں۔ اگر کسی پر درست اعتراض کیا جائے تو اُس کے تسلیم کرنے میں کسی بھی صاحبِ علم اور صاحبِ بصیرت شخص کو پس و پیش نہیں کرنا چاہیے۔ مگر مخالفینِ اقبال کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ اُنھیں فکرِ اقبال کو مسخ کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ آ جائے تو وہ بغیر کسی روایت اور تحقیق کے الزام اقبال کے سر لگا دیں۔ معترضینِ اقبال کے ایسے

بہت سے اعتراضات ہیں جن کی تردید کے حوالے سے مستند تحقیقی اسناد موجود ہیں مگر یہ لوگ اپنی ضد پر اڑے ہوتے ہیں۔معترضین نے اقبال کی شاعری،نظریات و افکار،شخصیت،خاندان،ذاتی زندگی،تعلیم،قیامِ لاہوراورقیامِ یورپ ہر پہلو پر بے بنیادالزامات عائد کئے ہیں۔ان میں سے چنداعتراضات کی مختصرنوعیت حسبِ ذیل ہے۔

ا: اقبال کی شخصیت پر اعتراضات

محمد عظیم فیروز آبادی معترض ہیں کہ اقبال کے والد کا نام شیخ نور محمد نہیں تھا۔اُن کا اصل نام شیخ نتھو تھا اور وہ ایک پسماندہ برادری سے تعلق رکھتے تھے۔[۴۴] اقبال کو برہمن زادہ ہونے پر فخر تھااور اُنھوں نے اپنے اشعار میں جا بجا اپنی برہمن زادگی پر فخر کیا ہے۔[۴۵]

اقبال سنگھ معترض ہیں کہ اقبال نے ایک طوائف کا گلا داب دیا تھا اگر اس کو بچانے دو دلال بروقت نہ پہنچ آتے تو وہ طوائف کا قتل کر دیتے اس طرح طوائف کوٹھے سے قبرستان پہنچ جاتی۔[۴۶] اقبال نے ابتدائی عمر میں شراب نوشی کی۔[۴۷]

تارا چرن رستوگی معترض ہیں کہ اقبال عام طور پر اپنی شامیں طوائفوں کے کوچے میں گزارتے تھےاور نوعمر لڑکیوں سے ہم آغوشی کر کے سکون قلب حاصل کرتے تھے۔[۴۸]

پہلی بیوی سے اقبال کی بیزاری کا سبب اُن کی زندگی میں آنے والی تین عورتیں،عطیہ فیضی،امیر اور ویگے ناست تھیں۔اقبال نے یورپ کی رنگین فضاؤں میں رنگ رلیاں منائی اوران عادات کی وجہ سے وطن واپسی کے بعداُن کی پہلی بیوی اُن کی نظر سے اُتر گئی۔اقبال کوعشق میں ناکامی ہوئی۔وہ شکستہ دل اورمحروم انسان تھا۔اقبال جوانی میں رنگ رلیوں کے لیےمشہور تھے۔اقبال کی اپنی پہلی بیوی کے ساتھ بے اعتنائی ایک عصمت فروش طوائف امیر کی وجہ سے تھی۔[۴۹]

حامد جلالی کے نزدیک اقبال نے اپنی پہلی بیوی کہ نہ ہی طلاق دی اور نہ ہی اُس کا حق مہر ادا کیا۔اور اپنے بڑے بیٹے آفتاب اقبال کوحق وراثت سے محروم کر دیا جس کا قصورصرف یہ تھا کہ وہ ایک شریف اور پاکباز ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔آفتاب اقبال نے کبھی بھی اپنے والد کے ساتھ بدتمیزی نہیں کی۔علامہ اقبال ایک ظالم اور غاصب انسان تھےاور وہ اخلاقی معیار سے گرے ہوئے تھے۔[۵۰]

اقبال کو سر کا خطاب انگریزوں کی وفاداری اور کاسہ لیسی کے عوض ملا۔ سر کا خطاب اقبال کو گذشتہ اور آئندہ سیاسی خدمات کے صلے میں ملا۔ صرف اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ سر کا باعث نہیں ہوسکتا۔ حالی اور آزاد کے ترجمے انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں ہوئے ہیں مگر اُن کو تو کسی نے پوچھا تک نہیں۔ [۵۱]

رالف رسل کے بقول اقبال نے انگریز سرکار کی مدح اور فرمائش پر نظمیں لکھی، برصغیر کی عظیم تحریک، تحریک خلافت میں مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا۔ پنجاب کونسل کے رکن منتخب ہو کر انگریزی حکومت سے تعاون کیا۔ انگریزوں نے دوسری اور تیسری گول میز کانفرنسوں میں شرکت کے لیے اُنھیں مدعو کیا۔ [۵۲]

اقبال نے اپنی شاعری میں ایرانی بادشاہ نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کی تعریف کی ہے حال آنکہ یہ دونوں حکمران ظالم اور سفاک تھے اُنھوں نے ہزاروں مسلمانوں کو قتل کیا اور وسیع پیانے پر لوٹ مار کی۔ [۵۳]

اقبال کے فکر و عمل میں اتحاد نہ تھا۔ اقبال کی زندگی اُن کی شاعری کے برعکس تھی۔ اُن کا گھرانہ انگریزیت کا نمونہ تھا۔ اقبال کو حق و باطل کی تمیز نہ تھی۔ اقبال کے اعمال اُن کی شاعری سے ہم آہنگ نہ تھے۔ [۵۴]

اقبال عملی انسان اور کردار کے غازی نہیں تھے۔ ان کی شاعری خیالی ہے اور بے عملی کی طرف کھینچتی ہے۔ [۵۵]

سردار عبدالقیوم خان کے نزدیک اقبال ظاہری طور پر سنت رسول ﷺ کے پابند نہیں تھے۔ نماز باقاعدگی سے نہیں پڑھتے تھے۔ روزے نہیں رکھتے تھے اس وجہ سے اللہ نے اُن کے کلام میں اثر نہیں رکھا۔ اقبال ایک مایوس انسان تھے۔ [۵۶]

اور اس قسم کے بہت سے دوسرے اعتراضات اقبال کی شخصیت پر مختلف معترضین نے عائد کئے ہیں جس سے اُن کا مقصد سوائے انہدام اقبال کے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ اور یہ تمام الزامات تحقیقی حوالے سے غلط ثابت ہو چکے ہیں۔

۴: علامہ اقبال پر تصور پاکستان کے حوالے سے اعتراضات کی نوعیت

علامہ محمد اقبال عظیم مفکر ہیں جنہوں نے اپنی بصیرت اور دانش سے مسلمانانِ برصغیر کی زندگیوں کا رُخ تبدیل کیا۔ جس دور میں علامہ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے اپنے افکار کا اظہار کیا اُس وقت برصغیر کے مسلمان بے عملی اور جمود کی زندگی گزار رہے تھے۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں کو عمل کی طرف راغب کیا۔ اُنھوں نے مشرق و مغرب کے علوم کا گہرا مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ برصغیر میں مسلمانوں کی بقاء صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ اُن کا علاحدہ

TH-21154

وطن ہو۔الگ مسلم ریاست کے حصول کے لیے علامہ اقبال نے تصورِ پاکستان پیش کیا۔آج جس آزاد فضا میں ہم سانس لے رہے ہیں وہ اقبال کے تصورِ پاکستان ہی کا نتیجہ ہے۔مگر معترضینِ اقبال نے علامہ اقبال کا رشتہ تصورِ پاکستان سے منقطع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔لوگوں نے اپنی ساری زندگیاں اس فضول محنت میں ضائع کر دیں کہ تصورِ پاکستان سے علامہ اقبال کا تعلق منقطع کر دیا جائے۔ایسا کرنا عناد اور دشمنی کے سوا کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔مختلف لوگوں نے علامہ اقبال پر تصورِ پاکستان کے حوالے سے مختلف قسم کی الزام تراشیاں کیں۔جن میں سے چند اہم حسبِ ذیل ہیں۔

نثار احمد کسانہ کے نزدیک اقبال نے آزاد مسلم ریاست کا نہیں بلکہ ہندوستانی وفاق کے اند مسلم صوبے کا مطالبہ کیا تھا اور اقبال نے تقسیم ہند کی تجویز کبھی پیش نہیں کی۔۵۷

چودھری رحمت علی نے دوسرے دوستوں کے ہمرہ ۱۹۱۵ میں بزم شبلی "لاہور میں تقسیم ہندوستان کا نظریہ پیش کیا اور یہ نظریہ مطالبہ پاکستان کی ابتدا تھی۔۵۸

آل احمد سرور کے بقول ۱۹۳۷ میں اقبال نے اپنے نظریہ تصور پاکستان سے انحراف کیا اور وہ اس نظریے سے دست بردار ہو گئے تھے۔۵۹

آنند نرائن ملا معترض ہیں کہ زندگی کے بارے میں اقبال کا نظریہ اول سے آخر تک اُن حالات و واقعات کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں رکھتا جو تصور پاکستان یا تصور تقسیم ہند کے نتیجے کے طور پر رونما ہوئے۔۶۰

خورشید کمال عزیز کے مطابق اقبال کی تصور پاکستان کی تجویز چودھری رحمت علی، سردار گل خان، حسرت موہانی اور لاجپت کی تجاویز کے مقابلے میں محدود ہے۔اقبال اپنے خطبہ الٰہ آباد میں ہندوستان کو ایک ملک، ہندوستانیوں کو ایک قوم اور مسلمانوں کو اُس قوم کا ایک فرقہ قرار دیا ہے۔اقبال وفاق کو فرقہ ورانہ مسائل کا حل سمجھتے تھے۔۶۱

اقبال دو قومی نظریے کے مخالف تھے۔۱۹۲۷ میں اقبال نے متحدہ قومیت کا نظریہ پیش کیا۔۶۲

علامہ اقبال کا تصور پاکستان ایک پین اسلامی سازش تھی، اس خطبہ میں بنگال کا ذکر نہیں تھا، اور علامہ اقبال نے ہندوستانی مسلمانوں کو نظر انداز کیا جس سے فسادات اور قتل و غارت گری کا سلسلہ شروع ہوا۔۶۳

۵: افکار اقبال پر اعتراضات

علامہ محمد اقبال ایک صاحبِ بصیرت اور دانائے راز شخص تھے اُنھوں نے علومِ شرق وغرب کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا تھا۔اپنے افکار ونظریات کے حوالے سے مطابقت رکھنے والے تمام دانش وروں اور اہلِ علم اصحاب کے نظریات پر اُن کی گہری نظر تھی۔تمام حقائق کی روشنی میں علامہ اقبال نے اپنے نظریات اور افکار کی ایک واضح راہ متعین کی اور یہ راہ اُن کے نظامِ فکر سے مربوط تھی۔معترضین نے علامہ اقبال کے افکار ونظریات پر اعتراضات کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع کر دیا جس کی نوعیت حسبِ ذیل ہے۔

رفعت حسین کے نزدیک اقبال کا فلسفہ بڑی حد تک نطشے اور برگسان کا مرہون منت ہے۔[۶۴]

اقبال ایک کٹر مسلمان تھا، اور اُس کی ثقافت مشرقیت پر مبنی رہی اس وجہ سے اقبال کو بین الاقوامی ذہن کا حامل نہیں سمجھا جا سکتا۔[۶۵]

اسرار خودی کا فلسفہ مشرقی رنگ میں جرمن فلسفی نطشے کا چربہ ہے۔[۶۶]

سمتھ کے بقول اقبال اصلی مفکر نہیں ہیں اُنھوں نے نطشے اور برگسان کے فلسفے کو اسلامی رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔[۶۷]

اقبال خیال سے خیال مستعار لیتے ہیں واقعات سے نہیں اور اقبال برگسان کی طرح جدید سائنس اور کارل مارکس کی طرح جدید سوسائٹی سے واقف نہیں تھے۔[۶۸]

اقبال نے مغربی خیالات کو اپنے تصور اسلام کے مطابق تبدیل کر لیا۔[۶۹]

علی عباس جلالپوری کے مطابق اقبال کا نظریہ خودی مکمل طور پر نطشے سے ماخوذ ہے۔[۷۰]

اقبال کا نظریہ زمان برگسان سے ماخوذ ہے۔[۷۱]

اقبال کا تصور خودی ارسطو کی True Self اور فرائڈ کی Super Ego کا آمیزہ ہے۔[۷۲]

تمام سیاسی اور فلسفیانہ تصورات ومقاصد، بصیرت وآرا، اسلامی اتحاد، تصور قومیت، مغرب پر نکتہ چینی اور خودی کے ضمن میں اقبال کے تصورات اصلی اور حقیقی نہیں بلکہ اُن کے تمام نظریات وتصورات مستعار ہیں۔[۷۳]

اقبال نے مردِ کامل کا تصور ملٹن سے لیا ہے۔[۷۴]

آل احمد سرور کے مطابق اقبال کی نظم ساقی نامہ، بھگوت گیتا کی ترجمانی کا شعری روپ ہے۔[۷۵]

اقبال فکری تضاد کا شکار تھے شروع میں وحدت الوجود کے حامی بھی تھے اور منکر بھی۔[۷۶]

سمتھ کے نزدیک اقبال اشتراکیت پسند اور جدید اسلام کے بانی تھے۔ وہ شاعر تھے مگر باقاعدہ مفکر نہیں تھے۔[۷۷]

اقبال کا فلسفہ اگرچہ عالمگریت کا حامی ہے لیکن اس کا اطلاق مخصوص و محدود رہے۔ نیز اقبال آفاقی شاعر نہیں تھے چونکہ اُن کی ثقافت کی بنیاد ہمیشہ مشرقی رہی ہے۔[۷۸]

رالف رسل معترض ہیں کہ اقبال اکثر و بیشتر افسوس ناک قوم پرستی میں شریک نظر آتے ہیں جب وہ انسان کو نائب خدا کے تصور میں دیکھتے ہیں تو اُن کے سامنے پوری نسل آدم نہیں ہوتی بلکہ صرف مسلمان ہوتے ہیں۔[۷۹]

اقبال نے صرف مسلمانوں کے لیے لکھا ہے اس لیے وہ صرف ایک مخصوص طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں اس لیے اُن کی شاعری میں آفاقیت نہیں پائی جاتی اور دنیا کے بڑے شعرا میں اُن کا کوئی مقام نہیں ہے۔[۸۰]

مجنوں گورکھ پوری کے بقول اقبال مذہب و ملت کے تنگ دائرے میں محصور تھے۔[۸۱]

اقبال کے اندر آفاقی شاعر بننے کی صلاحیت موجود تھی لیکن وہ اسلامی شاعری کرنے لگے اور اُنھوں نے اپنے آپ کو صرف عرب اور حجاز میں محدود کر لیا۔[۸۲]

اقبال جنگ پسند ہیں اور مسلمانوں کو آدابِ رزم سکھاتے ہیں۔[۸۳]

سمتھ کے بقول اقبال نے شاہین کے ذریعے فاشزم کی تعلیم دی، اقبال کی شاعری کو فاشسٹ تحریک یعنی تحریک پاکستان کے لیے استعمال کیا گیا اور اس تحریک کے نتیجے میں جو قتل و خون ریزی ہوئی وہ سب اقبال کے تصور عشق کی بدولت ہوئی ہے۔[۸۴]

سبط حسن کے نزدیک اقبال دیوانگی کی حد تک اقتدار پرست تھے اور اقبال کا فلسفہ شاہین اقتدار پرستی کا نتیجہ ہے۔[۸۵]

اقبال قدامت پرست اور رجعت پسند ہیں۔ اصول پیش کرتے وقت بہت دلیر ہوتے ہیں لیکن خاص

معاملات میں اُن کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ کھانے پینے کی رسوم اور عورت کے ضمن میں جدید طریقوں سے ہچکچاتے ہیں اور قدامت کا شکار ہو جاتے ہیں۔[۸۶]

اقبال ماضی کا پجاری ہے اور بجھی ہوئی شمعوں کا پروانہ ہے وہ اُجڑی ہوئی محفلوں کو سجانا چاہتا ہے اور اُس کی شاعری رجعت پسندی کی علامت ہے۔[۸۷]

عتیق صدیقی کے بقول اقبال انگریزوں کے کاسہ لیس تھے اور وہ کوئی بھی ایسا کام کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہو سکتے تھے جس سے حکومت کی ناراضی کا اندیشہ ہو۔ وہ ڈرپوک اور انگریز کے آدمی تھے۔[۸۸]

اقبال اشتراکی تھے اور کیمونسٹ پارٹی کے ہمنوا تھے۔[۸۹]

جوش ملیح آبادی کے بقول اقبال کا تصورِ عشق غلط ہے اُنھوں نے قرآن کے مردو لفظ عشق کو آسمان پر چڑھا دیا اور قرآن کے محبوب لفظ عقل کو خاک میں ملا دیا۔[۹۰]

اقبال کا تصورِ عشق برگسان کی جوشش حیات کی بازگشت ہے۔[۹۱]

اقبال رومانیت پسند شاعر تھے۔ دوسرے رومانیت پسند شعرا کی طرح وہ بھی ابلیس کی شخصیت کے سحر سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ اقبال روسو کی طرح صحرا ہیت اور بددویت کی تعلیم دیتے ہیں اور تہذیب وتمدن کی زندگی کو غیر فطری سمجھتے ہیں۔ وہ زندگی کے کسی بھی شعبے میں عملی انسان نہیں تھے اور افکار و تاثرات نے اُن کی شخصیت پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ مسلمانانِ عالم کو درپیش سیاسی، اقتصادی، عمرانی اور علمی مسائل کا واضح حل پیش نہیں کر سکے۔[۹۲]

علی عباس جلالپوری کے نزدیک علامہ اقبال متکلم ہیں فلسفی نہیں ہیں۔ اقبال کا کوئی نظام فلسفہ نہیں تھا نیز اقبال اشعار میں فلسفے کی مخالفت کرتے ہیں۔[۹۳]

اقبال نے مغربی فلسفے سے مطابقت کی خاطر تاویلات کیں اور باطنیوں کی طرح قرآن کے ظاہری معنوں سے اعراض کیا۔[۹۴]

مجنوں گورکھ پوری معترض ہیں کہ اقبال کی پہلی اور آخری حیثیت شاعر کی ہے وہ مفکر اور فلسفی نہیں تھے۔[۹۵]

بقول مولانا نجم الدین اصلاحی علامہ اقبال کو شاعر اور فلسفی سے زیادہ کوئی حیثیت دینا شرعی جرم ہے۔[۹۶]

۶: خطبات اقبال پر اعتراضات

علامہ محمد اقبال نے اپنے افکار ونظریات کی ترویج و اشاعت کے لیے نہ صرف شاعری کا ذریعہ اختیار کیا بلکہ نثر میں بھی اُن کا برملا اظہار کیا ہے۔علامہ اقبال وقت کے نباض تھے اور اُنھوں نے وقت کی ضرورت کا ادراک کرتے ہوئے مختلف اوقات میں اپنے نظریات پیش کیے ہیں۔نسلِ نو کے مطالبے اور اسلام کی تشکیلِ جدید کے لیے اُنھوں نے اپنے خطبات پیش کیے۔علامہ اقبال نے یہ خطبات مسلم ایسوسی ایشن کی دعوت پر جنوری ۱۹۲۹ میں پیش کیے۔بعد میں یہی خطبات تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کے نام سے شائع ہوئے۔علامہ اقبال نے ان خطبات میں مذہبی معاملات اور عقائد کا جدید فلسفیانہ اور سائنسی انداز میں جائزہ لیا ہے۔ان خطبات میں اُنھوں نے مذہب کے بعض ضروری موضوعات مثلاً حیات بعد الموت، وجودِ باری تعالیٰ، کشف اور وجدان، جنت اور دوزخ، مذہبی تجربہ اور علم وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔علامہ اقبال کے یہ خطبات کسی وقتی ضرورت کے تحت نہیں تھے بلکہ یہ اُن کے طویل غور وفکر اور تدبر کے نتیجہ میں سامنے آئے۔علامہ اقبال کے افکار اور اُن کے ذہنی وفکری ارتقاء کو سمجھنے کے لیے ان خطبات کی اہمیت اُن کی شاعری سے کم نہیں ان خطبات میں اُنھوں نے ذہنِ انسانی کے مختلف دریچوں کو کھول کر مذہب اور سائنس میں تطبیق کی کوشش کی ہے۔خطباتِ اقبال کی اشاعت سے معترضین نے علامہ اقبال پر اعترضات کا ایک نیا سلسلہ شروع کر دیا۔ان اعتراضات میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

حسین احمد مدنی معترض ہیں کہ اقبال ساری عمر غلط فہمیوں کا شکار رہے اور مغربی جادوگروں کے سحر میں مبتلا رہے۔[۹۷]

اقبال کی کتاب تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کفریات پر مبنی ہے اس لیے مسلمان اس کتاب کو پڑھنے سے گریز کریں۔[۹۸]

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے خطبات پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ سائنسی علوم اور مابعد الطبیعات کو اقبال اپنے خطبات میں مذہب سے ہم آہنگ کرنے میں ناکام رہے ہیں۔وہ مذہب اور فلسفہ میں فرق قائم نہیں کر سکے۔اقبال نے نطشے، برگسان، میک ٹیگرٹ جیسے لوگوں پر نظریاتی طور پر اعتبار کیا اور اُن کی فلسفیانہ آراء کو اہمیت دی حال آنکہ متذکرہ بالا افراد کو مغرب میں اوسط درجے کے فلسفی سمجھا جاتا ہے۔مذہب کے معاملے میں اقبال کا دل صوفیاء کی طرف مائل ہے اس لیے وہ روحانی تجربہ اور پیغمبرانہ وحی میں امتیاز نہیں کر سکے۔[۹۹]

الطاف احمد اعظمی کے بقول اقبال اور شیخ محی الدین ابن عربی کے خیالات میں مکمل طور پر یکسانیت پائی جاتی ہے اور دونوں کے خیالات کفر وشرک کی گندگی سے آلودہ ہیں۔ علامہ اقبال کے خطبات میں بہت سے مقامات پر ایسے خیالات پائے جاتے ہیں جن پر کفر وشرک کا اطلاق ہوتا ہے۔ اقبال کا مطالعہ اسلام ناقص تھا، اس وجہ سے اسلامی عقائد کی توضیح وتشریح میں اُن سے فکری لغزشیں سرزد ہوئی ہیں۔ اقبال نے قرآن مجید کی آیات سے استدلال کرتے وقت اُن کے سیاق وسباق کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ اور علامہ اقبال کا مطالعہ قرآن عمیق نہیں تھا۔[۱۰۰]

سمتھ نے الزام لگایا کہ اقبال خالص فلسفی نہیں تھے۔ اُن کا نام نہاد اسلامی فلسفہ نطشے اور برگسان کے نظریات پر اُستوار تھا۔ اُن کے افکار میں تضاد پایا جاتا ہے۔ اصول بیان کرتے ہوئے ہو پر مغز اور جدید ہوتے ہیں لیکن خالص موضوعات کو زیر بحث لاتے ہوئے وہ فکری ابہام میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اقبال فکری طور پر تجدید کے قائل تھے مگر عملی طور پر تجدید سے خوفزدہ تھے اور اُن کا مذہبی تصور تخیلی نوعیت کا تھا۔[۱۰۱]

ایچ -اے- آر- گب کے نزدیک خطبات میں علامہ اقبال مسلمانوں کو مغرب کے جدید علوم سائنس اور ٹیکنالوجی کے حصول کی طرف آمادہ کرتے ہیں مگر شاعری میں مغربی تہذیب اور اداروں کو معتوب قرار دیتے ہیں اور اُنھیں ہدف تنقید بناتے ہیں۔ اگر اقبال بطور شاعر اور سیاسی راہ نما کے مقبول نہ ہوتے تو کوئی بھی شخص یا ادارہ ملحدانہ اور انقلابی خیالات پر مشتمل ان خطبات کو شائع نہ کرتا۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ایک گستاخانہ کتاب ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے خطبات میں اپنے افکار وخیالات کی تائید میں جو قرآنی آیات پیش کی ہیں۔ اُن کی توضیح غلط طریقے سے کی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ اقبال نے اُن آیات پر اپنے معانی فٹ کیے ہیں۔[۱۰۲]

اقبال مغربی تہذیب، فلسفہ، سائنس اور ٹیکنالوجی سے بے حد متاثر تھے اور اُس کے مقابلے میں اسلام کو ایک کمزور تہذیب سمجھتے تھے۔ اُنھوں نے خطبات میں دونوں تہذیبوں کے تطبیق کی کوشش کی ہے۔[۱۰۳]

اقبال نے تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ میں مذہب کو سائنسی زاویہ نگاہ سے دیکھنے کی کوئی شعوری کوشش نہیں کی۔ دراصل ان خطبات کے زریعے اقبال نے دنیائے مادیت سائنسی اور عقلی حاصلات کی نفی کی ہے۔ اُنھوں نے ارتقاء پذیر سائنسی منقولات کا موازنہ مذہبی منقولات سے کرنے کی کوشش کی ہے۔ مذہب کے علمی دفاع میں اقبال انتہاپسندی کا شکار رہے ہیں۔ اقبال نے خطبات میں اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ حکمت یونان نے صرف

نظریات پیش کیے ہیں تاریخی اعتبار سے درست نہیں ہے۔[۱۰۴]

یہ اعتراض ڈاکٹر صلاح الدین درویش نے کیا ہے۔

ڈاکٹر صلاح الدین درویش کی کتاب فکر اقبال کا المیہ ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے کا نام فکر اقبال کا المیہ (نقد و نظر بحوالہ اردو کلام) اور دوسرے حصے کا نام فکر اقبال کا المیہ (نقد و نظر بحوالہ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ) ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صلاح الدین درویش نے علامہ اقبال کی اردو شاعری اور خطباتِ اقبال کی تفہیم کرنے کی کوشش کی ہے۔ بقول مصنف ان کی اس کتاب مقصد اقبال شکنی نہیں بلکہ اقبال فہمی ہے مگر کتاب کے مطالعے سے ان کے اس دعوے کی تردید ہوتی ہے۔ کتاب کے شروع میں مصنف نے ایک اجازت نامہ بھی لگایا ہے۔ مگر یہ بات واضح ہے کہ عمدہ فن پارے پر تنقید کے لیے صرف عمدہ تنقیدی شعور رکھنے والوں کو تنقید کی اجازت ہوتی ہے۔ اگر ہر عام و خاص کو تنقید کا حق حاصل ہو تو فن پارہ سنورنے کے بجائے مزید بگڑ جاتا ہے۔ فکر اقبال کا المیہ کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ڈاکٹر درویش علامہ اقبال کے فکر و فن کا ادراک نہیں کر سکے۔ ان کی تنقیدی صلاحیت حد درجہ سطحی اور ناقص ہے اور وہ کلام اقبال کی تفہیم سے عاجز ہیں۔ ڈاکٹر درویش کے چہرے پر جانبداری کی عینک ہے چونکہ ان کا تعلق ایک مخصوص تحریک سے ہے اس لیے انہیں اقبال کی ہر وہ بات غلط نظر آتی ہے جو ان کے مخصوص مقاصد کے خلاف ہے۔ کتاب متذکرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر درویش علامہ اقبال کے مقبول عام نظریات کو نہیں سمجھ سکے اور انہوں نے ان کی غلط تعبیر کی ہے اور خطبات پر تنقید کیسی۔۔۔ خطبات کی تفہیم کے لیے وسیع فکر، سوچ اور تنقیدی شعور کی ضرورت ہے جبکہ ڈاکٹر موصوف اس صلاحیت سے بے بہرہ ہیں اور دوسرے معترضین کی طرح وہی روایتی اعتراضات لگائے رکھے ہیں۔

سعید احمد اکبر آبادی کے بقول علامہ اقبال کا اُصول فقہ، اصول حدیث اور اصول تفسیر کا مطالعہ خاطر خواہ نہیں تھا۔ علامہ اقبال نے خطبات میں جن کتابوں اور مصنفین کا حوالہ دیا ہے اُنھیں اُن سے براہ راست استفادے کا موقع نہیں ملا۔[۱۰۵]

ڈاکٹر منظور احمد کے نزدیک اقبال نے اسلامی فکر کی بنیادی خامیوں کی نشاندہی تو خطبات میں کی ہے مگر اُن خامیوں کو دور کرنے کے لیے کوئی عملی طریقہ نہیں بتایا۔ اقبال کی یہ بات کہ ہم اجتہاد کے ذریعے نئے معاشرتی مسائل سے نبرد آزما ہو سکتے ہیں محض ایک مفروضہ ہے۔[۱۰۶]

اس طرح کے بہت سے الزامات معترضینِ اقبال نے خطباتِ اقبال پر عائد کیے ہیں۔ یہ اعتراضات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا مکمل احاطہ مشکل ہے یہاں صرف چند اعتراضات تحریر کیے گئے ہیں تا کہ یہ واضح ہو سکے کہ اعتراضات کس قسم کے تھے۔

حوالہ جات

۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبال ممدوح عالم، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۴۹

۲۔ شفیق عجمی، ڈاکٹر، اقبال شناسی عالمی تناظر میں، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۴۲

۳۔ محمد طفیل، مدیر، نقوش ادبی معرکے نمبر، ادارہ فروغِ اُردو، لاہور، ستمبر ۱۹۸۱ء، جلد دوم، ص ۲۸۳

۴۔ ایضاً، ص ۲۳۳

۵۔ ایضاً، ص ۲۳۶

۶۔ ایضاً، ص ۲۳۱

۷۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۹۶

۸۔ سرور، آل احمد، عرفانِ اقبال، مرتبہ، زہرہ معین، اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۳ء، ص ۷۰

۹۔ ممتاز علی، ''اردو پنجاب میں''، مشمولہ: اقبال کی صحت زبان، کشمیری، اکبر حیدری، ناشر و مرتب، نصرت پبلیشرز لکھنو، ۱۹۹۸ء، ص ۹۱

۱۰۔ جوش ملیسانی، اقبال کی خامیاں، شائع کردہ عرش ملیسانی، دہلی، ۱۹۷۷ء، ص ۲۱

۱۱۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، معترضین اقبال، انٹرنیشنل اُردو پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۰۴ء، ص ۳۹

۱۲۔ سید، سلیمان ندوی، اقبال کامل، الفیصل ناشرانِ و تاجرانِ کتب، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۱۴۴۔۱۴۵

۱۳۔ منظر اعظمی، ڈاکٹر، ''اقبال اور اہل زبان''، مشمولہ: محفل اقبال، سری نگر، ۱۹۷۸ء، سری نگر، ص ۱۱۵

۱۴۔ جوش ملیسانی، اقبال کی خامیاں، ص ۲۴

۱۵۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال، عبداللہ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۲۶۵

۱۶۔ جوش ملیسانی، اقبال کی خامیاں، ص ۱۴۳

۱۷۔ سید، سلیمان ندوی، اقبالِ کامل، ص۱۴۳

۱۸۔ احمد، کلیم الدین، اقبال ایک مطالعہ، بک امپوریم، پٹنہ، بھارت، س ن، پیش لفظ

۱۹۔ ایضاً، ص۱۲۹

۲۰۔ عرش ملیسانی، اقبال کی خامیاں، ناشر، ساحر ہوشیار پوری، دہلی، ۱۹۷۷ء، ص۴۱

۲۱۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، معترضینِ اقبال، ص۶۵

۲۲۔ عبدالحق، مولوی، چند ہم عصر، انجمن ترقیِ اُردو ہند، نئی دہلی، ۱۹۹۶ء، ص۱۰۴

۲۳۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، مطالعہ اقبال کے چند نئے رخ، بزمِ اقبال لاہور، ۱۹۸۴ء، ص۷۳

۲۴۔ فاروقی، محمد حمزہ، مرتب، حیاتِ اقبال کے چند مخفی گوشے، ادارہ تحقیقات پاکستان، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص۴۳۲

۲۵۔ فاروقی، محمد حمزہ، اقبال کا سیاسی سفر، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص۲۱۷

۲۶۔ سمتھ، ویلفرڈ کینٹول، *Islam in Modern History*، نیو امریکن لائبریری، نیویارک، ۱۹۵۹ء، ص۲۱۲

۲۷۔ آزاد، جگن ناتھ، ہندوستان میں اقبالیات، مکتبہ علم ودانش، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص۱۵

۲۸۔ ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر، اقبالیاتی جائزے، گلوب پبلیشرز، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص۱۷

۲۹۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، معترضینِ اقبال، ص۱۸۲

۳۰۔ نیر مسعود، یگانہ احوال و آثار، انجمن ترقیِ اُردو ہند، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء، ص۲۸

۳۱۔ ایضاً، ص۳۸

۳۲۔ کے۔کے۔کھلر، اُردو کا آخری نقاد، سیمانت پرکاشن، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء، ص۲۳۲

۳۳۔ بشیر احمد، اقبال اور قادیانیت، تحقیق کے نئے زاویے، مجلسِ علم ودانش، راولپنڈی، ۲۰۰۶ء، ص۶

۳۴۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، ص۵۲

۳۵۔ قریشی، عبداللہ، محمد، باقیاتِ اقبال، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۱۲۹

۳۶۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، ص ۴۲۹

۳۷۔ بشیر احمد، اقبال اور قادیانیت، تحقیق کے نئے زاویے، ص ۱۰

۳۸۔ ایضاً، ص ۱۳

۳۹۔ ایضاً، ص ۱۵

۴۰۔ ایضاً، ص ۱۷

۴۱۔ الفضل، قادیان، ۳۰ مئی ۱۹۳۵ بحوالہ اقبال اور قادیانیت، تحقیق کے نئے زاویے، ص ۱۷۰

۴۲۔ چشتی، یوسف سلیم، فکرِ اقبال اور تحریکِ احمدیہ، عشرت پبلیکیشنگ ہاوس، لاہور، س ن، ص ۳۸۴

۴۳۔ عبدالماجد، شیخ، اقبال اور احمدیت، آرٹ پریس، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۲۸۴

۴۴۔ محمد عظیم فیروز آبادی، ''اقبال کے والد کا نام''، مشمولہ: شاعر، اقبال نمبر، بمبئی، س ن، ص ۴۲

۴۵۔ اقتدار علی، صاحب زادہ، تنقیداتِ اقتدار بر نظریاتِ اقبال، بریڈفورڈ، انگلستان، ۱۹۹۳ء، ص ۱۲

۴۶۔ رستوگی، تاراچرن، ''ادیبوں کی حیاتِ معاشقہ''، مشمولہ انشاء، کلکتہ، س ن، ص ۲۰۱

۴۷۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، ص ۱۷۷

۴۸۔ رستوگی، تاراچرن، ادیبوں کی حیاتِ معاشقہ، ص ۱۰۲

۴۹۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ، بیت الحکمت، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۱۱۸

۵۰۔ حامد جلالی، سید، اقبال اور اُن کی پہلی بیوی، ناشر، بیگم آفتاب اقبال، کراچی، ۱۹۹۶ء، ص ۲۔۲۷

۵۱۔ شاہین، رحیم بخش، مرتب، اوراقِ گم گشتہ، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۱۰۷

۵۲۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ، ص ۱۳۳

۵۳۔ رالف رسل، پروفیسر، اقبال اور اُن کا پیغام، انجمنِ ترقیِ اُردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۶ء، ص ۱۷

۵۴۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ، ص ۲۴۷

۵۵۔ ایضاً، ص ۲۵۵

۵۶۔ عبدالقیوم، سردار، ''سردار عبدالقیوم کی متنازعہ تقاریر''، مشمولہ روز نامۂ نوائے وقت، راولپنڈی، ۲۴ دسمبر ۱۹۸۷

۵۷۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، تصورِ پاکستان علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص ۱۴۹

۵۸۔ کسانہ، نثار احمد، مطالبہ پاکستان اور چودھری رحمت علی، کوشان پبلی کیشنز، فیصل آباد، ۱۹۹۷ء، ص ۱۱۷

۵۹۔ سرور، آل احمد، دانش ور اقبال، ایجوکیشن بک ہاوس، علی گڑھ، ۱۹۹۴ء، ص ۹

۶۰۔ ملا، آنند نرائن، مترجم، مضامینِ نہرو، اُردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۲ء، ص ۱۷۰

۶۱۔ کے۔ کے۔ عزیز، *Compelet Wrok of Ch. Rahmat Ali*، جلد دوم، وین گارڈ بکس لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۱۴۵

۶۲۔ کے۔ کے۔ عزیز، *A History of Idea of Pakistan*، جلد اول، وین گارڈ بکس لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۴۲

۶۳۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، تصورِ پاکستان علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ، ص ۲۵۳

۶۴۔ رفعت حسین، ڈاکٹر، مرتب *The Sword and the Sceptre*، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۶۳

۶۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبال ممدوحِ عالم، ص ۱۴۷

۶۶۔ ایضاً، ص ۹۳

۶۷۔ سمتھ، *Modern Islam in India*، ناشر، شیخ محمد اشرف، لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ۱۳۴

۶۸۔ ایضاً،ص۸۶

۶۹۔ ایوب صابر،ڈاکٹر، اقبال کی فکری تشکیل اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۷،ص۴۷

۷۰۔ علی عباس جلال پوری، اقبال کا علم الکلام،خرد افروز، جہلم، ۱۹۸۷،ص۱۷۲

۷۱۔ ایضاً،ص۱۷۴

۷۲۔ ایوب صابر،ڈاکٹر،اقبال کی فکری تشکیل، اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ،ص۷۰

۷۳۔ شفیق علی، ڈاکٹر، *Iqbal's Concept of North West Muslims State*،مرکز شعورِ ادب، کراچی، ۱۹۸۷،ص۱۹

۷۴۔ سرور، آل احمد، مرتب،اقبال اور مغرب، اقبال انسٹی ٹیوٹ، سری نگر، ۱۹۸۱،ص۱۹۰

۷۵۔ سرور، آل احمد، مرتب،اقبال کی اُردو غزل و نظم،اقبال انسٹی ٹیوٹ، سری نگر، س ن،ص۱۱

۷۶۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، مطالعہ اقبال کے چند نئے رخ، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۸۴،ص۲۶۰

۷۷۔ سمتھ، *Modern Islam in India*،ص۱۰۰

۷۸۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبال ممدوحِ عالم،ص۱۴۸

۷۹۔ رالف رسل، پروفیسر، اقبال اور اُن کا پیام،ص۱۷۔۲۱

۸۰۔ سہنا، سچد آنند، ڈاکٹر، *Iqbal the Poet and his Message*، ناشر، رام نرائن لال، الہ آباد ۱۹۴۷،ص۴۱۶

۸۱۔ گورکھ پوری، مجنوں، اقبال اجمالی تبصرہ، ایوانِ اشاعت، گورکھ پور، س ن، ص۳۷۔۵۴

۸۲۔ آزاد، جگن ناتھ، ہندوستان میں اقبالیات، مکتبہ علم و دانش، لاہور، ۱۹۹۱،ص۹۲

۸۳۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی فکری تشکیل، اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ،ص۲۸۸

۸۴۔ سمتھ، *Modern Islam in India*،ص۱۰۰۔۱۲۳

۸۵۔ سبطِ حسن، ''فلسفۂ شاہین''، مشمولہ: نقدِ اقبال حیاتِ اقبال میں، مرتبہ تحسین فراقی، ڈاکٹر، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص۲۳۶

۸۶۔ سمتھ، *Modern Islam in India*، ص۱۴۵

۸۷۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، ''فلسفۂ شاہین''، مشمولہ: نقدِ اقبال حیاتِ اقبال میں، ص۲۳۵

۸۸۔ عتیق صدیقی، اقبال جادو گرِ ہندی نژاد، مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۸۰ء، ص۱۰۲۔۱۰۵

۸۹۔ سمتھ، *Modern Islam in India*، ص۱۰۹

۹۰۔ ملیح آبادی، جوش، یادوں کی برات، مکتبہ شعر و ادب، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص۱۷۱

۹۱۔ ایضاً، ص۱۷۴

۹۲۔ جلال پوری، علی عباس، اقبال کا علم الکلام، ص۱۳۱

۹۳۔ ایضاً، ص۱۳

۹۴۔ ایضاً، ص۱۷۱

۹۵۔ گورکھ پوری، مجنوں، اقبال اجمالی تبصرہ، ص۸۳

۹۶۔ اصلاحی، نجم الدین، مولانا، اقبال اور مودودی کا تقابلی جائزہ، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ۱۹۷۹ء، ص۱۸۷

۹۷۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکار و تشریحاتِ جاوید، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص۱۵۴

۹۸۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، خطباتِ اقبال تسہیل و تفہیم، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص۱

۹۹۔ فاروقی، برہان احمد، ڈاکٹر، اقبال کی تشکیلِ نو، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، س ن، ص۸۵

۱۰۰۔ اعظمی، الطاف احمد، خطباتِ اقبال ایک مطالعہ، مطبع آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی، ۲۰۰۱ء، ص۱۱۔۱۷

۱۰۱۔ سمتھ، *Modern Islam in India*، ص۱۵۱۔۱۶۵

۱۰۲۔ گب ،ایچ۔اے۔ار،*Modern Trends in Islam*،یونی ورسٹی آف شکاگو پریس،شکاگو،۱۹۴۵،ص۲۱۰

۱۰۳۔ جاوید اقبال،ڈاکٹر،خطباتِ اقبال تسہیل و تفہیم،ص۲۰

۱۰۴۔ درویش،صلاح الدین،ڈاکٹر، فکرِ اقبال کا المیہ،فکشن ہاوس،لاہور،۲۰۱۴،ص۸۳۔۱۲۰

۱۰۵۔ سعید احمد اکبر آبادی،مولانا،خطباتِ اقبال پر ایک نظر،ص۴۱

۱۰۶۔ منظور احمد،ڈاکٹر،اقبال شناسی،ادارہ ثقافتِ اسلامیہ،لاہور،۲۰۰۲،ص۲۲۔۳۲

باب دوم

ڈاکٹر ایوب صابر کی فکرِ اقبال سے وابستگی

ا۔ ڈاکٹر ایوب صابر۔۔۔۔۔۔تعارف وشخصیت

ب۔ ڈاکٹر ایوب صابر کی فکرِ اقبال سے وابستگی

ج۔ اعلیٰ تعلیم میں اقبالیات پر تحقیق

د۔ ڈاکٹر ایوب صابر کا اقبالیاتی سرمایہ

ہ۔ بیرونِ ممالک فکرِ اقبال کی ترویج واشاعت

و۔ علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد، شعبہ اقبالیات کی سربرائی

ز۔ اعزازات

ق۔ ذرائع ابلاغ سے فکرِ اقبال کا فروغ

ر۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے زریعے فکرِ اقبال کا فروغ

حوالہ جات

ڈاکٹر ایوب صابر۔۔۔تعارف

ڈاکٹر ایوب صابر ۲ جنوری ۱۹۴۰ کو ہری پور اور حویلیاں کے درمیان واقع ایک چھوٹے سے گاوں موہری میں دوست محمد کے ہاں پیدا ہوئے۔[1]

آپ کے والد ایک متقی اور پرہیز گار انسان تھے اور گھر کا ماحول دینی تھا۔آپ کی والدہ سادہ، باوقار اور پاک سیرت و کردار کی حامل خاتون تھی۔ یہ اُن ہی کی تربیت کا اثر ہے کہ ایوب صابر کی شخصیت میں سادگی، وقار اور عمدہ اخلاقی صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو اُن کی تعلیم گاوں کے پرائمری سکول سے شروع ہوئی۔آپ ابتداہی سے ایک ذہین اور فرض شناس طالب علم تھے۔ پرائمری کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایوب صابر نے گورنمنٹ ہائی سکول سرائے صالح میں داخلہ لیا اور وہاں سے میٹرک کا امتحان ۱۹۵۷ میں درجہ اول میں پاس کیا اور سکول میں اول رہے۔سکول کے صدر معلم محمد رفیق نے بطور طالب علم ۱۹۵۷ میں ڈاکٹر ایوب صابر کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا اعتراف حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے۔

> ''محمد ایوب سکول کے دوران مانیٹر رہے، ذہین ترین طالب علم رہے۔فرائض کی بجا آوری میں دیانت داری کا مظاہرہ کرتے رہے۔سکول کی بزم ادب کے سیکرٹری رہے۔دو مرتبہ گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد کے تقریری مقابلوں میں بھی حصہ لیا۔ اسلامی موضوعات پر بہترین مقرر ہیں۔اُن کا ذاتی کردار دوسروں کے لیے قابل مثال ہے۔''[2]

میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول سرائے صالح سے امتیازی حیثیت سے پاس کرنے کے بعد آپ نے گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد میں ایف۔اے میں داخلہ لیا اور وہاں سے ایف۔اے کا امتحان ۱۹۵۹ میں درجہ دوم میں پاس کیا۔ ایف۔اے کے امتحان میں آپ نے کلاس میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی اس بنا پر آپ کو میرٹ سکالرشپ دیا گیا۔اسی کالج سے اُنھوں نے بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔کالج کے پرنسپل ڈاکٹر محمد جان نے ۱۹۶۱ میں ڈاکٹر ایوب صابر کی نصابی و غیر نصابی سرگرمیوں کا اعتراف حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:

> ''محمد ایوب صابر تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ہم نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔وہ سٹوڈنٹ یونین کے جنرل سیکرٹری ، کالج کے ادبی مجلّہ

> کاغان کے اردو حصہ کے مدیر، سول ڈیفنس کلب کے نائب صدر، اپنے ٹیوٹوریل گروپ کے صدر و سیکرٹری رہے۔ اُنھوں نے مقامی و بیرونی تقریری مقابلوں میں شرکت کی اور کئی انعامات حاصل کیے۔۔۔ گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد کو اُن کی صلاحیتوں پر ہمیشہ ناز رہے گا''[۳]

کالج کے زمانہ طالب علمی کے دوران آپ نے مختلف ماہر اساتذہِ کرام سے اکتساب فیض کیا۔ ان اساتذہ میں سب سے معروف پروفیسر صغیر احمد جان تھے۔ جن کا تعلق دہلی سے تھا۔ پروفیسر صغیر احمد جان نے دہلی سے تعلیم حاصل کی تھی اور اردو زبان و ادب، عروض اور قواعد پر گہری دسترس رکھتے تھے۔ اُن کی کتاب صحیفہ فنون ادب کے پایہ کی کتاب آج تک اردو زبان میں ناپید ہے۔ چونکہ اُس دور میں گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد میں صرف بی۔اے تک ہی کلاسز ہوتی تھی لہذا مزید علم کے حصول کی جستجو آپ کو پشاور لے گی اور آپ نے ۱۹۶۱ میں پشاور یونی ورسٹی کے شعبہ اردو میں ایم۔اے اردو میں داخلہ لیا۔ اردو سے آپ کا لگاؤ شروع ہی سے تھا۔ آپ کی شخصیت میں ادبی ذوق اور تحقیق کا عنصر شروع سے موجود تھا۔ اس ادبی ذوق کی آبیاری کے لیے پشاور یونی ورسٹی میں آپ کو بہترین ماحول میسر آیا اور آپ کا یہ ادبی ذوق اور تحقیق کی جستجو کا جذبہ مزید نکھر کر سامنے آیا۔ ایم۔اے اردو کے دوران اُن کو ممتاز دانشور ماہر اقبالیات و لسانیات پروفیسر محمد طاہر فاروقی سے اکتساب علم کا موقع ملا۔ جن کی سرپرستی نے ڈاکٹر ایوب صابر کی ادبی اور تحقیقی صلاحیتوں کو جلا بخشی۔ آپ نے ۱۹۶۳ میں پشاور یونی ورسٹی سے ایم۔اے اردو کا امتحان درجہ دوم میں پاس کیا۔ پروفیسر محمد طاہر فاروقی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''محمد ایوب صابر نے تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ادبی تقریبات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مختلف موضوعات پر کئی ایک ادبی مضامین تحریر کیے۔ مضمون نویسی کے سالانہ مقابلوں ۱۹۶۲ اور ۱۹۶۳ میں پہلا انعام حاصل کیا۔ وہ منجھے ہوئے بااخلاق اور منظم طالب علم ہیں۔''[۴]

۱۹۶۳ میں پشاور یونی ورسٹی سے ایم۔اے اُردو کا امتحان پاس کرنے کے بعد اُنھوں نے عملی زندگی کا آغاز بطور لیکچرار گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد سے کیا۔ یہ بات ڈاکٹر ایوب صابر کے لیے وجہ افتخار تھی کہ اُنھوں نے اسی کالج سے تعلیم حاصل کی اور اسی کالج میں بحیثیت معلم اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا اور اپنے اساتذہ کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ

شروع کر دیا۔ اُن کا شمار کالج کے بہترین اساتذہ میں ہوتا تھا اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے شاگردوں کو اپنا گرویدہ بنایا۔ حافظ بشیر احمد اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''میں نے آپ کی شخصیت کا قریب سے جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ آپ ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں بحیثیت استاد نہایت قابل محنتی اپنے مضمون پر حاوی، تجربہ کار بااصول اور وقت کے پابند ہیں۔ جب پڑھاتے ہیں تو پڑھانے کا حق ادا کر دیتے ہیں۔۔۔آپ کی نظروں میں اگر کوئی جچتا ہے تو صرف محنتی لڑکا۔آپ اپنے اصولوں کے بہت پابند ہیں۔''[۵]

واضح نصب العین اور مقصد کا تعین کامیاب زندگی گزارنے کی پہلی سیڑھی ہے۔ اساتذہ کے لیے یہ بات اور بھی زیادہ ضروری ہو جاتی ہے۔ واضح نصب العین رکھنے والا اُستاد ہی قوم کا حقیقی معمار ہوتا ہے۔ڈاکٹر ایوب صابر ایک واضح مقصد لے کر درس و تدریس کے شعبے میں آئے تھے اور ساری زندگی اُس مقصد کی تکمیل میں گزار دی۔ اُنھوں نے اس عرصہ میں نامی گرامی شاگرد پیدا کیے اور ایسے شاگرد جنھوں نے ڈاکٹر ایوب صابر کے مقصد اور نصب العین کی ترویج و اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ آخر کار آپ نے ۱۹۹۵ میں کالج کی ملازمت سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی۔ ابتدائی عمر میں ڈاکٹر ایوب صابر نے شاعری بھی کی مگر جلد ہی اُنھوں نے شاعری کو ترک کر دیا اور تحقیق و تنقید کی طرف آ گئے۔ اگرچہ اُن کی شاعری نو آموزی کی تھی مگر اس شاعری کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عام قسم کی شاعری نہیں بلکہ اُس میں مقصدیت پائی جاتی ہے۔

میں سوچتا ہوں کہ اپنے خدا سے کیا مانگوں
میں چاہتا ہوں کہ اُس سے نہ ما سوا مانگوں

....

عمل کے ساتھ خلوصِ عمل میسر ہو
سزا کا خوف نہ ہو اور نہ میں جزا مانگوں

....

مری شکست، مرے دشمنوں کی ناکامی
مرا خیال ہے کہ میں ایک کربلا مانگوں

....

مرا ضمیر تری کائنات کا حاصل
میں اس سے قیمتی شے اور تجھ سے کیامانگوں

....

مدار اپنا بہرحال اک دعا پر ہے
مگر یہ بات ہے کہ دل سے کبھی دعا مانگوں

....

نہیں ہے تیری محبت کی انتہا کوئی
مگر میں تیری محبت کی انتہا مانگوں[۶]

شخصیت

شخصیت انسان کی مجموعی زندگی، عادات، اطوار، میلانات و رجحانات، طرزِ عمل اور رویوں کا نام ہے۔ جب ہم کسی انسان کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں تو اس جائزے میں اُس انسان کے گفتار و کردار، معمولاتِ شب و روز، عادات و اطوار اور رجحانات وغیرہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ انسان کی ظاہری زندگی اس کے باطن کی غماز ہوتی ہے اور جو کچھ انسان کے قلب و ذہن میں ہوتا ہے اُس کا برملا اظہار اُس انسان کی گفتگو اور اس کے اعمال و افعال اور کردار و عمل سے عیاں ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ایوب صابر ایک ہمہ جہت شخصیت کے حامل انسان ہیں۔ اُن کی شخصیت کی کوئی ایک خوبی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں بہت سے اوصاف سے نوازا ہے۔ وہ اپنی ذات میں ایک پوری علمی و ادبی تحریک اور انجمن ہیں۔ اگر ڈاکٹر ایوب صابر کی خوبیوں کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو اُن میں وہ تمام خوبیاں اور اوصاف موجود ہیں جو علامہ محمد

اقبال کی شخصیت کا خاصہ تھیں یعنی عجز و انکسار،صبر،بلند حوصلہ، پر اُمید،درد مندی اور دلسوزی، خلوص و گداز اور درویشی۔ڈاکٹر ایوب صابر چہرے سے انتہائی سنجیدہ نظر آتے ہیں مگر اُن کی شخصیت کی یہ خاص خوبی ہے کہ ایک اجنبی شخص اگر پہلی مرتبہ اُن سے بات کرے تو اُس میں اپناہیت نظر آتی ہے۔ڈاکٹر ایوب صابر کی سنجیدگی اُن کے گہرے تفکر، باطنی خلوص، دردمندی اور دل سوزی سے عبارت ہے۔ڈاکٹر ایوب صابر اپنی ذات میں پوری ایک انجمن تھے اس سلسلے میں ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم لکھتے ہیں:

''وہ جہاں بیٹھتے ہیں ایک انجمن بنا لیتے ۔اُنھوں نے انجمن ترقی اُردو ہزارہ کی از سرِ نو تشکیل کی اور بزم اہل قلم ہزارہ اُن کے گھر میں ۱۹۷۷ میں قائم ہوئی وہ اُس کے روح رواں رہے۔روٹری کلب ایبٹ آباد اور ادارہ اتحاد ملی کے پہلے سیکرٹری کی حیثیت سے بھی کام کیا۔''[۷]

ڈاکٹر ایوب صابر کی شخصیت کا سب سے زیادہ اور متاثر کن پہلو صبر ہے۔جس طرح اُن کا نام صابر ہے اُن کی زندگی صبر کا عملی نمونہ ہے۔اُنھوں نے انتہائی صبر سے کام لے کر علامہ اقبال کی شخصیت فکر اور فن پر ہونے والے اعتراضات کا جائزہ لیا یقیناً یہ ایک صبر طلب کام ہے۔اُنھوں نے اگرچہ ساری عمر ہی فکرِ اقبال کی ترویج و اشاعت میں صرف کر دی مگر مسلسل ۲۳ سال کی محنت شاقہ سے اُنھوں نے جو اپنا ضخیم اقبالیاتی سرمایہ منظر عام پہ لایا، واقعی صبر طلب کام ہے۔ڈاکٹر ایوب صابر کی عمر اس وقت ۷۷ سال ہے مگر اس عمر میں بھی وہ اقبالیات کی تحقیق میں مصروفِ عمل ہیں جس کا بین ثبوت اُن کی کتاب اقبال کے فہم اسلام پر اعتراضات ایک مطالعہ ہے جو اکتوبر ۲۰۱۶ میں منظر عام پر آئی۔اس کے علاوہ وہ روزانہ فکر اقبال کی ترویج میں اپنے لیکچرز کے ذریعے حصہ لے رہے ہیں۔ابھی اُن کے سامنے عظیم تر پاکستان اور اپنی سوانحِ عمری لکھنے کا منصوبہ موجود ہے۔ڈاکٹر طالب حسین سیال ڈاکٹر ایوب صابر کی شخصیت کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

''اُن کی شخصیت میں وضعداری، خوش اخلاقی اور دوست نوازی بدرجہ اُتم موجود ہے اُن کی علمی وفکری خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے خیالات کا دیانت داری اور شفافیت کے ساتھ اظہار کرتے ہیں وہ کسی مصلحت ڈر اور خوف کو خاطر میں نہیں لاتے۔''[۸]

ڈاکٹر ایوب صابر کی شخصیت کا یہ نمایاں پہلو ہے کہ اُنھوں نے ایک ایسے موضوع پر قلم اُٹھایا اور اُسے موضوعِ تحقیق بنایا

جس پر اُنھیں قدم قدم پر مخالفت اور الزام تراشیوں کا سامنا کرنا پڑا مگر اُنھوں نے کسی کی پروانہیں کی۔ علامہ اقبال کی شخصیت اور فکر و فن پر جو بات تحقیقی حوالے سے اُنھیں غلط لگی اور اُن کے ضمیر کو ناگوار گزری اُس کا اُنھوں نے برملا اظہار کیا قطع نظر اس بات کہ پڑھنے اور سننے والوں کی دشمنی مول لینے کا خطرہ ہے۔ اُن کی بے باکی کا اندازہ اس سے زیادہ اور کس بات سے ہوسکتا ہے کہ فرزندِ اقبال جسٹس جاوید اقبال نے بھی اگر کوئی ناگوار بات علامہ اقبال کے خلاف لکھی یا کہی تو ڈاکٹر ایوب صابر نے جاوید اقبال کی بھی گرفت کی ہے۔

ڈاکٹر ایوب صابر اقبال کے مردِ مومن کی واضح تصویر ہیں۔ مخالفین و معترضین اقبال کے لیے وہ فولاد کی دیوار ہیں جبکہ اقبالیات کا ذوق رکھنے والے اصحاب اور طالب علموں اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے مددگار، دوست اور راہ نما ہیں۔ ان کے علمی سرچشمے سے کئی اصحاب اور طلبہ و طالبات سیراب ہوئے اور اب بھی ہو رہے ہیں۔ اُن کے شاگردوں میں کئی ماہر اقبال شناس موجود ہیں۔ جن لوگوں نے ڈاکٹر ایوب صابر سے گفت گو کی ہو یا کبھی آپ کی تقاریر سننے کا موقع ملا ہو وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ ڈاکٹر ایوب صابر کی متاعِ حیات صرف اسلام، پاکستان اور علامہ اقبال ہیں۔ علامہ اقبال سے دلی وابستگی اُن کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ زمانہ طالبِ علمی ہی سے ڈاکٹر ایوب صابر کے دل میں پاکستان اور علامہ اقبال سے لگاؤ کا جذبہ پروان چڑھ رہا تھا۔ یہ بات حقیقت ہے کہ جو شخص پاکستان کا سچا مخلص ہوگا وہ قائداعظم اور علامہ اقبال کا بھی مخلص ہوگا۔ اقبال کی مخالفت اور دشمنی درحقیقت اُن ہی لوگوں نے کی ہے جو کسی نہ کسی طرح پاکستان کے مخالف اور دشمن ہیں۔ پاکستان سے دلی وابستگی اور محبت ڈاکٹر ایوب صابر کی شخصیت کا جزولاینفک ہے۔ اُنھیں نے ساری زندگی نظریہ پاکستان اور پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی۔ آپ نظریہ پاکستان کے عملی نفاذ کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ بچپن ہی سے کلام اقبال سے وابستگی اس بات کو ظاہر کر رہی ہے کہ اُن کے دل میں جذبہ حُبِ الوطنی ،نظریہ پاکستان اور نظریہ پاکستان کا عملی نفاذ بدرجہ اُتم روزِ اول ہی سے موجود ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر کی شخصیت کی ایک نمایاں خوبی نمود و نمائش سے احتراز ہے۔ وہ نام و نمود اور اغراض کے پردے میں شہرت حاصل نہیں کرنا چاہتے۔ آج کل کے دور میں نمود و نمائش کی بیماری بہت عام ہے۔ لوگ عام اور معمولی تحریروں کی اشاعت پر پھولے نہیں سماتے، بلکہ آج کے جدید ذرائع ابلاغ نے تو لوگوں کے دماغ آسمان پر پہنچا دیے ہیں۔ معمولی اور ادنی سی تحریریں لکھ کر اور شائع کر کے اپنے آپ کو محقق، نقاد اور فلسفی گردانتے ہیں۔ مگر ڈاکٹر ایوب صابر نمود و نمائش کی اس بیماری سے بہت دور ہیں۔ اُنھوں نے ساری زندگی کبھی ذاتی اغراض و نمائش کے لیے نہیں لکھا، بلکہ ایک خاص مقصد کی تکمیل میں زندگی صرف کر دی اور اتنا لکھا ہے کہ جسے مکمل طور پر پڑھنے کے لیے کم از کم ایک سال سے زائد کا

عرصہ درکار ہے مگر کبھی اپنے کام کا پرچار نہیں کیا۔ لوگوں نے بڑے بڑے عہدے اور منصب حاصل کیے اور ہر جگہ انجمن تحسین باہمی بنالی۔ نمود و نمائش مقصد کو داغدار کر دیتی ہے۔ مگر ڈاکٹر ایوب صابر زندگی بھر نمود و نمائش کی بیماری سے دور رہے۔ آپ نے اپنی زندگی ایک بھرپور انداز سے بسر کی، وسیع المطالعہ، برجستہ اور موثر تقاریر، بھرپور مجلسی زندگی، دوست احباب سے نہایت خوش گوار تعلقات، انتظامی اور تدریسی مصروفیات تحقیق اور فکر اقبال کی ترویج واشاعت سے آپ کی زندگی مزین ہے۔ اسلام اور فکر اقبال کی روشنی پھیلانے اور دوسروں کو فکرِ اقبال سے مستفید کرنا آپ کی شخصیت کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس مقصد کے لیے اُنھیں جہاں بھی جانا پڑا اُنھوں نے جانے سے دریغ نہیں کیا۔ ڈاکٹر ایوب صابر علم اور تحقیق کی جس منزل پر آج فائز ہیں وہ ایک دو روز میں حاصل نہیں ہوئی بلکہ اُن کے علمی مراتب اُن کی سحر خیزیوں کا نتیجہ ہیں اور مقصد کی لگن اور نظریے کی پاسداری اُن کی زندگی اور شخصیت کا نصب العین رہے ہیں۔ معروف اقبال شناس ڈاکٹر صابر کلوروی لکھتے ہیں:

> ''میں قوتِ گویائی سے محروم تھا۔ اُس نے لفظوں کے بت تراشنے کا ڈھنگ بتایا۔ اس نے علم و عرفان کی جھولیاں بھر بھر کر دیں۔ کس قدر قیامت کا سفر تھا کہ سب کچھ کھو بیٹھا تھا مگر ٹہلتے ٹہلتے ایک دن وہ میری انگلی پکڑے اُس مقام پر لے گیا جہاں میں نے اپنی متاعِ گم گشتہ کا سراغ پالیا۔ خودآگہی کی منزل اور علم و عرفان کی دولت۔ میں اپنی یہ کتاب استادِ گرامی محترم پروفیسر ایوب صابر کے نام منسوب کرتا ہوں۔''[۹]

ڈاکٹر ایوب صابر کی فکرِ اقبال سے وابستگی

ڈاکٹر ایوب صابر کا رُجحان زمانۂ طالب علمی ہی سے لکھنے اور تحقیق کی طرف تھا اور اسی زمانے سے آپ مضامین اور مقالات لکھ رہے تھے۔ کالج کے زمانے میں اُن کے مضامین گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد کے ادبی مجلّہ کاغان میں شائع ہوتے رہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر ایک ایسے ماحول میں زندگی بسر کر رہے تھے جہاں ہر طرف زہرناکی، تعصب اور تعفن پھیلا ہوا تھا۔ آپ سچے دل کے ہمدرد انسان تھے اور نسلِ نو کو سیدھی راہ پر لگانا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے اُنھوں نے کسی بیرونی مدد کا انتظار نہیں کیا بلکہ سب سے پہلے اس منزل کے خود مسافر بنے۔ وہ اس نگاہ کی تلاش میں رہے جو اُن کی تقدیر بدل دے۔ زمانۂ طالب علمی ہی میں جب کلام اقبال اُن کی نظر سے گزرا تو ڈاکٹر

ایوب صابر اُس کی طرف راغب ہو گئے اور اُنھیں کلام اقبال میں اپنی منزل کے حصول کے آثار نظر آنے لگے اور آپ کلام اقبال کے گرویدہ ہو گئے۔ ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم لکھتے ہیں:

''روح اقبال ایبٹ آباد گھومتی رہی اور اُس نے ایک نو خیز اور دل آویز شخصیت کی تلاش کر لی جس کا نام محمد ایوب صابر ہے۔''[10]

فکر اقبال کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر کا پہلا مضمون زمانۂ طالب علمی کے عرصے میں منصۂ شہود پر آیا۔ اُنھوں نے اپنا پہلا مضمون بعنوان ''پیام اقبال کی اساس'' لکھ کر اقبالیات کی تحقیق میں اپنی شرکت کا اعلان کیا۔ یہ مضمون پہلی مرتبہ ۱۹۶۱۔۶۲ میں گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد کے ادبی مجلّہ "کاغان" میں چھپا۔ اس مضمون میں اُنھوں نے فکر اقبال کی بنیاد کو تلاش کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ وہ کون سی کسوٹی ہے اور کونسا معیار ہے جسے علامہ اقبال نے اپنی فکر کی بنیاد بنایا۔ اس مضمون میں آپ نے نطشے، برگساں، کارل مارکس، سنائی، عطار، رومی، شبستری، خاقانی، جامی، عراقی، بوعلی قلندر اور حافظ کے نظریات کے تحت علامہ اقبال کے افکار و نظریات کا جائزہ لیا ہے اور مضمون میں اُنھوں نے یہ بات واضح کی ہے کہ: ''اگر کوئی پیامِ اقبال کی بنیاد غیر قرآن قرار دے تو وہ یقیناً صریح غلطی کا مرتکب ہوگا۔''[11]

جب آپ ایم۔اے فائنل کے طالب علم تھے تو اقبالیات کے حوالے سے آپ کا دوسرا مضمون شائع ہوا جس کا عنوان ''وحدت الوجود اور اقبال'' تھا۔ اس مضمون میں آپ نے وحدت الوجودی عقائد و نظریات کا جائزہ کلام اقبال کی روشنی میں لیا۔ کالج کی تدریس کے زمانے میں آپ کے اندر اقبالیات سے لگاؤ کا جذبہ مزید اُجاگر ہوا۔ علامہ اقبال کی حیثیت محض ایک شاعر کی نہیں ہے بلکہ وہ متنوع خصوصیات کی حامل شخصیت کے مالک ہیں۔ علامہ اقبال بیک وقت ماہر سیاسیات، ماہر نفسیات، ماہر معاشیات ماہر اخلاقیات، ماہر مدنیات، ماہر ابلاغیات، ماہر ادبیات، ماہر لسانیات، ماہر مابعد الطبعیات اور ماہر قانون دان تھے۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں کو ایک باوقار اور پر عظمت زندگی گزارنے کا درس دیا۔ کلام اقبال میں علم و دانش کے وہ موتی پوشیدہ ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر انسان کائنات میں بلند منصب پر فائز ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے جب اپنے اردگرد ماحول اور معاشرے کا جائزہ لیا تو اُنھیں عجیب بے چینی اور افراتفری کی کیفیت نظر آئی، اور جب اُنھوں نے کلام اقبال کا مطالعہ کیا تو اُنھیں یہ معلوم ہوا کہ ہمارے موجودہ تمام معاشرتی، معاشی، سیاسی اور انفرادی مسائل کا حل کلام اقبال میں موجود ہے۔ یہیں سے اُن کے دل میں یہ جذبہ پروان چڑھا جس کی تکمیل میں اُنھوں نے ساری زندگی وقف کر دی اور وہ جذبہ تھا کہ افکار اقبال کو ہم اپنے معاشرے میں رائج کر سکیں۔

یوں ڈاکٹر ایوب صابر کے دل میں علامہ اقبال سے محبت کا جذبہ جو زمانہ طالب علمی میں پیدا ہوا تھا۔ کالج کی تدریس کے دوران مزید پروان چڑھتا رہا اور ڈاکٹر ایوب صابر فکر اقبال کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہوتے رہے اور اس سمندر سے جو گہرہائے آبدار اُن کے ہاتھ لگتا اُسے اپنے شاگردوں میں بانٹتے رہے۔ تیرہ سال تک ڈاکٹر ایوب صابر نے بی۔اے اور ایم۔اے کی سطح پر کالج میں اقبالیات کی تدریس کی۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ انسان پڑھنے سے اتنی چیزیں نہیں سیکھتا جتنی پڑھانے سے سیکھتا ہے۔ لہٰذا دورانِ تدریس علامہ اقبال کے افکار کے مختلف پہلو اُن پر واضح ہوتے چلے گئے۔ انسان کا ذہنی رجحان شروع ہی سے جس چیز کی طرف مائل ہو وہ چیز بہت جلد اُس کی شخصیت کا حصہ بن جاتی ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر شروع ہی سے اسلامی تاریخ، فلسفہِ اسلام اور قومی زبان کی تقریر و تحریر سے وابستہ رہے اس وجہ سے کلام اقبال نے بہت جلد اُن پر اثر کیا اور اس بات پر اُن کا یقین پختہ سے پختہ ہوتا چلا گیا کہ فکرِ اقبال سے وابستگی ہی کامیاب اور بامعنی زندگی گزارنے کی ضمانت فراہم کر سکتی ہے۔

اعلیٰ تعلیم میں اقبالیات پر تحقیق

کالج کی تدریس کے دوران ڈاکٹر ایوب صابر افکار اقبال کی تدریس اور تحقیق میں مصروف رہے۔ اُنھوں نے اپنے تدریسی اور تعلیمی سفر میں ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش کی اور اس سفر میں گہرے تنقیدی شعور کا مظاہرہ کیا۔ اقبالیات کے مطالعہ کے دوران اُنھیں اس بات کا شدید احساس ہوا کہ اقبال مخالف لٹریچر بہت بڑھتا جا رہا ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری، افکار و نظریات اور شخصیت کے حوالے سے بہت سی غلط باتیں لکھی جا چکی ہیں اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے اور یہ غلط باتیں لوگوں تک پہنچ رہی ہیں جس کی وجہ سے افکار اقبال کی اصل شکل مسخ ہو گئی ہے۔ اگر اقبال مخالف لٹریچر اسی طرح بڑھتا رہا اور اصل حقائق کو واضح نہ کیا گیا تو یہ بات دور نہیں کہ فکرِ اقبال کا اصل چہرہ مسخ ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ معترضین و مخالفینِ اقبال کی تحریروں کا تحقیقی انداز میں جائزہ لیا جائے مگر اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری تھا کہ اعتراضات یا الزامات کا جائزہ اقبال دوستی کے تناظر میں نہ لیا جائے بلکہ علمی، معروضی، تحقیقی اور غیر جانبدارانہ حیثیت سے لیا جائے تاکہ فکرِ اقبال کی اصل شکل واضح ہو سکے۔ چناں چہ ڈاکٹر ایوب صابر نے معترضین و مخالفین اقبال کی اعتراضات و الزامات کی تحقیق کا بیڑا اُٹھایا۔ اس سلسلے میں پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

> ''اقبال کی شخصیت اور فکر پر اڑائے جانے والے چھینٹے، پروفیسر ایوب صابر کے
> لیے ذہنی اذیت اور کرب کا باعث تھے۔ اُن کی نفاستِ طبع اور وضع داری سے یہ ممکن

نہ تھا کہ وہ تنقید اقبال کے اس پھوہر پن کی بدہیتی کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرتے
اوراس پر خاموش رہتے۔'' [۱۲]

جب ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنے باقاعدہ تحقیقی منصوبے کا آغاز کیا تو اُن کے پیش نظر دو بڑے منصوبے تھے۔

ا۔ چند اقبال مخالف کتابوں اور کتابچوں کا جائزہ لیا جائے جو اقبال دشمنی کے حوالے سے لکھی گئی ہیں۔جن میں اقبال کی شخصیت، شاعری اور فکر وفن کے حوالے سے الزامات لگائے گئے ہیں اور فکر اقبال کو مسخ کرنے کے لیے اُن کی شخصیت کو مجروح کیا گیا ہے۔

۲۔ تمام اقبال مخالف ادب کی چھان بین کر کے،نمایاں اعتراضات کا تجزیہ کرنا اور اقبال دشمنی کے محرکات ، رجحانات، اسباب وغیرہ کا وسیع تناظر میں تحقیقی اور تنقیدی انداز میں جائزہ لینا۔پہلے منصوبے کی تکمیل کے لیے ڈاکٹر ایوب صابر نے علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی میں ایم ۔فل اقبالیات میں داخلہ لیا اور ۱۰ جولائی ۱۹۹۱کو اقبال پر معاندانہ کتب کا جائزہ کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھ کر ایم ۔فل اقبالیات کی ڈگری حاصل کی۔اس بارے میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

''میں ۱۹۶۳سے ایف۔اے اور بی۔اے کی سطح پر اور ۱۹۷۳سے ایم۔اے کی سطح
پر اقبالیات پڑھا رہا ہوں۔ایم۔فل کی سند میرے لیے کوئی اعزاز نہیں سچ یہ ہے کہ
کام کرنے کے لیے ایک طریقہ کار اختیار کیا جو کار آمد ثابت ہوا۔'' [۱۳]

ڈاکٹر ایوب صابر نے ایم۔اے کرنے کے ۲۸ سال بعد ایم ۔فل اقبالیات کیا جو اُن کے جذبے کی سچی لگن کی دلیل ہے۔حال آنکہ ۲۸ سال سروس کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت چنداں نہیں ہوتی اور نہ ہی ہمارے سامنے ایسی مثالیں با آسانی دستیاب ہیں۔آپ کا ایم ۔فل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا مقصد اس سند سے کسی ملازمت یا اعلیٰ عہدے کا حصول نہیں بلکہ اقبالیات کی تحقیق کا وہ عملی جذبہ ہے جس کی تسکین کے لیے آپ نے ۲۸ سال ریاضت کی اور آخر کار آپ کی یہ ریاضت اقبال پر معاندانہ کتب کا جائزہ کی صورت میں منظر عام پر آئی۔اس تحقیقی مقالے کو دیکھ کر معترضینِ اقبال کو دھچکا لگا۔جنگ پبلشرز نے اس مقالے کو اقبال دشمنی ایک مطالعہ کے عنوان سے شائع کیا۔عالمی سطح پر اور اقبالیاتی ایوانوں میں اس کتاب نے کافی پذیرائی حاصل کی اور پہلی مرتبہ اقبال مخالف لٹریچر کا تحقیقی اور تنقیدی انداز میں جائزہ لیا گیا۔گویا یہ کتاب ڈاکٹر ایوب صابر کی اقبال کی تحقیق اور

معترضینِ اقبال کے حملوں کا پہلا مدلّل جواب تھا۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی تحقیق کو مزید جاری رکھا۔

ایم۔فل کی تحقیق کے دوران ڈاکٹر ایوب صابر کو اس بات کا احساس ہوا کہ علامہ اقبال کی شخصیت افکار اور فکروفن پر اعتراضات بہت زیادہ اور خطرناک قسم کے ہیں اور ان اعتراضات کا جائزہ لینا آسان کام نہیں۔ یہ کام جتنا دقت طلب، مشکل اور صبر آزما ہے اسی قدر اس کا محاسبا کرنا بھی ضروری ہے۔ چناں چہ اُنھوں نے اپنے کام کی تکمیل کے لیے پی۔ایچ۔ڈی میں داخلہ لیا اور پنجاب یونی ورسٹی سے ۲۸ دسمبر ۲۰۰۲ کو اقبال کی شخصیت اور فکروفن پر اعتراضات کا جائزہ کے عنوان سے مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ پی۔ایچ۔ڈی میں آپ کے نگران معروف اقبال شناس پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی تھے۔

ڈاکٹر ایوب صابر کا اقبالیاتی سرمایہ

ڈاکٹر ایوب صابر کے اقبالیاتی سرمایے کی ابتدا اُن کے مضمون پیام ''اقبال کی اساس'' ۶۲۔۱۹۶۱ سے ہوتی ہے مگر ۱۹۹۱ تک اقبال کے حوالے سے اُن کی کوئی کتاب منظرِ عام پر نہیں آئی بلکہ اُن کا سرمایہ اُس وقت تک صرف چند مضامین پر مشتمل تھا۔ ۱۹۹۱ میں ایم۔فل اقبالیات کے بعد اُنھوں نے باقاعدہ طور پر اپنے آپ کو اقبالیات کی تحقیق کے لیے وقف کر دیا۔ عملی طور پر ڈاکٹر ایوب صابر کی اقبال کے حوالے سے عملی تحقیق کی ابتدا ۱۹۹۱ سے ہوتی ہے۔ اقبالیات اور اقبال شناسی کی اصطلاحات پہلے سے مروج تھی مگر ڈاکٹر ایوب صابر نے اس میدان میں اقبال دشمنی کی اصطلاح وضع کی۔ ڈاکٹر ایوب صابر کا تحقیقی میلان اقبال شکنی پر مبنی لٹریچر کی چھان بین ہے۔ اُنھوں نے اقبال کی شخصیت، فکروفن اور افکار و نظریات کے حوالے جو الزامات اقبال پر ۱۹۰۲ سے آج تک لگائے گئے تھے اُن سب کا محاسبا کیا ہے۔ اُنھوں نے ۱۹۹۱ میں جو سفر شروع کیا اس کی تکمیل ۲۰۱۶ میں ہوئی۔ گویا ڈاکٹر ایوب صابر نے مکمل ۲۵ سال تک اقبالیات کی تحقیق کی ہے اور اس تحقیق کا ماحصل اُن کی آٹھ کتب کی شکل میں منظرِ عام پر آیا۔ جن کا مکمل جائزہ باب سوم میں لیا گیا ہے۔ یہاں صرف نام درج کیے جا رہے ہیں۔ مضامین کی فہرست الگ سے ہے۔

۱۔ اقبال دشمنی ایک مطالعہ

۲۔ اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ

۳۔ اقبال پر فنی اعتراضات ایک جائزہ

۴۔ معترضینِ اقبال

۵۔ تصورِ پاکستان علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ

۶۔ اقبال کی فکری تشکیل اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ

۷۔ اقبال کا تصورِ اجتہاد (مجموعہ مقالات)

۸۔ اقبال کے فہمِ اسلام پر اعتراضات کا جائزہ

بیرونِ ممالک فکرِ اقبال کی ترویج و اشاعت

ڈاکٹر ایوب صابر نے پاکستان کے علاوہ بیرونی ممالک میں بھی فکرِ اقبال کی ترویج و اشاعت میں حصہ لیا۔ اس سلسلے میں آپ دو مرتبہ برطانیہ گئے۔ پہلی مرتبہ ۱۹۹۶ میں اقبال پر تحقیق کے حوالے سے مواد کی فراہمی کے سلسلے میں برطانیہ جانا ہوا۔ اس دوران بی بی سی ریڈیو اُردو سروس کے زیرِ اہتمام اُن کے دو پروگرام نشر ہوئے۔ پہلا پروگرام فکرِ اقبال جبکہ دوسرا اُردو زبان کے آغاز سے متعلق تھا۔ اسی دوران پاکستان کمیونٹی نے اُنھیں یومِ اقبال کی تقریب میں مہمانِ خصوصی کے طور پر مدعو کیا وہاں اُنھوں نے فکرِ اقبال کے حوالے سے لیکچر دیا۔ اس کے چند دن بعد فکرِ اقبال کے حوالے سے اُن کا ایک لیکچر بارکنگ (لندن) میں ہوا۔

دوسری مرتبہ جون ۲۰۰۸ میں اقبال اکادمی یو کے نے بین الاقوامی اقبال کانفرنس منعقد کی۔ اُنھوں نے اس کانفرنس میں شرکت کی اور ۱۷ جون ۲۰۰۸ کو وہاں اقبالیات کے حوالے سے لیکچر دیا۔ ۱۹ اور ۲۰ جون ۲۰۰۸ کو کیمبرج یونی ورسٹی میں دو روزہ بین الاقوامی سیمی نار میں شرکت کی۔

۱۲ جون ۱۹۹۷ کو ''اقبال کی شعری و فکری جہات'' کے موضوع پر ہندوستانی کونسل برائے ثقافتی رشتے اور کل ہند یونی ورسٹی اُردو اساتذہ کے اشتراک سے ٹیگور ہال دہلی یونی ورسٹی میں ایک سیمی نار منعقد ہوا۔ اس سیمی نار میں ڈاکٹر ایوب صابر نے شرکت کی اور اقبال کی فکری اساس کے حوالے سے مقالہ پیش کیا۔ دوسری مرتبہ انٹرنیشنل غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی کے زیرِ اہتمام بین الاقوامی غالب سیمی نار ۱۴ تا ۱۶ دسمبر ۲۰۰۷ کو بعنوان ''اقبال ایشیائی بیداری کا شاعر'' کے عنوان سے منعقد ہوا۔ اس سیمی نار میں ڈاکٹر ایوب صابر نے شرکت کی اور ''اقبال اور مغربی فکر۔۔۔ بعض مغالطوں کا

جائزہ'' کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا۔

علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی شعبہ اقبالیات کی سربراہی

ہائر ایجوکیشن کمیشن نے ستمبر ۲۰۰۶ میں ڈاکٹر ایوب صابر کی خدمات Educationist and Distinguished Researcher کے طور پر دو سال کے لیے حاصل کیں۔ آپ کو شعبہ اقبالیات علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ شعبہ اقبالیات کے صدر کی حیثیت سے آپ نے اپنی ساری صلاحیتیں شعبہ اقبالیات کی بہتری کے لیے صرف کر دی۔ آپ کی موجودگی کی وجہ سے شعبہ اقبالیات میں نئی جان پڑ گی۔ آپ نے ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی سکالرز کی راہ نمائی کے لیے بہت سے اقدامات کیے۔ شعبہ اقبالیات کے صدر کی حیثیت سے آپ نے بہت سے کام کیے۔ چند ایک حسبِ ذیل ہیں:

☆ ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی سکالرز (اقبالیات) کے لیے باقاعدہ ورکشاپس کا اہتمام کیا اور بذاتِ خود اُن ورکشاپس میں بیسیوں لیکچر دیے۔

☆ آپ نے ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے نصاب کا از سرِ نو جائزہ لیا اور متعلقہ کمیٹی کے متعدد اجلاس منعقد کروا کر نصاب بہتر بنایا۔

☆ فکرِ اقبال کی اشاعت کے لیے ایف ایم ریڈیو سے لیکچرز کا ایک سلسلہ شروع کیا جس سے طلبہ کے علاوہ عام لوگوں نے بھی استفادہ کیا۔

☆ پی ٹی وی نیشنل کے لیے آپ نے اقبالیات کے حوالے سے ۲۱ لیکچرز ریکارڈ کروائے اور یہ لیکچرز تواتر سے ٹیلی کاسٹ ہوتے رہے۔

☆ آپ نے اکادمی ادبیات پاکستان کے تعاون سے اکتوبر ۲۰۰۷ میں ایک قومی مذاکرہ بعنوان ''عصرِ حاضر سے مکالمہ:فکرِ اقبال کی روشنی'' میں یونی ورسٹی آڈیٹوریم میں منعقد کروایا جس میں ماہرینِ اقبالیات نے شرکت کی اور اپنی تقاریر سے فکرِ اقبال کو اُجاگر کیا۔

☆ آپ نے اقبال اکادمی پاکستان کے تعاون سے اقبال کے تصورِ اجتہاد پر تین روزہ قومی سیمی نار علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی میں منعقد کروایا۔ جس میں ماہر اقبال شناسوں نے اپنے مقالات پیش کیے اور بعد میں یہی

مقالات اقبال کے تصورِ اجتہاد کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

اعزازات

۱۔ صدارتی ایوارڈ برائے حسن کارکردگی۔۲۳ مارچ ۲۰۰۶

۲۔ علامہ اقبال صدارتی ایوارڈ۲۰۰۲

۳۔ ممبر بورڈ آف گورنر مقتدرہ قومی زبان۲۰۰۴ تا ۲۰۱۰

۴۔ ممبر بورڈ آف گورنر اقبال اکادمی پاکستان۲۰۰۴ تا ۲۰۱۰

۵۔ شیخ احمد ذکی یمانی میڈلین ایوارڈ، اقبال اکادمی یو۔کے ۲۰۰۹

۶۔ گولڈ میڈل اباسین آرٹس کونسل پشاور۱۹۹۴

۷۔ ممبر ایگزیکٹو کمیٹی نظریہ پاکستان کونسل اسلام آباد

ذرائع ابلاغ سے فکرِ اقبال کا فروغ

موجودہ دور میں اخبارات اور جرائد معلومات کے حصول کا بہترین اور آسان ذریعہ ہیں ۔کسی علمی و ادبی پروگرام میں شرکت کرنا اور مقررین کو سننا ہر انسان کے بس میں نہیں ہے اور اس میں بہت سی باتیں مانع بھی آتی ہیں۔مگر اخبارات تک ہر انسان کی رسائی آسانی کے ساتھ ہوسکتی ہے۔تقریباً ہر پڑھا لکھا انسان کسی نہ کسی وجہ سے اخبارات کا مطالعہ کرتا ہے۔اخبارات و رسائل کی اہمیت و افادیت سے کسی بھی طور پر انکار ممکن نہیں ہے۔اخبار لوگوں کے دلوں میں سیاسی، تمدنی، معاشرتی، اخلاقی فرائض کی پاسداری پیدا کرتا ہے۔اُن کے دلوں میں وطن سے محبت اور اپنے حقوق و فرائض کی پاسداری سکھاتا ہے۔اخبارات و جرائد کے ذریعے ہم اپنے اسلاف کے کارناموں سے بھی آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ادب کی ترویج و اشاعت میں اخبارات و جرائد اور ٹیلی ویژن سستے اور موثر ترین آلات ہیں جن تک ہر انسان کی رسائی ممکن ہے۔عوام کے ادبی ذوق کی نشوونما میں ابلاغیات کے یہ ذرائع موثر ترین کردار ادا کرتے ہیں۔مختلف ادیبوں کی تخلیقات اور مضامین اخبارات میں شائع ہوتے ہیں جن کے مطالعہ سے لوگوں کی ادبی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہر دور میں ابلاغیات کے ذرائع مختلف رہے ہیں مگر ذریعہ جو بھی ہو اُس نے پیغام کی

ترسیل و ابلاغ میں اہم کردار ادا کیا۔ڈاکٹر ایوب صابر نے بھی مروجہ ذرائع ابلاغ ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات اور جرائد کو فکرِ اقبال کی تفہیم و ترسیل کے لیے استعمال کیا۔آپ نے مختلف اخبارات و جرائد میں اپنے تحقیقی مضامین شائع کیے جن میں سے چند بنیادی اہمیت کے مضمون کا تعارف سطور ذیل میں دیا گیا ہے۔

۱: علامہ اقبال اور مسئلہ قومیت

ڈاکٹر ایوب صابر کا یہ مضمون ۹ نومبر ۲۰۰۰ کو روزنامہ جنگ میں شائع ہوا۔اس مضمون میں اُنھوں نے مسئلہ قومیت کا علامہ اقبال کے افکار و نظریات کی روشنی میں جائزہ لیا ہے۔اُنھوں نے واضح کیا ہے کہ علامہ اقبال کے نظریہ قومیت کی بنیاد اسلام ہے۔اس تصور کی روشنی میں علامہ اقبال کا یہ نظریہ برصغیر کی سطح پر پاکستان کی بنیاد اور عالمی سطح پر اسلامی اتحاد کی راہ ہموار کرتا ہے۔اس مضمون میں اُنھوں نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے علامہ اقبال نے اپنے افکار میں کردار کی بلندی کی تلقین کی ہے اور اس وقت پاکستان میں بالا دست طبقوں میں کردار کا سب سے زیادہ فقدان نظر آتا ہے۔عصر حاضر میں علامہ اقبال کی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔اگر علامہ اقبال کے نظریات و افکار پر عمل کیا جائے تو پاکستان عالم اسلام میں قائدانہ کردار ادا کر سکتا ہے۔مغربی دنیا پاکستان کا استحصال کرنے کی بجائے اُس کا ساتھ دے گی اور اگر ہمارا تعلق فکرِ اقبال کے ساتھ مضبوط بنیادوں پر اُستوار ہو جائے ہمارے ہاں پائی جانے والی علاقائی، نسلی، مذہبی اور فرقہ وارانہ دشمنی ختم ہو جائے گی۔[۱۴]

۲: پاکستان کی بنیاد اسلامی نظام پر رکھی گئی ہے

ڈاکٹر ایوب صابر کا یہ مضمون روزنامہ جنگ میں ۲۲ مارچ ۲۰۰۲ کو شائع ہوا۔اس مضمون میں اُنھوں نے پاکستان کی نظریاتی اور فکری بنیادوں پر علامہ اقبال کے نظریات کی روشنی میں بحث کی ہے۔قائداعظم پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کے خواہاں تھے۔ علامہ اقبال اور قائداعظم میں سے ہر ایک نے خود کو دوسرے کا سپاہی کہا ہے۔ڈاکٹر ایوب صابر نے اس مضمون میں اُن اعتراضات کا جائزہ بھی لیا ہے جو قائداعظم پر سیکولر سٹیٹ بنانے کے حوالے سے لگائے ہیں اور اس بات کو بھی واضح کیا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کو علامہ اقبال نے مطالبہ پاکستان پر آمادہ کیا۔اس مضمون میں اُنھوں نے علامہ اقبال کے تصورِ جہاد اور جدیدیت کے حوالے سے بھی علامہ اقبال کے افکار و نظریات پر بحث کی ہے۔[۱۵]

۳: موجودہ عالمی تناظرات اورفکرِ اقبال

ڈاکٹر ایوب صابر کا یہ مضمون روزنامہ جنگ میں ۲۱ اپریل ۲۰۰۳ کو شائع ہوا۔اس مضمون میں اُنھوں نے واضح کیا ہے کہ عالم اسلام پر صدیوں سے زوال اور جمود طاری رہا ہے مگر خوش آئندہ بات یہ ہے کہ اب عالم اسلام تعمیر نو کے عمل سے گزر رہا ہے۔ عالمِ اسلام کی یہ خوش بختی ہے کہ اُن کے پاس علامہ اقبال کی اسلامی بصیرت کا انمول خزانہ موجود ہے۔ علامہ اقبال عصرِ حاضر کے سب سے بڑے مسلمان مفکر اور تصورِ پاکستان کے خالق ہیں اور وہ دنیا کی تہذیبوں کے عروج و زوال پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ڈاکٹر ایوب صابر نے عالمِ اسلام کے موجودہ مسائل کا حل فکرِ اقبال کی روشنی میں پیش کیا ہے۔[۱۶]

۴: فکرِ اقبال اور مسلم امہ۔۔۔اکیسویں صدی میں

ڈاکٹر ایوب صابر کا یہ مضمون دو اقساط میں روزنامہ نوائے وقت میں ۹ نومبر ۲۰۰۴ اور ۱۰ نومبر ۲۰۰۴ کو شائع ہوا۔اس مضمون میں اُنھوں نے واضح کیا ہے کہ علامہ اقبال کی تعلیمات قرآن کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔ اقبال قرآن مجید کی طرح ایمان و یقین اور حکمت و تدبر کی تعلیم دیتا ہے۔ موجودہ دور میں اگرچہ صاحبانِ یقین اور صاحبانِ عقل و دانش موجود ہیں لیکن یقین و دانش کے امتزاج کی کمی ہے۔ ہمارے ہاں آج متشدد رویے عام ہیں اگر قدیم نظریات کے حامل افراد ہیں تو وہ متشدد ہیں اور جدید نظریات کے حامل افراد لا دینی میں مبتلا ہیں اکیسویں صدی میں مسلم اُمہ کو یقین و دانش کے امتزاج کی ضرورت ہے۔ علامہ اقبال ایمان و حکمت کے امتزاج کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ ایک عالمِ نو کو معرضِ وجود میں لانے کے لیے اقبال کے افکار پر عمل کرنا وقت کی اشد ضرورت ہے۔ اُنھوں نے اس مضمون میں اس بات پر زور دیا ہے سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کرنا اس وقت مسلمانوں کے لیے بہت ضروری ہے۔ اسی صورت میں مغربی یلغار کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور علامہ اقبال کے اشعار سے واضح کیا ہے کہ علامہ اقبال نے سائنس کو اپنی گمشدہ متاع قرار دیا ہے۔[۱۷]

۵: اقبال کا تصورِ جمہوریت

ڈاکٹر ایوب صابر کا مضمون اقبال کا تصورِ جمہوریت روزنامہ جنگ میں ۹ نومبر ۲۰۰۵ کو شائع ہوا۔علامہ اقبال نے مشرق و مغرب کے جمہوری نظریات کا گہرا فکری مطالعہ کیا تھا اور اس نظام کو وسیع تناظر میں دیکھا اور سمجھا تھا علامہ اقبال کے تصورات میں سے سب سے زیادہ اُن کے تصورِ جمہوریت پر لکھا گیا ہے مگر معترضین و مخالفینِ اقبال نے

علامہ اقبال کے تصورِ جمہوریت کو غلط رنگ دے کر اقبال شکنی کی کوشش کی ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر ایوب صابر نے علامہ اقبال کے تصورِ جمہوریت پر بحث کی ہے۔ معترضینِ اقبال نے علامہ اقبال کی جس نظم کو بنیاد بنا کر اُن پر اعتراضات کیے ہیں اس بارے ڈاکٹر ایوب صابر اپنے اس مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''حیران کن اور افسوسناک بات یہ ہے کہ اقبال کی شاعری میں دوں فطراں، موراں سلیمان، طرزِ جمہوری، مردِ پختہ کار اور دو صد خر کا مفہوم غلط متعین کیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک دوفطرتاں، موراں اور دوصد خر سے مراد عوام ہیں۔ یہ بنیادی غلطی ہے۔ دوسرے لفظوں اور استعاروں کا مفہوم بھی اسی تناظر کے باعث غلط ہو گیا ہے۔''[۱۸]

اس مضمون میں اُنھوں نے وضاحت کی ہے کہ اقبال کے نزدیک مسلمان دوں فطرت نہیں ہیں نہ وہ چیونٹیاں ہیں اور نہ بے وقوف ہیں۔ علامہ اقبال کے نزدیک مسلمان عوام تو درکنار اچھوت بھی دوں فطرت نہیں ہیں۔ درحقیقت اس نظم کے ذریعے اقبال ایک ایسی فکر کو مسترد کرتے ہیں جو ہماری اپنی نہیں ہے اور ایسے فکر کی حمایت کرتے ہیں جو ہماری اپنی ہے۔

ڈاکٹر ایوب صابر نے اس مضمون میں یہ بات واضح کی ہے کہ اقبال جمہوریت کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ وہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کی مخالفت کرتے ہیں اور اسلام کے ساتھ اسلامی جمہوریت کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ ایسی جمہوریت کے حق میں ہیں جو سرمایہ داری کی آلائشوں سے پاک ہو اور علامہ اقبال روحانی جمہوریت کو اسلام کی اصل غایت قرار دیتے ہیں۔ علامہ اقبال کے تصورِ جمہوریت کی اصل روح کو سمجھنے کے لیے ڈاکٹر ایوب صابر کا یہ مضمون بنیادی اہمیت اور نوعیت کا حامل ہے۔[۱۹]

۶: فکرِ اقبال: متاعِ بے بہا

ڈاکٹر ایوب صابر کا یہ مضمون روزنامہ جنگ میں ۲۱ اپریل ۲۰۱۴ کو شائع ہوا۔ اس مضمون میں اُنھوں نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اسلامی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز اقبال کے دور میں ہوا ہے اور اس نشاۃِ ثانیہ کے محرک اور نقیب علامہ اقبال تھے۔ اقبال کے فلسفے کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے فلسفیانہ افکار کی وجہ سے قوم کی درست سمت میں راہنمائی کی اور وہ فلسفے کی موشگافیوں میں نہیں اُلجھے۔ اقبال جمود، بے علمی اور تقلید کی جگہ سرگرمی، حرکت و عمل اور تحقیق و تخلیق پر زور دیتے ہیں۔ اس مضمون میں اُنھوں نے مختصر طور پر خودی اور بے خودی، تصورِ عقل و عشق، تصور

قومیت اور علامہ اقبال کے تصورِ پاکستان پر بحث کی ہے۔ اُنھوں نے وضاحت کی ہے کہ اسلامی ممالک کے اتحاد کا کام مشکل ہے مگر یہ از حد ضروری بھی ہے اور یہ کام صرف اسی صورت ممکن ہے جب اقبال کے اسلامی تصورِ قومیت کی مسلسل اور وسیع تر اشاعت ہوگی اور عملی طور پر اقبال کے افکار و نظریات پر مسلم اقوام عمل پیرا ہوں گی۔[۲۰]

۷: پیامِ اقبال کی اساس

''پیامِ اقبال کی اساس'' ڈاکٹر ایوب صابر کے زمانۂ طالب علمی کا مضمون ہے جو پہلی مرتبہ گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد کے سالانہ ادبی مجلّہ کاغان میں ۶۲۔۱۹۶۱ میں شائع ہوا۔ یہ مضمون ڈاکٹر ایوب صابر کے اقبالیاتی سرمایے کی پہلی اینٹ ہے۔ اس مضمون سے اُنھوں نے اپنی اقبال شناسی کے سفر کا آغاز کیا۔ اس مضمون میں ڈاکٹر ایوب صابر نے علامہ اقبال کے پیغامِ فکر اور فلسفہ کی بنیادوں پر بحث کی ہے اور اس چیز کی تلاش و بسیار کی ہے کہ افکارِ اقبال کی بنیاد کیا ہے؟ وہ کون سے نظریات و افکار تھے جن پر علامہ اقبال نے اپنے پیغام کی اساس رکھی؟ بعض افراد نے فکرِ اقبال کی بنیاد یورپی فلسفے کو قرار دیا۔ کچھ افراد نے خالص مشرقی افکار و نظریات مثلاً رومی، سنائی اور شبستری کے نظریات کو فکرِ اقبال کی بنیاد قرار دیا۔ بعض افراد نے مشرقی اور مغربی نظریات و تصورات کی آمیزش کو پیامِ اقبال کی بنیاد قرار دیا۔ کسی نے اقبال کو برگساں، مارکس، لینن، اینگلز، ڈارون اور سپنسر کا خوشہ چین قرار دیا۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنے طالب علمی کے زمانے ہی میں اپنے پہلے مضمون میں ان سب نظریات و افکار کا مدلّل جائزہ لیا ہے۔ اُنھوں نے واضح کیا ہے کہ فکرِ اقبال مستعار نہیں ہے بلکہ علامہ اقبال کا پیام خالصتاً اسلامی بنیادوں پر اُستوار تھا۔ اُنھوں نے اپنے نظریات کی تفہیم و ترویج کے لیے مشرقی و مغربی فلسفیوں کے نظریات و افکار کو پڑھا مگر کسی نظریہ کو من و عن قبول نہیں کیا۔ علامہ اقبال نے اپنے تمام فلسفیانہ افکار کی بنیاد خالصتاً قرآن اور اسلام پر رکھی ہیں۔[۲۱]

۸: وحدت الوجود اور اقبال

ڈاکٹر ایوب صابر کا مضمون ''وحدت الوجود اور اقبال'' اس وقت منظرِ عام پر آیا جب وہ ایم۔ اے فائنل کے طالب علم تھے۔ یہ مضمون گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد کے مجلّہ کاغان میں ۱۹۶۴ میں شائع ہوا۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود تصوف کی دو بنیادی اصطلاحیں ہیں۔ صوفیا کے کچھ گروہ وحدت الوجود کی طرف مائل ہیں اور کچھ وحدت الشہود کی طرف۔ کچھ افراد نے اقبال کو وجودی ثابت کرنے کے لیے زورِ قلم صرف کر دیا۔ اسلامی تصورات اور وحدت الوجود میں نظریاتی تضاد پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنے زمانۂ طالب کے اس مضمون میں اس چیز کی وضاحت کی ہے

کہ اگر چہ ابتدا میں علامہ اقبال کا رُجحان وحدت الوجود کی طرف تھا۔مگر جوں جوں اُن کا اسلام کا مطالعہ وسیع ہوتا گیا اُن کے نظریات میں تبدیلی آتی گی اور اُنھوں نے وحدت الوجود کے نظریہ سے انحراف کر دیا۔جس کی واضح مثال مثنوی اسرارِ خودی کے دیباچے میں روایتی عجمی تصوف کی مخالفت ہے جس کی وجہ سے اقبال کی مخالفت کا ایک طوفان شروع ہو گیا تھا۔ڈاکٹر ایوب صابر کا یہ مضمون وحدت الوجود اور اقبال کے صوفیانہ نظریات کو سمجھنے کے لیے بنیادی راہ نمائی فراہم کرتا ہے۔[۲۲]

۹: علامہ اقبال پر مجنوں گورکھ پوری کے اعتراضات

ڈاکٹر ایوب صابر کا مضمون''علامہ اقبال پر مجنوں گورکھ پوری کے اعتراضات'' مجلّہ سیارہ لاہور میں ۱۹۹۸ میں شائع ہوا۔مجنوں گورکھ پوری ایک ترقی پسند شاعر تھے۔اُنھوں نے اپنے مخصوص عقائد ونظریات کے تحت فکرِ اقبال کے انہدام کی کوشش کی اور مختلف مغالطّوں کا شکار ہوئے۔ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنے اس مضمون میں مجنوں گورکھ پوری کے اُن اعتراضات کا جائزہ لیا ہے جو فکرِ اقبال پر انہدام اقبال کے حوالے سے لگائے گئے ہیں اور یہ بات واضح کی ہے کہ مجنوں گورکھ پوری ترقی پسندانہ نظریات کے حامل تھے اور اُنھوں نے ایک خاص سوچ کے زیر اثر فکرِ اقبال کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔[۲۳]

۱۰: علامہ اقبال پر جوش ملیح آبادی کے اعتراضات کا جائزہ

ڈاکٹر ایوب صابر کا متذکرہ بالا مضمون اقبالیات میں جنوری مارچ ۲۰۰۰ میں شائع ہوا۔جوش ملیح آبادی نے اپنی کتاب یادوں کی برات اپنی شاعری، انٹر یو اور کالمز وغیرہ میں اقبال کے فکری انہدام کی سخت کوشش کی ہیں اُن کے بقول اقبال نے مغرب کے الحاد اور مشرق کے مابین مصالحت کی کوشش کی ہے مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ نطشے کے فوق البشر کو مشرف بہ اسلام کر کے شاہین بچہ بنا دیا۔قرآن کے مردو لفظ عشق کو آسمان پر چڑھا کر قرآن کے محبوب لفظ عقل کو خاک میں ملا دیا۔جوش ملیح آبادی نے پلان چٹ کے ذریعے علامہ اقبال کو آدھا شاعر قرار دیا۔ اُنھوں نے اقبال کی شاعری کے حوالے سے کچھ الزامات قاضی خورشید احمد کے حوالے سے بھی لگائے۔جوش ملیح آبادی نے اپنے ایک کالم میں علامہ اقبال کو غدار قرار دیا۔اس مضمون میں ڈاکٹر ایوب صابر نے علامہ اقبال پر جوش ملیح آبادی کے اعتراضات کا مدلّل اور تحقیقی جائزہ لیا ہے اور تحقیقی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد جوش کے اعتراضات کو غلط ثابت کیا ہے۔غداری کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

”اقبال کے ساتھ غداری کا تصور وابستہ کرنا ہی شرمناک ہے اور اس تناظر میں کوئی بحث کرنا ہی نا مناسب ہے۔ استعمار سمت جس طرح باطل قوت کے خلاف ہندی مسلمانوں، عالمِ اسلام اور عالمِ انسانی کو بیدار کرنے کی کوشش علامہ اقبال نے کی ہے اس سے کلام اقبال کا سرسری مطالعہ کرنے والے بھی آگاہ ہیں۔“[۲۴]

۱۱: علامہ اقبال پر حمید نسیم کے اعتراضات کا جائزہ

ڈاکٹر ایوب صابر کا مضمون ”علامہ اقبال پر حمید نسیم کے اعتراضات کا جائزہ“ اقبالیات جولائی تا ستمبر ۲۰۰۱ میں لاہور سے شائع ہوا۔ حمید نسیم کی کتاب اقبال ہمارے عظیم شاعر علامہ اقبال کی تحسین و تنقیص پر مشتمل ہے۔ حمید نسیم نے علامہ اقبال کو حکیم امت ماننے سے انکار کیا ہے۔ اسی طرح اُنھوں نے نظریہ خودی، تصورِ مرد کامل اور تصور علم و عشق کے انہدام کی کوشش کی ہے۔ حمید نسیم نے افکارِ اقبال کو مستعار افکار کا مجموعہ قرار دیا ہے۔ اُنھوں نے الزام عائد کیا ہے کہ اقبال کا کلام زندہ جاوید کلام نہیں ہے اور اقبال کی شاعری پرانی ہو چکی ہے اور یہ شاعری جدید تقاضوں کے مطابق نہیں ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنے اس مضمون میں حمید نسیم کے حوالے سے علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ اُنھوں نے واضح کیا ہے کہ اقبال کا مرتبہ حکیم الامت سے گرانے یا کم کرنے کی کوشش بدنیتی پر مبنی ہے۔

علامہ اقبال نے امت کے مردہ جسم میں ایک نئی روح پھونکی اور امت کے دیرینہ مسائل کا حل تجویز کیا۔ اقبال علم و دانش کے خلاف نہیں تھے اگر ہم اقبال کے پورے کلامِ نظم و نثر کو مدنظر رکھیں تو اس حوالے سے ہمیں کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اقبال دولت کے نہیں زر پرستی کے مخالف ہیں اُنھوں نے مادے کی مخالفت نہیں کی بلکہ مادہ پرستی کی مخالفت کی ہے۔ اقبال مسلمانوں کو بندۂ تخمین وظن بننے سے روکتے ہیں اور وہ علم و عشق کا امتزاج چاہتے ہیں۔ الغرض حمید نسیم نے اپنی کتاب اقبال ہمارے عظیم شاعر میں فکرِ اقبال کے انہدام کے لیے جو سینکڑوں صفحات سیاہ کیے تھے ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنے اس مضمون میں اُس پوری کتاب کی اصل حقیقت کو تحقیقی انداز میں عیاں کر دیا۔[۲۵]

۱۲: کیا اقبال کے ہاں تضاد ہے

ڈاکٹر ایوب صابر کا مضمون ”کیا اقبال کے ہاں تضاد ہے“ مجلّہ فکر و نظر اسلام آباد میں ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۱ کو شائع ہوا۔ علامہ اقبال توحید کے علمبردار ہیں اور رسالتِ محمدی ﷺ پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ اقبال کی شاعری کے

سرچشمے عشقِ رسول سے پھوٹتے ہیں۔اقبال کا وجدان،شعور اور یقین کا مظہر ہے۔معترضین ومخالفین اقبال نے علامہ اقبال پر تضاد کا الزام عائد کیا اور اس الزام میں اتنے متشدد ہوئے کہ یہ الزام ایک سنگین مسئلے کی شکل اختیار کر گیا۔مختلف معترضین نے اقبال کے ہاں تضاد پایا جاتا ہے کا الزام لگایا ہے جن میں ای۔ایم فاسٹر،کانٹ ویل سمتھ، اقبال سنگھ، مکیش اکبر آبادی، احتشام حسین،علی سردار جعفری، سلیم احمد،ڈاکٹر وحید عشرت، یوسف ثانی، فراق گورکھ پوری جمیل مظہری وغیرہ شامل ہیں۔ ڈاکٹر ایوب صابر اقبال کے ایک جری سپائی ہیں۔ اُنھوں نے ہر محاذ پر علامہ اقبال کا دفاع کیا۔اُن کا دفاع صرف جذباتیت پر مشتمل نہیں بلکہ وہ ہر الزام کو تحقیقی انداز میں لیتے ہیں اور اس کی مکمل جانچ پرکھ کرتے ہیں ۔اسی طرح فکرِ اقبال پر جن لوگوں نے تضاد کا الزام لگایا اُن کے الزامات کا جائزہ ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنے اس مضمون میں لیا ہے اور اُنھوں نے واضح کیا ہے کہ فکرِ اقبال پر تضاد کا الزام عائد کرنے والے زیادہ تو وہ افراد یا گروہ ہیں جو اقبال کی فکر کو سمجھ نہیں سکے اور اسے مستعار قرار دیا ان افراد کا مقصد انہدام اقبال کے سوا کچھ بھی نہیں۔اپنے اس مضمون میں وہ لکھتے ہیں:

> ''اقبال کے ہاں تضاد دکھانے والے اکثر اہلِ قلم نے یا تو اقبال کے فکری ارتقاء کو نظر انداز کیا ہے یا اقبال کی بنیادی حیثیت متعین کرنے میں عمداً یا سہواً غلطی کی ہے اور یا مختلف اصطلاحوں کے جلو میں جو مغالطے ہوتے ہیں اُنھیں پیش نظر نہیں رکھا۔''[۲۶]

۱۳: اقبال اور جدید وقدیم کش مکش

ڈاکٹر ایوب صابر کا مضمون ''اقبال اور جدید وقدیم کش مکش'' مجلّہ فکر و نظر اسلام آباد میں جنوری، مارچ ۲۰۰۰ میں شائع ہوا۔اس مضمون میں اُنھوں نے اقبال کے حوالے سے اُن الزامات کا جائزہ لیا ہے جو جدید وقدیم کی کش مکش کے حوالے سے دو مختلف قسم کے گروہوں نے علامہ اقبال پر عائد کیے یہ گروہ قدیم رسم و رواج کی پیروی کرنے والوں اور جدید تہذیب کے فرزندوں پر مشتمل ہے۔ان دونوں گروہوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے علامہ اقبال کے افکار پر الزامات لگائے۔مثلاً اقبال اصول پیش کرتے وقت بہت دلیر،انتہائی جدید اور اعلیٰ و افضل ہو جاتے ہیں لیکن خاص معاملات میں اُن کے قدم متزلزل ہو جاتے ہیں۔کھانے پینے کی رسومات اور عورت کے ضمن میں جدید طریقوں سے ہچکچاتے ہیں اور قدامت پسندی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اجتہاد پر زور دیتے ہیں مگر زمانۂ انحطاط میں اجتہاد

پر عمل کرنا اچھا نہیں لگتا۔اقبال عورت کو پاک اور محکوم رکھنا چاہتے ہیں اس کے لیے سرگرمی، آزادی اور نیابت الٰہی کی حمایت نہیں کرتے۔اس مضمون میں ڈاکٹر ایوب صابر نے متذکرہ بالا اقسام کے الزامات کا جائزہ لیا ہے اور اُنھوں نے واضح کیا ہے کہ اقبال اسلام کی حمیت، جامعیت اور مکمل نظامِ حیات ہونے پر یقین رکھتے ہیں اور ایسے جدید نظریات کے حامل افراد کی مذمت کرتے ہیں جو اسلامی اصولوں پر کاربند نہ ہوں۔اقبال تغیر و ثبات اور جدید و قدیم کے ضمن میں متوازن خیالات ونظریات کے حامل ہیں وہ ہر اُس نظریے کی مخالفت کرتے ہیں جو شریعتِ محمدی ﷺ سے متصادم ہو۔[۲۷]

۱۴: کیا اقبال کا تصورِ عشق غلط اور مبہم ہے

ڈاکٹر ایوب صابر کا مضمون ''کیا اقبال کا تصورِ عشق غلط اور مبہم ہے'' مجلّہ قومی زبان کراچی سے ۲۰۰۳ میں شائع ہوا۔ علامہ اقبال کے افکار میں تصور خودی کے بعد تصور عشق مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔حقیقت میں عشق ہی خودی کو تقویت دینے کا ذریعہ بنتا ہے۔اقبال نے اپنی شاعری میں مختلف مقامات پر عشق کی تعریف کی ہے اور عشق کو عقل پر فوقیت دی ہے۔معترضین اقبال نے دوسرے نظریات کی طرح علامہ اقبال کے تصورِ عشق پر بھی اعتراضات کیے اور اقبال کے تصور عشق کو غلط اور غیر واضح قرار دیا۔علی عباس جلالپوری نے اقبال کو نہ صرف عقل دشمن قرار دیا بلکہ اُن کی حمایتِ عشق و وجدان کو بھی غلط ٹھہرایا۔اُنھوں نے علامہ اقبال کے تصورِ عشق کو برگسان کی جوششِ حیات کی بازگشت قرار دیا۔اسی طرح چند دوسرے معترضین نے بھی علامہ اقبال کے تصورِ عشق کی مخالفت کی ہے۔

ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنے اس مضمون میں علامہ اقبال کے تصورِ عشق پر معترضین کے الزامات کا جائزہ تنقیدی اور تحقیقی انداز میں لیا ہے۔ اُنھوں نے واضح کیا ہے کہ اقبال عشق اور عقل دونوں کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں اور علامہ اقبال کے نزدیک دونوں کے ملاپ ہی سے بہترین نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنے اس مضمون میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ عشق دوستی اور عقل دشمنی مسلمان صوفیاء کی ایک طویل عرصے سے روایت رہی ہے اقبال نے برگسان سے کتنا ہی استفادہ کیوں نہ کیا ہو مگر اقبال کے تصورِ عشق کا ماخذ برگسان نہیں ہوسکتا دونوں کی فکری روایت اور اساس میں تضاد پایا جاتا ہے اور اقبال پر یہ الزام عائد کرنا کہ اُن کی خرد دشمنی کا سرچشمہ قرآن نہیں ہے ایک مغالطہ انگیز بیان ہے۔[۲۸]

۱۵: اقبال اور فاشزم

ڈاکٹر ایوب صابر کا مضمون ''اقبال اور فاشزم'' مجلّہ ادبیـــــات اسلام آباد میں ۲۰۰۵ کو شائع ہوا۔ اقبال کی شاعری اور افکار و نظریات پر معترضین نے جہاں بہت سے اعتراضات کیے وہاں ایک الزام یہ بھی عائد کیا کہ اقبال نے فاشزم کی تعلیم دی ہے اور وہ طاقت کی پرستش کرنے کی حمایت کرتے ہیں۔ وہ خون خواری کی تعلیم دیتے ہیں اور اپنے مردِ مومن میں پھاڑ کھانے والی خصوصیات دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس طرح کے الزامات ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری اور مجنوں گورکھ پوری نے لگائے ہیں۔ درحقیقت یہ اقبال پر فاشزم کا الزام اُن کے تصور شاہین کی وجہ سے لگایا گیا ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنے اس مضمون میں اُن الزامات کا جائزہ لیا ہے کہ کیا اقبال واقعی فاشزم کے حامی اور طاقت کے پرستار ہیں؟ کیا اقبال مردِ مومن کو خون خواری کی تعلیم دیتے ہیں؟ اور معترضین ان الزامات میں کتنے حق بجانب ہیں؟ اُنھوں نے اپنے اس مضمون میں ان الزامات کی اساس کو دریافت کیا ہے کہ اقبال کو فاشسٹ کیوں قرار دیا؟ اُنھوں نے واضح کیا ہے کہ معترضین نے اقبال پر فاشزم کا الزام اُن کی نظم جو مسولینی کی تعریف میں لکھی گئی ہے اُس کی وجہ سے لگایا گیا ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے معترضین کی توجہ اُس طرف مبذول کرائی ہے کہ وہ اُس نظم کو بھی ایک نظر دیکھ لیں جو اُنھوں نے مسولینی کو مذمت میں لکھی ہے۔ اس مضمون میں اُنھوں نے واضح کیا ہے کہ فاشزم دراصل سرمایہ داری کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے اور علامہ اقبال نے سرمایہ داری کی پرزور مذمت کی ہے۔ اقبال کا شاہین خون ریزی کی علامت نہیں ہے اور اقبال کی قوت پرستی اسلامی تعلیمات و اخلاقیات کے تابع ہے۔[۲۹]

یہاں اُن چند مضامین کا تذکرہ کیا گیا ہے جو ذرائع ابلاغ یعنی اخبارات اور رسائل میں شامل تھے اور جن کا جائزہ لینا ضروری تھا۔ مکمل فہرست مضامین حسبِ ذیل ہے۔ اس فہرست میں صرف وہ مضامین شامل ہیں جن کا تعلق اقبال کے فکر و فن سے ہے۔

۱۔ ''پیامِ اقبال کی اساس'' مشمولہ: مجلّہ کاغان، گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد ۶۲۔۱۹۶۱ء

۲۔ ''وحدت الوجود اور اقبال'' مشمولہ: مجلہ کاغان، گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد ۱۹۶۴ء

۳۔ ''علامہ اقبال پر مجنوں گورکھ پوری کے اعتراضات'' مشمولہ: سیارہ، لاہور ۱۹۹۸ء

۴۔ ''ہندوں کی مخالفتِ اقبال کے اسباب'' مشمولہ: اقبالیات، لاہور ۱۹۹۹ء

۵۔ ''علامہ اقبال پر جوش ملیح آبادی کے اعتراضات'' اقبالیات، لاہور مارچ ۲۰۰۰ء

۶۔ ''فکرِ اقبال محدود یا آفاقی'' مشمولہ: قومی زبان، کراچی اپریل ۲۰۰۰ء

۷۔ ''علامہ اقبال اور تصورِ پاکستان (دو حصے)'' ادبیات، اسلام آباد بہار خزاں ۲۰۰۰ء

۸۔ ''اقبال اور جدید و قدیم کش مکش'' مشمولہ: فکر و نظر، اسلام آباد مارچ ۲۰۰۰ء

۹۔ ''علامہ اقبال پر حمید نسیم کے اعتراضات کا جائزہ'' مشمولہ: اقبالیات، لاہور جولائی ۲۰۰۱ء

۱۰۔ ''کیا اقبال کے ہاں تضاد ہے'' مشمولہ: فکر و نظر، اسلام آباد اکتوبر ۲۰۰۱ء

۱۱۔ ''اقبال متکلم ہیں یا فلسفی بھی'' مشمولہ: قومی زبان، کراچی جون ۲۰۰۳ء

۱۲۔ ''اقبال کے فن کو پرکھنے کا معیار'' مشمولہ: مخزن، لاہور ۲۰۰۲ء

۱۳۔ ''کیا اقبال کا تصورِ عشق غلط اور مبہم ہے'' مشمولہ: قومی زبان، کراچی ۲۰۰۳ء

۱۴۔ ''اقبال اور فاشزم'' مشمولہ: ادبیات، اسلام آباد ۲۰۰۵ء

۱۵۔ ''کیا فکرِ اقبال مستعار ہے (دو حصے)'' مشمولہ: ادبیات، اسلام آباد بہار خزاں ۲۰۰۵ء

۱۶۔ ''علامہ اقبال اور مسئلہ قومیت'' مشمولہ: روزنامہ جنگ ۹ نومبر ۲۰۰۰ء

۱۷۔ ''پاکستان کی بنیاد اسلامی نظام پر رکھی گئی'' مشمولہ: روزنامہ جنگ ۲۲ مارچ ۲۰۰۲ء

۱۸۔ ''موجودہ عالمی تناظرات اور فکرِ اقبال'' مشمولہ: روزنامہ جنگ ۲۱ اپریل ۲۰۰۳ء

۱۹۔ ''فکرِ اقبال اور مسلم اُمہ۔۔۔اکیسویں صدی میں'' مشمولہ: روزنامہ نوائے وقت ۹ نومبر ۲۰۰۴ء

۲۰۔ ''اقبال کا تصورِ جمہوریت'' مشمولہ: روزنامہ جنگ ۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۲۱۔ ''فکرِ اقبال: متاعِ بے بہا'' مشمولہ: روزنامہ جنگ ۲۱ اپریل ۲۰۱۴ء

ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے فکرِ اقبال کا فروغ

ریڈیو اور ٹیلی ویژن ذرائع ابلاغ کے فروغ میں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے جہاں کتابوں، مجلّات، اخبارات و رسائل کے ذریعے فکرِ اقبال کو فروغ دیا وہیں اُنھوں نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے بھی فکرِ اقبال کی ترویج واشاعت میں کوشاں رہے جن کی مختصر تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

☆ فکرِ اقبال کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر کے پروگرام ریڈیو پاکستان ایبٹ آباد، ریڈیو پاکستان اسلام آباد اور مختلف ایف۔ایم ریڈیو سٹیشنوں سے نشر ہوتے رہے۔

☆ علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد کے ایف۔ایم ریڈیو کے لیے ۲۰۰۷ سے ۲۰۰۹ تک ۵۴ پروگرام ریکارڈ کرائے۔

☆ اسی عرصے میں علامہ اقبال کی فارسی شاعری کی تشریحات کے لیے ۲۵ پروگرام ریکارڈ کرائے۔

☆ پی ٹی وی ہوم اور اے ٹی وی سے ڈاکٹر ایوب صابر کے فکرِ اقبال کے حوالے سے متعدد پروگرام ٹیلی کاسٹ ہوئے۔

☆ ۲۱ اپریل ۲۰۰۸ کو جیو ٹی وی نے علامہ اقبال پر ایک مذاکرہ ٹیلی کاسٹ کیا۔ یہ مذاکرہ مزارِ اقبال کے سامنے ریکارڈ ہوا تھا۔ اس مذاکرے کے شرکاء میں فخر زمان، ایس ایم ظفر، ڈاکٹر سلیم اختر اور ڈاکٹر ایوب صابر شامل تھے۔ اس مذاکرے میں فخر زمان نے علامہ اقبال پر کچھ اعتراضات کیے جن کے اس پروگرام میں ڈاکٹر ایوب صابر نے مدلّل جواب دیے۔

☆ فکرِ اقبال کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر کے ۱۷ لیکچرز اور ۵ گفتگو پی ٹی وی نیشنل سے ۲۰۰۸ سے متواتر ٹیلی کاسٹ ہو رہے ہیں۔

☆ پی ٹی وی ورلڈ سے ڈاکٹر ایوب صابر کے حسبِ ذیل لیکچرز ٹیلی کاسٹ ہوئے:

''معترضین اقبال''، ۲۲ جون ۲۰۰۵ء

''اقبال کی مفکرانہ شاعری''، ۳ جولائی ۲۰۰۵ء

''اقبال کا تصورِ خودی''، ۱۰ جولائی ۲۰۰۵ء

''تصورِ پاکستان''، ۱۸ جولائی ۲۰۰۵ء

''جمہوریت، پارلیمانی اجتہاد، اسلامی ریاست''، ۲۲ جولائی ۲۰۰۵ء

''اقبال عصرِ حاضر اور اسلام''، ۷ اگست ۲۰۰۵ء

یہ تمام لیکچرز ادبستان اقبال کے زیرِ عنوان ٹیلی کاسٹ ہوئے اور کچھ لیکچرز ابھی تک ٹیلی کاسٹ ہو رہے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے علاوہ ڈاکٹر ایوب صابر نے مختلف تقاریر اور تقریبات میں لیکچرز دیے ان میں سے چند اہم حسبِ ذیل ہیں:

☆ ''فکرِ اقبال کا تعارف''، ایف جی کالج برائے خواتین اسلام آباد، ۲۷ نومبر ۲۰۰۷ء

☆ ''پس چہ باید کرد''، ایلاف کلب ایبٹ آباد، ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۸ء

☆ ''اقبال کا فہم اسلام''، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد، ۹ نومبر ۲۰۱۲ء

☆ ''اقبال کا تصورِ خودی''، نیشنل ڈیفنس یونی ورسٹی اسلام آباد، ۱۶ نومبر ۲۰۱۲ء

☆ یومِ پاکستان کے حوالے سے لیکچر، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج میر پور آزاد کشمیر، ۲۶ مارچ ۲۰۱۴ء

☆ ''اقبال کا فہم اسلام''، دبستان اقبال لاہور، ۱۹ اپریل ۲۰۱۴ء

☆ ''فکرِ اقبال عصری تناظر میں''، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین راولپنڈی، ۲۷ مئی ۲۰۱۴ء

☆ ''اقبال کا فہم اسلام''، انٹرنیشنل اقبال انسٹی ٹیوٹ فار ریسرچ

☆ فکرِ اقبال پر خصوصی لیکچر، اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد، ۸ نومبر ۲۰۱۶ء

☆ ''فکرِ اقبال اور عصرِ حاضر''، لارنس کالج مری، ۹ نومبر ۲۰۱۶ء

حوالہ جات

۱۔ ذاتی ملاقات، بمقام I-8/3، اسلام آباد، ۷ نومبر ۲۰۱۴

۲۔ تبسم، ہارون الرشید، ڈاکٹر، ڈاکٹر ایوب صابر بطورِ اقبال شناس، بک کارنر، جہلم، مارچ ۲۰۱۵ء، ص ۱۸

۳۔ ایضاً، ص ۱۹

۴۔ ایضاً، ص ۲۰

۵۔ بشیر احمد، حافظ، ''پروفیسر محمد ایوب صابر''، مشمولہ: نشیمن، ایبٹ آباد، ۶ مئی ۱۹۷۷ء

۶۔ ایوب صابر، پروفیسر، ادبستان ہزارہ، بزم اہل قلم ہزارہ، ایبٹ آباد، ۱۹۸۹ء، ص ۱۸۷

۷۔ تبسم، ہارون الرشید، ڈاکٹر، ڈاکٹر ایوب صابر بطورِ اقبال شناس، ص ۲۲

۸۔ سیال، طالب حسین، ڈاکٹر، ''صدیقِ صمیم جو مخالفِ اقبال کے لیے مانندِ فولاد ہے''، مشمولہ: ڈاکٹر ایوب صابر بطورِ اقبال شناس، ص ۳۹۸

۹۔ صابر کلوروی، ڈاکٹر، داستان اقبال، نشریات، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۳

۱۰۔ تبسم، ہارون الرشید، ڈاکٹر، ڈاکٹر ایوب صابر بطور اقبال شناس، ص ۱۲

۱۱۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، ''پیامِ اقبال کی اساس''، مشمولہ: کاغان، گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد، ۶۲-۱۹۶۱ء

۱۲۔ ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر، مقدمہ اقبال دشمنی ایک مطالعہ، نشریات، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۹

۱۳۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال دشمنی ایک مطالعہ، ص ۲۵

۱۴۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، ''علامہ اقبال اور مسئلہ قومیت''، مشمولہ: روزنامہ جنگ، راولپنڈی، ۱۹ نومبر ۲۰۰۰ء

۱۵۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، ''پاکستان کی بنیاد اسلام پر رکھی گئی''، مشمولہ: روزنامہ جنگ، راولپنڈی، ۲۱، اپریل ۲۰۰۳

۱۶۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، ''موجودہ عالمی تناظرات اور فکرِ اقبال''، مشمولہ: روزنامہ جنگ، راولپنڈی، ۲۱ اپریل ۲۰۰۳ء

۱۷۔ ایوب صابر، ڈاکٹر،''فکرِ اقبال اور مسلم اُمہ: اکیسویں صدی میں''،مشمولہ: روزنامہ نوائے وقت، راولپنڈی،۹ ،نومبر۲۰۰۴ء

۱۸۔ ایوب صابر، ڈاکٹر،''اقبال کا تصورِ جمہوریت''، مشمولہ: روزنامہ جنگ، راولپنڈی ۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ ایوب صابر، ڈاکٹر،''فکرِ اقبال: متاعِ بے بہا''،مشمولہ: روزنامہ جنگ، راولپنڈی، ۲۱ اپریل ۲۰۱۴ء

۲۱۔ ایوب صابر، ڈاکٹر،''پیامِ اقبال کی اساس''،مشمولہ: کاغان، ایبٹ آباد، ۶۲۔۱۹۶۱ء

۲۲۔ ایوب صابر، ڈاکٹر،''وحدت الوجود اور اقبال''، مشمولہ: کاغان، ایبٹ آباد، ۱۹۴۶ء

۲۳۔ ایضاً''وحدت الوجود اور علامہ اقبال پر مجنوں گورکھ پوری کے اعتراضات کا جائزہ''، مشمولہ: سیارہ، لاہور، ۱۹۹۸ء

۲۴۔ ایضاً''وحدت الوجود اور علامہ اقبال پر جوش ملیح آبادی کے اعتراضات کا جائزہ''،مشمولہ: اقبالیات، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

۲۵۔ ایضاً''وحدت الوجود اور علامہ اقبال پر حمید نسیم کے اعتراضات''، مشمولہ: اقبالیات، لاہور، جولائی، ستمبر ۲۰۰۱ء

۲۶۔ ایضاً''وحدت الوجود اور کیا اقبال کے ہاں تضاد ہے''، مشمولہ: فکر و نظر، اسلام آباد، ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۱ء

۲۷۔ ایضاً''وحدت الوجود اور اقبال اور جدید و قدیم کی کش مکش''،مشمولہ: قومی زبان، کراچی، ۲۰۰۲ء

۲۸۔ ایضاً''وحدت الوجود اور کیا اقبال کا تصورِ عشق غلط اور مبہم ہے''،مشمولہ: قومی زبان ، کراچی، ۲۰۰۳ء

۲۹۔ ایضاً''وحدت الوجود اور اقبال اور فاشزم''،مشمولہ: ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء

باب سوم

ڈاکٹر ایوب صابر کا اقبالیاتی سرمایہ: تعارفی مطالعہ

ا۔ معترضین اقبال

ب۔ اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ

ج۔ اقبال پر فنی اعتراضات ایک جائزہ

د۔ اقبال کی فکری تشکیل (اعتراضات و تاویلات کا جائزہ)

ہ۔ علامہ اقبال کا تصور اجتہاد (مجموعہ مقالات)

و۔ اقبال دشمنی ایک مطالعہ

ز۔ تصور پاکستان (علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ)

ق۔ اقبال کے فہم اسلام پر اعتراضات ایک مطالعہ

حوالہ جات

ڈاکٹر ایوب صابر کا شمار بہترین اقبال شناسوں میں کیا جاتا ہے۔انھوں نے ساری عمر اقبالیات کی تدریس اور تحقیق میں بسر کی گویا اقبالیات اور اقبال سے محبت کا جذبہ پیدائشی طور پر ان میں موجود تھا۔انھوں نے کالج کے زمانہ طالب علمی میں ہی اقبالیات کا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ابھی وہ ایم اے کے طالب علم تھے انھوں نے اپنا ابتدائی مقالہ ''پیام اقبال کی اساس''،لکھ کر صوبہ بھر میں اول انعام حاصل کیا۔ایم اے فائنل کے دوران کا دوسرا مضمون ''وحدت الوجود اور اقبال''،منظر عام پر آیا۔یہ مضامین ان کی اقبالیات سے لگاؤ کی اولین منزل تھے۔جس کا آغاز زمانہ طالب علمی سے ہو چکا تھا اور سفر ابھی تک جاری ہے۔انھوں نے عمر کا کثیر حصہ اقبالیات کی تدریس میں صرف کیا۔دوران تدریس فکر اقبال کے مختلف پہلوان کے ذہن میں نمودار ہوتے رہے۔آخر کار انھوں نے اپنی تحقیق کے لیے اس موضوع کا انتخاب کیا جس پر دوسرے اقبال شناسوں نے بہت کم توجہ دی یعنی اقبال کی شخصیت شاعری اور فکر وفن کے حوالے سے مختلف لوگوں نے جو اعتراضات کے تھے ان کا تحقیقی محاسبا کرنا یہ کافی مشکل کام تھا کہ وہ اقبال سے ایک جذباتی لگاؤ رکھتے ہوئے ان کی شخصیت فکر وفن پر کیے جانے والے بعض گھٹیا قسم کے الزامات کا حوصلہ مندی اور غیر جانبداری کے ساتھ جواب دیں۔ مگر انھوں نے تحقیقی اصولوں سے بالکل بھی انحراف نہیں کیا اور غیر جانبداری کے ساتھ ان اعتراضات پر گرفت کی اور اصل حقائق کو منظر عام پر لائے۔ڈاکٹر ایوب صابر کا اقبالیاتی سرمایہ کتابوں کی شکل میں حسب ذیل ہے:

۱۔ معترضین اقبال

۲۔ اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ

۳۔ اقبال پر فنی اعتراضات ایک جائزہ

۴۔ اقبال کی فکری تشکیل (اعتراضات و تاویلات کا جائزہ)

۵۔ علامہ اقبال کا تصور اجتہاد (مجموعہ مقالات)

۶۔ اقبال دشمنی ایک مطالعہ

۷۔ تصور پاکستان(علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ)

۸۔ اقبال کے فہم اسلام پر اعتراضات ایک مطالعہ

زیرنظر باب میں صرف ڈاکٹر ایوب صابر کی اقبالیات کے حوالے سے تصانیف کا ایک تعارفی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

مضامین پر الگ سے بحث نہیں کی گئی چوں کہ بیشتر مضامین ان کی متذکرہ کتب میں موجود ہیں۔

ا: معترضین اقبال

ڈاکٹر ایوب صابر کی کتاب معترضین اقبال معترضین اور مخالفینِ اقبال کے مختلف گروہوں اور ان گروہوں کے اعتراضات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب انڈیا سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کا سہرا انٹرنیشنل اردو پبلیکیشنز نئی دہلی کے سر بندھتا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت ۲۰۰۴ میں عمل میں آئی۔ اس کتاب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے مخالفین اور معترضین اقبال کے مختلف گروہوں کا جائزہ لیا ہے۔ کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب کے پیش لفظ میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''معترضین و مخالفین اقبال کے اپنے اپنے ذاتی، گروہی، قومی اور بین الاقوامی تعصبات اور مقاصد ہیں۔ ابتدا میں اہل زبان نے اقبال کی زبان پر اعتراضات کیے پھر ان اعتراضات کو مختلف شکلوں میں دہرایا جاتا رہا۔ اسرار خودی شائع ہوئی تو وجودی اور جمودی تصوف کے حامیوں نے معرکہ آرائی کی اس کے انگریزی ترجمے سے مستشرقین کے کان کھڑے ہوئے اور اقبال کو مشرق سے طلوع ہونے والا خونی ستارہ قرار دیا۔''[۱]

اقبال شناسی کے ساتھ ساتھ اقبال کی مخالفت کا سلسلہ بھی اقبال کی زندگی ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ اس سلسلے میں معترضین و مخالفین اقبال اپنے مخصوص مقاصد کے تحت انہدام اقبال کی کوششوں میں سرگرم عمل تھے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے معترضین اقبال کو مختلف گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ مخصوص گروہ سے تعلق رکھنے والے افراد اُن کے نظریات اور اُن کے مخالفانہ رویے کا تحقیقی انداز میں جائزہ لیا ہے اور مستند تحقیقی حوالوں سے اُن الزامات کی تردید کی ہے جو معترضین و مخالفین اقبال نے مختلف اوقات میں مختلف انداز سے کیے ہیں۔

کتاب کے پہلے باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے اقبال پر کیے گئے لسانی اعترضات کا مدلّل جائزہ لیا ہے۔ جب بھی کسی بھی علاقے یا ملک میں کسی نئی زبان میں آواز بلند کی جاتی ہے تو اُس پر اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ اور قدما اپنی زبان دانی کو مستند مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب قرآن مجید نازل فرمایا تو اہل عرب نے اُس پر اعتراضات کیے نہ صرف اس کی حقانیت بلکہ اس کی زبان پر بھی۔ اسی طرح کسی بھی معاشرے میں نئی آواز پر اعتراضات ہونے

ہیں۔اس حوالے سے آسی ضیائی تحریر کرتے ہیں:

''جب شاعر کی زبان عام مانوس زبان سے مختلف ہو جاتی ہے تو سننے والے اہل زبان دم بخود ہو کر اُسے اُوپری سا محسوس کرتے ہیں۔اس کا تجربہ ہر حکیمانہ پیغام والی تحریر کو پڑھ کر کیا جا سکتا ہے۔آسمانی کتب میں یہی بات ہے۔ یہ حکیمانہ اور داعیانہ اُسلوب انسانی کلام کا بھی ہو تو اس میں ایک خاص ماورائیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اقبال کے ہاں بھی یہی انداز پیدا ہو گیا۔دہلی اور لکھنو وغیرہ کے اہل زبان حضرات نے اقبال پر اول اول جو اعتراضات کئے اس کی بنا یہی چونکانے والی صدا تھی۔''۲

کتاب کے اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے حکیم برہم کے اعتراضات ، اودھ پنچ کے اعتراضات، جوش ملیسانی، سیماب اکبر آبادی، جوش ملیح آبادی اور اکبر حیدر کشمیری کے اعترضات کا جائزہ لیا ہے۔اس باب میں جن اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے اُن کا لب لباب حسب ذیل ہے:

علی گڑھ منتھلی میں یکم جون ۱۹۰۳ کو حاجی محمد خان کا مضمون بعنوان" اردو پنجاب میں" شائع ہوا۔جس میں مضمون نگار نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس وقت تک پنجاب میں عمدہ اردو لکھنے کا مذاق پیدا نہیں ہوا۔یکم اگست ۱۹۰۳ کے اردو معلٰی میں حکیم عبدالکریم برہم کا" تنقید ہمدرد" کے فرضی نام سے ایک مضمون شائع ہو جس میں علامہ اقبال کے اشعار پر اعتراضات کیے گئے جو زیادہ تر روز مرہ اور محاورے سے متعلق تھے۔ اودھ پنچ نے ۱۹۰۴ سے اقبال پر اعتراضات کا سلسلہ شروع کیا جو ۱۹۳۵ تک جاری رہا۔اودھ پنچ نے مزاحیہ اور طنزیہ انداز میں اقبال کو ہدف تنقید بنایا نیرنگ خیال کے اگست ۱۹۳۴ کے شمارے میں ایک مضمون بعنوان "عہد حاضر کے شعراء" کی خامیاں" شائع ہوا۔ اس مضمون میں اقبال کی دو نظموں پر اعتراضات کیے گئے۔ ان میں بعض اعتراضات کا تعلق حقیقت میں کتابت کی غلطیوں سے تھا۔ جب اقبال کے شعری مجموعے اشاعت پذیر ہوئے تو اُن پر بھی بہت سے اعتراضات ہوئے۔ جوش ملیسانی نے "حضرت جراح" کے نام سے ایک طویل مضمون لاہور کے اخبار پارس میں "اقبال کی خامیاں" کے نام سے قسط وار شائع کیا۔بعد میں ۱۹۲۸ میں بال جبریل پر تین معترضانہ مضامین شائع ہوئے۔ڈاکٹر ایوب صابر نے اس باب میں ان اعتراضات کا جائزہ تاریخی اور تحقیقی حوالے سے لیا ہے۔ اس باب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

اقبال پر لسانی حوالے سے کیے گئے الزامات سطحی قسم کے اور روایتی دشمنی پر مبنی ہیں۔اہل زبان نے اقبال کی زبان پر جو اعتراضات کیے اس سلسلے میں آل احمد سرور لکھتے ہیں:

> ''شاعری کے دو اسکول ہیں ایک تشبیہات و استعارات سے اپنے کلام کو مرصع کرتا ہے اور دوسرا محاورات پر جان دیتا ہے۔محاورہ بندی شاعری میں اتنی ضروری نہیں جتنی تشبیہات و استعارات۔اس طرح دیکھیں تو ہمارے تمام اچھے شعرا دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔میرؔ، داغؔ، ذوقؔ زبان کو محفوظ کرنے والے ہیں۔غالبؔ، اقبال، انیسؔ زبان کو آگے بڑھانے والے ہیں۔''[۳]

اس باب کے مطالعے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اقبال پر کیے گئے اعتراضات قابل اعتنا نہیں ہیں۔ان اعتراضات کے پس منظر میں لسانی، گروہی اور علاقائی تعصب کارفرما ہے۔دہلی اور لکھنؤ والے کسی طور پر بھی لاہور کی ادبی زبان اور شاعری کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔چونکہ اہل لکھنؤ کو اہل زبان ہونے پر فخر ہے اور اقبال پر زیادہ اعتراضات بھی انھی کی طرف سے ہوئے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر ایوب صابر رقمطراز ہیں:

> ''اہل پنجاب کے مقابلے پر اہل زبان کا لسانی برتری کا احساس و افتخار قدرتی تھا، صوبائی تعصب کے ساتھ مل کر یہ لسانی افتخار مذکورہ ادبی معرکے کا سبب بنا۔''[۴]

اقبال پر اعتراضات کرنے والوں میں اکثر شعرا تھے ڈاکٹر ایوب صابر نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اقبال کا مقام اُن شعرا سے زیادہ بلند ہے اور اگر تحقیقی انداز میں غیر جانبداری کے ساتھ ان تمام شعرا کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو جو الزامات اُنھوں نے علامہ اقبال پر عائد کیے ہیں وہ تمام الزامات اور خامیاں اُن کے اپنے کلام پر صادق آتی ہیں۔اس سلسلے میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''اقبال کی زبان پر اعتراض کرنے والے شعرا کے کلام کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف کلام اقبال کے مقابلے میں اس کی حیثیت معمولی ہے بلکہ اس میں اغلاط بھی موجود ہیں۔''[۵]

جوش ملیح آبادی خود بھی شاعر تھے۔انھوں نے اقبال کی شاعری اور فکروفن پر اعتراضات کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی

اور صفحات کے صفحات اس ضمن میں سیاہ کر ڈالے۔ان تمام اعتراضات کا جواب ڈاکٹر ایوب صابر نے انتہائی مدلّل انداز میں ایک جملے میں بیان کر دیا۔ لکھتے ہیں:

''جوش ملیح آبادی کے ہاں صوبائی تعصب نمایاں طور پر ظاہر ہوا ہے انھیں اگر شکایت ہے تو یہ کہ پنجابیوں نے اقبال کا قد کاٹھ بلند کیا جبکہ یو۔پی والوں نے جوش کو اپنے سر پر نہیں بٹھایا۔''[6]

دوسرے باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے ان اعتراضات کا جائزہ لیا ہے جو عجمی تصوف کے حامی افراد نے اقبال پر لگائے۔ اگر چہ ابتدا میں علامہ اقبال کا فطری میلان وحدت الوجود کی طرف تھا مگر جوں جوں اُن کا قرآن اور اسلامی علوم کا مطالعہ وسیع ہوتا گیا تو انھیں وحدت الوجود کی صداقت پر شک ہوا۔ کیونکہ وحدت الوجود سے خودی کی نفی کا رجحان پیدا ہوتا ہے جبکہ اقبال اثباتِ خودی کی تعلیم دیتے ہیں۔اسرار خودی کے دیباچے میں علامہ اقبال نے وحدت الوجود پر تنقید کی ہے۔ اقبال نے افلاطون اور حافظ پر بھی تنقید کی ہے جس کی وجہ سے ان پر مغرب زدگی کا الزام لگایا گیا۔خواجہ حافظ نہ صرف شاعر ہیں بلکہ انھیں ایک مقدس بزرگ بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔علامہ اقبال نے مثنوی اسرار خودی میں حافظ پر تنقید کی۔جس سے معترضین کو یہ خیال ہوا کہ اقبال صوفی تحریک مٹانا چاہتے ہیں۔چناں چہ اقبال کی مخالفت اور حافظ کی حمایت میں مثنویاں لکھی گئیں۔خواجہ حسن نظامی جو کہ اقبال کے دوست تھے اُنھوں نے بھی مثنوی اسرار خودی کو نامعقول قرار دیا۔اسرار خودی کی مخالفت میں پہلا مضمون ذوقی شاہ نے لکھا۔ ملک محمد کشمیری قادری نے ایک مثنوی لکھی جس میں اقبال کی مذمت اور حافظ کی تعریف کی گئی ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر عشرت انور کی مثنوی سرور بے خودی، پیرزادہ منظور احمد فضلی کی مثنوی راز بے خودی اور ڈاکٹر معین الدین جمیل کی سر الاسرار کے نام سے شائع ہوئیں۔۱۹۸۳ میں بریڈفور سے مولوی اقتدار علی نے تنقیدات اقتدار بر نظریات اقبال کے نام سے ایک رسالہ فتوے کی شکل میں شائع کیا۔جس میں اُنھوں نے اعتراض کیا کہ اقبال نے اسلام کے صوفیا و علما کی مذمت کی ہے۔۱۹۸۷ میں آزاد کشمیر کے صدر سردار عبدالقیوم خان نے ناروے میں اقبال کے خلاف تقریر کی اور الزام لگایا کہ جو ڈاکٹر کا کلام پڑھے گا گمراہ ہوگا۔[7]

پروفیسر یوسف سلیم چشتی شارح اقبال ہیں مگر اُنھوں نے بھی سارا زور قلم اقبال کو وحدت الوجودی ثابت کرنے پر صرف کیا۔اس باب میں مذکورہ بالا تمام اعتراضات کا جواب ڈاکٹر ایوب صابر نے انتہائی تحقیقی انداز سے دیا

ہے اور اُنھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اقبال پر روایتی عجمی تصوف کے حامیان کے اعتراضات نجی اور ذاتی نوعیت کے ہیں۔معترضین نے سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے علامہ اقبال جیسے مفکر اور مصلح قوم پر بے بنیاد الزمات لگائے۔ان الزامات سے علامہ اقبال کی شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی مگر سردار عبدالقیوم خان کی پست ذہنیت کی عکاسی ہوئی ہے۔اقبال نے ایسے تصوف کی مخالفت کی جو افراد اور ملت پر جمود طاری کرتا ہے اور خودی کے ارتقاء میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے،عوام کی قوت عمل کو ضعیف کرتا ہے، حقائق سے آنکھیں بند کرتا ہے اور عوام کو توہمات میں مبتلا کرتا ہے۔ وہ سکونی رہبانی اور وجودی تصوف کو رد کرتے ہیں۔ وہ سوز مشتاقی چاہتے ہیں نہ کہ فسانے ہائے کرامات۔

رہا نہ حلقہ صوفی میں سوز مشتاقی

فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی[۸]

اقبال کا کلام اور فلسفہ کسی خاص علاقے سے مخصوص نہیں۔کلام اقبال اپنی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا برصغیر کی حدود سے نکل کر دیارِ مغرب میں پہنچا تو اُسے دیکھ کر مستشرقین کی آنکھیں کھل گئی۔اقبال پر بیسوں مستشرقین نے لکھا ہے مگر سب کا رویہ ایک جیسا نہیں ہے اور نہ ہی سب نے اقبال کی مخالفت اور اُن کے نظریات کے انہدام کی کوشش کی ہے اور نہ ہی تمام مستشرقین کو اقبال دشمنی کی صف میں شامل کیا جاسکتا ہے۔اقبال کو یورپ میں متعارف کرانے کا سہرا ڈاکٹر نکلسن کے سر ہے جنھوں نے اسرار خودی کا ترجمہ کیا۔اسی طرح پروفیسر اربری نے رموز بے خودی کا ترجمہ کر کے مشرق ومغرب کے درمیان خیر سگالی کو فروغ دیا۔

تیسرے باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے یورپی معترضین کے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے ان کے نزدیک ای۔ایم فوسٹر اور ایل ڈکنسن اولین یورپی معترض اقبال ہیں۔کنیڈا میں اقبال کا بڑا معترض کانٹ ویل سمتھ ہے۔ایچ ۔اے۔ارگب نے اپنی کتاب *Wither Islam* میں اقبال پر چند اعتراضات کیے ہیں۔ ایڈورڈ تھامسن نے خطبہ الہ آباد کے ردعمل میں لندن سے ایک مراسلہ لندن ٹائمز میں شائع کرایا جس میں اُنھوں نے الزام لگایا کہ پان اسلامی سازش کا پروپگنڈا مسلم ریاست کے قیام میں زبردست رکاوٹ بن سکتا ہے۔الفرڈ گیوم نے اقبال کو مسلمان اور عیسائی قارئین کی نظر سے گرانے کی کوشش کی۔

ڈاکٹر ایوب صابر اس باب میں مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے یہ بات واضح کرتے ہیں کہ اسلامی نشاہ ثانیہ کے حوالے سے مستشرقین نے اقبال کو تشویش کی نگاہ سے دیکھا ہے مستشرقین کے اعتراضات کو برصغیر

میں کافی پذیرائی ملی اور برصغیر کے مفکرین نے زیادہ تر انھی الزامات کو بنیاد بنا کر فکرِ اقبال کے انہدام کی کوششیں کیں اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں: ''برصغیر میں جن اعتراضات کو مخالفین نے بار بار دہرایا ہے وہ اولاً مستشرقین نے کئے تھے۔''[۹]

اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ یورپ میں فکر اقبال ترجمے کے ذریعے پہنچی اور بہت سے مترجمین درست انداز میں ترجمہ نہیں کر سکے۔ کانٹ ویل سمتھ اقبال کے بارے میں کافی کچھ لکھ چکا تھا مگر وہ اردو سے نابلد تھا۔ پروفیسر نکلسن کے ترجمہ اسرار خودی سے اقبال خود بھی مطمئن نہیں تھے۔ ترجمہ نگار نے اس میں کئی فاش غلطیاں کی تھی۔ اور بہت سے مستشرقین کلام اقبال کی زمانی ترتیب سے بھی واقف نہیں تھے۔

۱۹۰۵ء میں علامہ اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئے۔ وہاں اُنھوں نے مغربی تہذیب اور مغربی قوم پرستی کا بغور مطالعہ کیا۔ مغربی ادب کے مطالعے سے اقبال پر یہ بات واضح ہوئی کہ وطنی قومیت کو فروغ دے کر یورپی اقوام ملت اسلامیہ کے ٹکڑے کرنا چاہتی ہیں۔ اسی عرصہ میں ہندوؤں اور یورپی اقوام کی سازشوں نے اقبال کی سوچ کا رُخ تبدیل کر دیا۔ وہ وطنی قوم پرستی سے نکل کر ملت اسلامیہ کی تشکیل اور اسلامی قومیت کی تعمیرِ نو کی طرف مائل ہو گے۔ اور ۱۹۰۶ء سے ۱۹۳۸ء تک مسلسل اس نظریے کی تبلیغ کرتے رہے۔ اقبال اسلام کی اساس مضبوط بنا کر مسلم اُمت کو مضبوط بنانا چاہتے تھے۔ لیکن ہندوؤں نے یہ سمجھا کہ علامہ اقبال مسلمانوں کو علیحدگی پر اُکساتے ہیں اور اُن کا یہ اقدام بھارت ماتا کے ٹکڑے کرنے کے مترادف ہے۔ چناں چہ ہندوؤں نے اقبال کی شدید مخالفت شروع کر دی۔ تیسرے باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے آنند نرائن ملا، سچد آنند سہنا، لالہ دینا ناتھ، ڈاکٹر تارا چرن رستوگی اور فراق گورکھ پوری وغیرہ کے علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔

سچد آنند سہنا نے اقبال کے تصور قومیت پر شدید اعتراضات کیے ہیں۔ سہنا کے اعتراضات کے جواب میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''اقبال کے تصور قومیت سے قیام پاکستان کی راہ ہموار ہوئی اور یہ تصور کسی وقت اسلامی دنیا کے لیے اتحاد کا باعث بن سکتا تھا۔''[۱۰]

رستوگی علامہ اقبال کے خاندان، نسل، اخلاق، مذہب، سیاست اور فکری اساس پر حملہ آور ہوئے۔ رستوگی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اقبال مایوس انسان تھے، سیاسی بصیرت سے محروم تھے۔ عطیہ سے معاشقے میں ناکامی ہوئی، عالمی ادب

میں اُن کا کوئی مقام نہیں ہے۔سچد آنند سہنا اور ڈاکٹر تاراچرن رستوگی کے علامہ اقبال پر لگائے گئے الزامات کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

''دونوں اقبال کو منہدم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن دونوں میں ایک فرق ہے۔سہنا نے کم از کم ایک تہذیبی سطح برقرار رکھی ہے۔ رستوگی ایسا نہیں کر پائے۔اُنھوں نے اقبال کو بُرا اور کم مایہ ثابت کرنے کے لیے اقبال مخالف اقتباسات نقل کرنے میں بھی بددیانتی سے کام لیا ہے۔''[11]

خطبہ الٰہ آباد کے بعد ہندوؤں کی اقبال دشمنی مزید تیز ہوگئی۔چونکہ اس خطبہ میں علامہ اقبال نے مسلمانوں کے لیے الگ ریاست کا تصور پیش کیا تھا۔یہ بات ہندوؤں کے لیے ناقابل برداشت تھی۔فراق گورکھ پوری نے ''اقبال کے متعلق چند خوش فہمیاں'' نامی مضمون لکھ کر اقبال دشمنی کی روایت میں حصہ ڈالا۔

ہندوؤں کے اعتراضات کے بنیادی سبب کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

''ہندو سیاست دانوں اور دانشوروں کا اصل ہدف پاکستان اور نظریہ پاکستان ہے۔پاکستان کے پس منظر میں علامہ اقبال کا فکر ہے جو پاکستان کی حقیقی اور پائیدار بنیاد ہے۔اس بنیاد کو کمزور کرنے کے دو طریقے ہیں ایک علامہ اقبال کو شخصی اور فکری اعتبار سے فرومایہ ثابت کر کے منہدم کر دیا جائے اور دوسرا یہ کہ اقبال کا فکری رشتہ پاکستان سے کاٹ دیا جائے۔''[12]

اس اقتباس سے ہندوانہ ذہنیت رکھنے والوں کی عکاسی ہوتی ہے۔جو آج بھی اقبال کا فکری رشتہ پاکستان سے کاٹنے کی کوشش میں مصروف ہیں اور جو اقبال کو صرف شاعر تو کسی نہ کسی طور پر مان لیتے ہیں مگر اُن کو مفکر کے درجے سے گراتے ہیں۔

پانچویں باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے درج ذیل افراد کے اقبال پر اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ان میں محمد علی جوہر، ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد نجیب، مولانا نجم الدین اصلاحی، قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی، آل احمد سرور، مظفر حسین برنی اور مولانا وحیدالدین خان۔مولانا محمد علی جوہر اسلامیان ہند کے ایک روشنِ ستارے تھے اُنھوں نے علی گڑھ کے مقابلے پر

جامعہ ملیہ قائم کی جس کے مقاصد میں ہندوستانی متحدہ قومیت کو فروغ دینا شامل تھا جبکہ علامہ اقبال الگ مسلم قومیت کے تصور کے حامی تھے جس کا اظہار وہ اپنی شاعری میں کر چکے تھے محمد علی جوہر اقبال کے مداح تھے مگر اُنھوں نے پوری طرح اقبال سے عقیدت مندی کا اظہار نہیں کیا وطنی قومیت کے جوش میں اقبال پر پانچ معترضانہ مضامین لکھے۔ترک موالات سائمن کمیشن کے مقاطعہ اور مسئلہ قومیت کے ضمن میں اقبال کو تندوتیز اعتراضات کا ہدف بنایا۔ ان مضامین میں اقبال پر انگریز دوستی کا الزام لگایا ہے۔

ابوالکلام آزاد بیسویں صدی کے عمدہ لکھاری اور مذہبی و سیاسی راہ نما تھے۔ اگر چہ متحدہ ہندوستانی قومیت کے سب سے بڑے علمبردار مولانا ابوالکلام آزاد تھے تاہم ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبال کا براہ راست ٹکراو کبھی بھی نہیں ہوا۔مولانا حسین احمد مدنی کا مقام سیاسیات ہند میں نمایاں ہے، آپ دارالعلوم دیو بند میں صدر مدرس رہے، کانگرس اور تحریک خلافت میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔جنوری ۱۹۳۸ میں صدر بازار دہلی میں ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوے اُنھوں نے علامہ اقبال کے نظریۂ قومیت پر اعتراضات کیے اور اس کے مقابلے میں اس بات پر زور دیا کہ قومیں مذہب سے نہیں بلکہ اُوطان سے بنتی ہیں ، بقول حسین احمد مدنی:

> ’’موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔نسل یا مذہب سے نہیں بنتی۔ دیکھو انگلستان کے بسنے والے سب ایک قوم شمار کیے جاتے ہیں۔ حال آنکہ اُن میں یہودی بھی ہیں ،نصرانی بھی ، پروٹسٹنٹ بھی ،کیتھولک بھی ، یہی حال امریکہ جاپان اور فرانس وغیرہ کا ہے۔‘‘[۱۳]

علامہ اقبال نے اس نظریے کی تردید " حسین احمد " کے نام سے ارمغان حجاز میں شامل اشعار سے کی جن میں اُنھوں نے اسلامی نظریہ قومیت کی وضاحت کی ۔اس طرح مسئلہ قومیت نے دونوں ہستیوں کے درمیان ایک معرکے کی شکل اختیار کی حال آنکہ یہ ایک فطری اختلاف ہے اور اس بات کو ذاتی اختلاف بنانا ایک مذموم عمل ہے۔

مولانا حسین احمد نجیب اقبال شکنی میں پیش پیش رہے اُنھوں نے اقبال کا شمار اُن شعرا میں کیا جنھوں نے اپنی شاعری میں قرآن کی مذمت کی۔ شاید مولانا حسین احمد نجیب یا تو قرآن کو نہیں سمجھتے تھے یا پھر کلام اقبال اُن کی سمجھ سے بالا تر تھا۔اور مولانا نجم الدین اصلاحی علامہ اقبال کو ایک شاعر اور فلسفی سے زیادہ حیثیت دینے کو شرعی جرم سمجھتے تھے۔ان الزامات کے پسِ منظر میں موجودہ بنیادی نظریات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے

ہیں: ''اقبال شکنی کی ان کوششوں میں عصبیت شیخ کارفرما تھے۔''[۱۴]

مولانا ظفر علی خان علامہ اقبال کے دوست اور زبردست مداح تھے۔ ۱۹۲۷ میں بادشاہی مسجد لاہور میں اقبال کی تقریر کے درمیان لوگوں نے شور مچایا تو ظفر علی خان نے اس شور کو اقبال کی شان میں گستاخی قرار دیا۔ لیکن ۱۹۲۷ سے ۱۹۳۷ تک ظفر علی خان علامہ اقبال کے خلاف بیان بازی کرتے رہے۔ فکاہات کے عنوان سے کالم لکھتے رہے۔ اُنھوں نے اقبال کو قوم کی لُٹیا ڈبو دینے والا قرار دیا، اور اُن کے خلاف اشعار موزوں کیے۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے ان وجوہات کا جائزہ لیا ہے جن کی پس منظر میں ظفر علی خان اقبال کی مخالفت کی طرف راغب ہوئے۔

ڈاکٹر ایوب صابر نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اقبال دشمنی کے حوالے سے بھارت میں قوم پرست مسلمانوں کے دو گروہ ہیں ایک گروہ تصور پاکستان اور قومیت کے اسلامی نظریے کی وجہ سے اقبال کو ہدف تنقید بناتا ہے جبکہ دوسرا گروہ تصور پاکستان ہی سے علامہ اقبال کا تعلق ختم کر رہا ہے۔

قاضی عبید الرحمٰن ہاشمی نے اپنے ایک مضمون "مشترکہ تہذیبی ورثہ اور اقبال" میں اقبال پر اعتراضات کیے ہیں اس مضمون میں انہوں نے علامہ اقبال پر اعتراض کیا ہے کہ وہ تصور پاکستان سے نالاں نظر آتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اس ظالمانہ کاروائی کے نتیجے میں پورے برصغیر میں انسانیت کس کس طرح لہو میں غلطاں ہوئی اور ہوتی رہے گی اگر ہمارے شاعر مشرق کو خواب میں بھی اُس کا خیال آجاتا تو وہ صرف سیدھی سادی شاعری کرتے۔''[۱۵]

مولانا وحید الدین خان نے اعتراض کیا کہ اقبال کی شاعری سے امت مسلمہ کی ترقی میں کوئی اضافہ نہیں ہوا بلکہ اُمت ٹس سے مس بھی نہیں ہوئی، چونکہ اقبال کا راستا کسی واضح منزل کی طرف نشاندہی نہیں کرتا۔ آل احمد سرور ایک بلند پایہ نقاد اور اقبال شناس ہیں اُنھوں نے اقبال پر بہت سی کتب تصنیف و مرتب کی ہیں مگر اُنھوں نے اپنی کتاب دانشور اقبال میں اقبال کو تصور پاکستان سے لاتعلق قرار دیا ہے۔ آل احمد سرور کے اعتراضات کے رد میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''آل احمد سرور وطنی قومیت کو اسلامی قومیت پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ قومیت کا لفظ وطنی قومیت ہی کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اور اپنی دانشوری کے زور سے

اسلام سے فائق بتاتے ہیں۔"[۱۶]

آل احمد سرور اقبال کو دانشور تو مانتے ہیں مگر مفکر نہیں اُن کے نزدیک اقبال کو نظریہ پاکستان کا خالق کہنا درست نہیں اور نہ ہی جناح کے نام اقبال کے خطوط اصلی ہیں۔[۱۷]

عتیق احمد صدیقی نے اپنی کتاب اقبال جادو گر ہندی نژاد میں اقبال کی شخصیت اور اُن کے فکر و فن پر کافی معترضانہ مواد جمع کیا ہے۔ اسی طرح جمیل مظہری نے اقبال کے خلاف اپنی دشمنی کا زہر اُگلا ہے۔

اگر چہ شیعہ سنی اور دیگر مسالک کے اختلافات بہت عرصے سے ہمارے ہاں موجود ہیں تاہم بیسویں صدی کے اواخر میں انتہا پسند مذہبی عناصر کی ایک دوسرے کی خلاف متشددانہ کاروایوں نے پاکستان کو داخلی طور پر کمزور کیا اور بیرونی دنیا کے سامنے ایک غلط تصویر پیش کی۔ ان حالات میں بیرونی تخریبی قوتوں کو اسلام اور پاکستان میں کھیل کھیلنے کا موقع ملا اور کچھ مقامی عناصر بھی ان سرگرمیوں کا حصہ بن گے۔ حجاز پر سعودی حکومت قائم ہوئی تو اُنھوں نے اپنے مسلک کے تحت بدعات کے خلاف کاروائی کی۔ اقبال نے حجاز کی حکومت پر تسلی کا اظہار کیا۔ اقبال کا یہ اقدام بریلوی فرقہ پرستوں کو بہت ناگوار گزرا۔ مسجد وزیر خان کے فتوی باز خطیب مولوی دیدار علی نے اقبال پر کفر کا فتوی صادر کر دیا۔

۱۹۷۳ء میں بریڈفورڈ سے صاحبزادہ اقتدار علی نے ایک کتابچہ بشکل فتوی شائع کیا جس میں اقبال کے خلاف بیسوں ناروا اعتراضات ہیں۔ علامہ مشرقی اور اُن کے پیروکارں نے ایک فرقے کی شکل میں مخالفت اقبال کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ اسی طرح شیعہ علما نے بھی اقبال کے خلاف اعتراضات لگائے ہیں اگر چہ نہ ہی تو تمام علماء کرام نے اقبال پر اعتراضات کیے ہیں اور نہ ہی علماء کے تمام اعتراضات غلط ہیں۔ جید علماء نے اقبال کو خراجِ عقیدت بھی پیش کیا ہے البتہ کچھ افراد ایسے ہیں جنھوں نے شہرت کے حصول کے لیے اقبال کو ہدفِ تنقید بنایا ہے ان علماء کے اعتراضات کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> "مسلکی کٹرپن کے حامی اور جامد قسم کے مولوی اس زعم میں مبتلا ہیں کہ جس طرح علاج کرنا ایک ڈاکٹر کا کام ہے اسی طرح مذہبی امور پر اُن کا اجارہ ہے۔ وہ ایک دوسرے کی مٹی پلید کرتے ہے اور دینی معاملات میں غیر علما کی مداخلت برداشت نہیں کرتے۔ اس میں شک نہیں کہ وضو، نماز، روزہ اور قربانی کے مسائل سے نیم

خواندہ مولوی بھی واقف ہوتے ہیں اور اس طرح کی عوامی ضروریات وہی پورا کرتے ہیں ۔اسلامی زندگی کے یہ امور اہمیت رکھتے ہیں۔لیکن اسلام یہی کچھ نہیں۔اسلام اجتماعی،سیاسی،قانونی، معاشی،عمرانی،انفرادی اور ملی زندگی کے جملہ امور کا احاطہ کرتا ہے۔''[۱۸]

بیسویں صدی میں شروع ہونی والی تحریکات میں ترقی پسند تحریک کا نام نمایاں ہے یہ تحریک کچھ خاص مقاصد کے فروغ اور اُن کے پرچار کے لیے قائم کی گئی تھی۔علی گڑھ تحریک کے بعد ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو کافی حد تک متاثر کیا۔اگر چہ عملی طور پر یہ تحریک اپنا وجود کھو بیٹھی ہے مگر اس کے اثرات ابھی تک باقی ہیں۔ترقی پسند تحریک کے فروغ کے دوران اقبال کو منہدم کرنے کی باقاعدہ کوششیں کی گئیں۔احمد علی نے اقبال کو فاشسٹ قرار دیا، سبط حسن نے اقبال کو ماضی کا پرستار قرار دیا۔احتشام حسین اور مجنوں گورکھ پوری فکر اقبال کو منہدم کرنے میں نمایاں ہیں بقول احتشام حسین اقبال نے اپنی شاعری میں کوئی مستحسن اور قابل عمل پیام نہیں دیا۔احتشام حسین کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

''احتشام حسین نے علامہ اقبال کی تحسین بھی کی ہے۔اس اعتبار سے اُن کے ہاں ایک رخا پن نہیں۔تنقیص و تحسین پر ایک ساتھ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ احتشام حسین کے نزدیک اقبال بہت کچھ تھے،اگر کمی تھی تو یہی کہ اشتراکی نہیں تھے۔''[۱۹]

کانٹ ویل سمتھ نے *Modern Islam in India* نامی کتاب شائع کی۔ اس کتاب میں علامہ اقبال پر متعدد اعتراضات ہیں اور اس کتاب نے اسلام اور مسلمانوں کے درمیان کافی غلط فہمیاں پیدا کی۔سمتھ کے یہ نظریات ہندوستانی ترقی پسندوں میں رواج پا گے اور ترقی پسندوں نئے ان غلط نظریات کو کافی ہوا دی۔مجنوں گورکھ پوری نے سمتھ کے اعتراضات کو وسعت دی۔علی سردار جعفری نے اپنی کتاب ترقی پسند ادب اور علی عباس جلالپوری نے اقبال کا علم الکلام میں اقبال پر اعتراضات کیے۔جلالپوری کے نزدیک اقبال کا نظریہ خودی پورے کا پورا نطشے سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے اشتراکیت پسند اور دہریت پسند معترضینِ اقبال کا جائزہ لیا ہے۔ان میں احمد علی،سبط حسن،اختر حسین رائے پوری،کانٹ ویل سمتھ، مجنوں گورکھ پوری، علی سردار جعفری اور علی عباس جلالپوری کے اعتراضات کا جائزہ شامل ہے۔شہرت اور نیک نامی حاصل کرنے کا جذبہ فطری طور پر ہر انسان میں

موجود ہوتا ہے۔مگر جب یہ جذبہ حسد اور رقابت کی حد تک پہنچ جائے تو انتہائی مہلک ثابت ہوتا ہے۔حسد کے جذبے کے تحت جس انسان سے رقابت کی جاتی ہے اُسے ہر طریقے سے گرانے کی کوشش کی جاتی ہے اور حاسد انسان گھناونے ہتھکنڈوں سے اپنے آپ کو اُس سے برتر ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔معترضین اقبال میں حریصوں، حاسدوں اور شہرت کے طلب گاروں کی ایک لمبی فہرست ہے۔رقابت، حسد اور شہرت کے مہلک مرض میں مبتلا اکثر معترضین اقبال گمنامی میں گر چکے ہیں۔حاسدین اور طالبان شہرت کے باب میں حکیم تاج الدین تاج، چودھری رحمت علی، علامہ مشرقی، جوش ملیسانی، فانی بدایونی، مرزا یاس یگانہ چنگیزی، سیماب اکبر آبادی، فراق گورکھ پوری، جوش ملیح آبادی وغیرہ شامل ہیں۔چودھری رحمت علی نے خود کو تصور پاکستان کا خالق قرار دیا اور مفکر پاکستان کو اپنے جائز مقام سے گرانے کی کوشش کی۔مرزا یاس یگانہ چنگیزی اپنے آپ کو بیسویں صدی کا واحد شاعر سمجھتے ہیں۔یگانہ کا شمار اگرچہ اچھے شاعروں میں ہوتا ہے، یگانہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ زبان پر بھی مکمل گرفت رکھتے تھے۔مگر ہمیشہ مشاہیر کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔یگانہ نے نہ صرف مشاہیر کے خلاف لکھا بلکہ اُنھوں نے اسلام کی بھی مخالفت کی۔جوش نے اقبال کی شخصیت اور اُن کی شاعری پر اعتراضات کیے ہیں اور وہ اپنے آپ کو شاعر اخرالزمان تصور کرتے ہیں۔اُنھوں نے یادوں کی برات میں اقبال پر بہت نازیبا اعتراضات کیے ہیں۔انور شیخ ویلز سے لبرٹی نامی ایک رسالہ شائع کرتے ہیں جس میں ملت اسلامیہ پاکستان اور اقبال پر اعتراضات ہوتے ہیں۔اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے متذکرہ بالا حاسدین اور طالبان شہرت کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔اس سلسلے میں وہ رقمطراز ہیں:

> ''حاسدین اقبال کی تحریروں میں عموماً بدحواسی کی کفیت نظر آتی ہے۔اُن کا مقصد اقبال کو گرا کر اپنا قد کاٹھ اونچا کرنا ہے۔ان میں سے اکثر نے اقبال کے خلاف غیر شائستہ زبان استعمال کی ہے اور یہ بات لائق توجہ ہے کہ سوقیانہ زبان استعمال کرنے والے بیشتر برے انجام سے دوچار ہوئے۔''[۲۰]

علامہ محمد اقبال دور حاضر کے عظیم مسلمان مفکر اور فلسفی تھے۔قوموں کے عروج و زوال پر اُن کی گہری نظر تھی۔وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ قوموں کا اتحاد کس طرح وجود میں آتا ہے اور اُن کا شیرازہ کیونکر منتشر ہوتا ہے اُن کے نزدیک اسلامی اتحاد اور وحدت دو چیزوں سے عبارت تھی اول توحید دوم ختم نبوت۔معترضین نے علامہ اقبال کا تعلق قادیانیت سے منسوب کرنے کی کوششیں کی۔حال آنکہ اقبال کا ختم نبوت پر مکمل یقین تھا۔اور اُن کے نزدیک

اسلامی وحدت ختم نبوت ہی سے استوار ہے۔[۲۱]

علامہ اقبال قادیانیت کے اتنے خلاف تھے کہ اگر اقتدار اُن کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ قادیانیت کو اس طرح احتساب کے شکنجے میں جکڑتے کہ قادیانی بالکل بے دست و پا ہو جاتے، یہ حقیقت ہے کہ جہاں تک اُن کا بس چلا اُنھوں نے قادیانیوں کی مخالفت کی اس بات کے بہت سے ثبوت موجود ہیں۔ انجمن حمایت اسلام کا ریکارڈ اس بات کا گواہ ہے کہ علامہ اقبال اُس وقت تک کرسی صدارت پر نہ بیٹھے جب تک مرزائی ارکان کو بھرے جلسے سے باہر نہ نکال دیا۔[۲۲]

اقبال پر دو طرح کے اعتراضات اس حوالے سے کیے گے کہ اول تو یہ کہ اقبال قادیانیوں کے حق میں نرم گوشہ رکھتے ہیں اور دوسرے طرف مرزائیوں نے اعتراض کیا کہ اقبال نے ۱۹۳۵ میں قادیانیوں کو غیر مسلم کیوں قرار دیا؟ جبکہ اس سے پہلے اُن کا قادیانیت سے گہرا تعلق تھا۔ شیخ عبدالماجد نے اقبال کے خاندانی پس منظر کو احمدیت سے منسوب کیا۔ شیخ اعجاز احمد نے بھی اس بات کا اعتراف کیا کہ اقبال قادیانت کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے اس باب میں قادیانیت کے حوالے سے علامہ اقبال پر لگائے گئے الزامات کا جواب ڈاکٹر ایوب صابر نے تحقیقی انداز میں دیا ہے۔ قادیانیت کے حوالے سے علامہ اقبال پر اعتراضات کے رد میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''قادیانیت کا مسئلہ مدتوں تک اُن کی خاص توجہ کا مرکز نہ بن سکا اور ایک صحیح فیصلہ تک پہنچنے کے لیے اُنھوں نے بہت لمبا عرصہ لیا اگرچہ اقبال ابتدا ہی سے عقیدہ ختم نبوت اور تصور جہاد کے علمبردار تھے اور مسیح موعود بلکہ مجدد کے تصور کو بھی نہیں مانتے تھے لیکن عرصے تک دوسرے متعدد اکابرین کی طرح مرزائیوں کو مسلمانوں کا فرقہ سمجھتے رہے اور جب اس مسئلے پر غور کرنے کے اسباب جمع ہوئے تو اقبال نے مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔''[۲۳]

مشرق و مغرب کی تمدنی آویزش نے مشرق میں ایک عجیب کشمکش پیدا کر دی ایک طرف قدیم افکار و نظریات کے لوگ ہیں اور دوسری طرف جدید نظریات و خیالات کے۔ قدیم افکار و نظریات کے لوگ تمام اُمور میں تقلید کی روش پر کاربند نظر آتے ہیں۔ ان افراد میں کسی قسم کی لچک نہیں پائی جاتی۔ جدید نظریات کے حامی مغربی تمدن میں پرورش پانے والے ہیں اور اسلامی تعلیم و آداب سے بے بہرہ ہیں۔ وہ متعصب اور جامد علماء اور عوام الناس کے عقائد و رسوم ہی کو

اسلام سمجھتے ہیں۔

علامہ اقبال کی مخالفت قدیم منجمد نظریات کے حامل افراد اور جدید مغربی طرزِ فکر رکھنے والے دونوں طبقات نے کی۔خلیفہ عبدالحکیم نے اقبال پر مغرب دشمنی کا الزام لگایا۔سلمان رشید نے اقبال کے تصور خدا کو برگساں اور ہیگل کی خوشہ چینی قرار دیا۔حمید نسیم نے اقبال کے نظریات و خیالات کو نیم خواندہ ملا کے نظریات قرار دیا ہے۔یوسف ثانی نے علامہ اقبال کی تصنیف تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ کے رد میں *Deconstruction of Reconstruction of Iqbal* نامی کتاب تحریر کی۔بعض افراد کا اقبال سے عقیدت مندی دوستی اور رشتہ داری کا تعلق تھا۔لیکن جب اقبال اُن کی منشا کے مطابق نہ چلے تو اُنھوں نے اقبال کے خلاف الزام تراشی شروع کر دی۔آفتاب اقبال جو علامہ اقبال کے حقیقی بیٹے تھے اُنھوں نے نہ ہی اپنے والد کے ازدواجی بحران کو سمجھنے کی کوشش کی اور نہ ہی اسلامی تعلیمات کی پیروی کی۔اقبال کی وفات کے ۲۹ برس بعد اپنے والد کے خلاف کتاب لکھوا کر شائع کی جس میں اپنی والدہ کو بے قصور اور والد کو ظالم اور غاصب قرار دیا۔اس معاملے رشیدہ بیگم بھی پیش پیش رہی اُنھوں نے اقبال کے گھرانے کی کردار کشی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو اقبال کا صحیح جانشین ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی۔اس کتاب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے متذکرہ بالا تمام اعتراضات کا تحقیقی اور تنقیدی انداز میں جائزہ لے کر اعتراضات کی اصل نوعیت کو واضح کیا ہے۔

۲: اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ

ڈاکٹر ایوب صابر ہمہ جہت علمی و ادبی شخصیت کے حامل ہیں۔علامہ اقبال کی شخصیت اور فکر و فن کے حوالے سے اُن کا مطالعہ کافی وسیع ہے۔اُن کا شمار ایسے اقبال شناسوں میں ہوتا ہے جنھوں نے علامہ اقبال کی شخصیت اور فکر و فن کا تجزیاتی مطالعہ کیا اور اُن کا جھکاو کسی ایک طرف نہیں رہا۔جس طرح علامہ محمد اقبال بلند شخصیت کے حامل ہیں اسی طرح اُن کے فکر و فن کو سمجھنے کے لیے بھی بلند مرتبت ہونا ضروری ہے۔ڈاکٹر ایوب صابر علامہ محمد اقبال سے والہانہ لگاو رکھتے ہیں۔اُن کے لیے یہ بات کس طور پر بھی قابل برداشت نہیں تھے کہ اقبال دشمن اور اقبال مخالف افراد اور گروہ علامہ محمد اقبال کی ایک غلط تصویر عوام کے سامنے پیش کریں اور اُن کی شخصیت اور فکر و فن پر نازیبا حملے کریں۔چناں چہ ڈاکٹر ایوب صابر نے مخالفین و معترضین کے اعتراضات کا جواب دینے کا بیڑا اُٹھایا اور مخالفین کے ہر اعتراض کا جواب تحقیقی اور مستند انداز میں دیا۔ان کا یہ سلسلہ کئی کتب پر مشتمل ہے جس میں اُنھوں نے ہر طرح کے اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔ان کی کتاب اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ اسی سلسلے کی ایک کڑی

ہے۔ یہ کتاب انسٹی ٹیوٹ آف اقبال اسٹیڈیز ۔ بیت الحکمت لاہور نے ۲۰۰۳ میں شائع کی۔ کتاب کی ابتدا میں محمد سہیل عمر ناظم اقبال اکادمی پاکستان، لاہور اور ڈاکٹر ظہور احمد اعوان نے علاحدہ علاحدہ مقدمہ تحریر کیا ہے حرف چند کے عنوان سے پروفیسر عبدالجبار شاکر ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف اقبال اسٹیڈیز بیت الحکمت لاہور نے نوصفحات پر مشتمل ایک مبسوط مقدمہ تحریر کیا ہے جس میں کتاب کی اہمیت وافادیت پر مدلّل بحث کی گئی ہے۔ اس ضمن میں وہ تحریر کرتے ہیں:

> ''پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر اصول تحقیق اور اُس کے عملی منہج سے بخوبی واقف ہیں اقبالیاتی ادب میں یہ ذرا مختلف قسم کا تحقیقی مبحث تھا اس لیے اُنھوں نے اپنی اس کتاب کے سترہ ابواب میں جو مختلف نوعیت کے الزامات پیش کیے ہیں۔ اور پھر اُن کے دفاع میں جو طرز استدلال وضع کیا ہے، بغور دیکھا جائے تو ہمیں اس کی داد دینا پڑے گی اُنھوں نے ابتدا میں بڑی مہارت سے معترض کے الزامات کا قریب قریب اُس کے اپنے الفاظ میں احاطہ کیا ہے۔ پھر حالات و واقعات کو تحقیق کی میزان میں تولتے ہوئے واقعاتی شہادتوں میں پائے جانے والے تضادات کی نشاندہی کی ہے۔ معترض کی ذہنی کیفیت اور مخصوص عصبیت کا جائزہ لیا ہے یوں اُنھوں نے بیشتر مقامات پر ان الزامات کو من گھڑت اور معترض کے ذہنی عناد کا شاخسانہ قرار دیا۔ بعض مقامات پر اُنھوں نے ان اعتراضات کی صرف تصیح کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعے کے بعد پہلی دفعہ اس بات کے امکانات روشن ہوئے ہیں کہ اقبال کی ایک سچی اور صحیح سوانح لکھی جاسکتی ہے۔ یوں فاضل محقق نے اقبال کے سوانح نگاروں کا راستا صاف اور واضح کر دیا ہے۔''[۲۴]

ڈاکٹر ایوب صابر کی کتاب اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ سترہ ابواب پر مشتمل ہے جو حسب ذیل ہیں۔ ۱۔ اقبال کا خاندان اعتراضات کی ذد میں۔ ۲۔ برہمن زادگی پر فخر۔ ۳۔ طوائف کا قتل۔ ۴۔ شراب نوشی۔ ۵۔ معاشقے اور رنگ رلیاں۔ ۶۔ پہلی بیوی اور آفتاب اقبال سے ناروا سلوک۔ ۷۔ سر کا خطاب۔ ۸۔ انگریز دوستی۔ ۹۔ مغرب دشمنی۔ ۱۰۔ شاہ پرستی اور مسلم سامراجیت۔ ۱۱۔ اقبال غیر محبّ وطن۔ ۱۲۔ فارسی گوئی۔ ۱۳۔ تضادِ فکر و عمل۔

۱۴۔ بے عملی۔۱۵۔ بداعمالی۔۱۶۔ مایوس انسان۔۱۷۔ نرگسیت، رومانویت اور خوف مرگ وغیرہ۔

کتاب کے پہلے باب کا عنوان، اقبال کے خاندان پر اعتراضات ہے۔اگر چہ باب زیادہ طویل نہیں مگر اس باب میں ایک اہم حوالے سے اقبال دشمنوں کے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔جب کسی انسان میں حسد، رقابت اور دشمنی کے جذبات خطرناک حد تک سرایت کر جاتے ہیں تو پھر وہ ذاتیات پر اُتر آتا ہے۔اسی طرح اقبال دشمنوں نے اقبال کے فکر وفن اور شخصیت کے ساتھ ساتھ اُن کے خاندان پر بھی اعتراضات کیے۔اس باب میں اقبال کے خاندان پر جو اعتراضات کیے گے ہیں اُن کا جائزہ لیا گیا ہے اور ڈاکٹر ایوب صابر نے تحقیقی حوالوں اور اسناد کے ساتھ ان تمام الزامات کی تردید کی ہے۔تارا چرن رستوگی، محمد عظیم فیروز آبادی اور ڈاکٹر اکبر حیدری کے الزامات کا جائزہ لیا گیا ہے۔تارا چرن رستوگی نے ابتدا میں ۱۹۲۴ میں ایک مضمون کے ذریعے اقبال کے برہمن نژاد ہونے کی نفی کی۔[۲۵] ۱۹۷۹ میں عظیم فیروز آبادی بھی اس مہم میں شریک ہو گے۔ڈاکٹر تارا چرن رستوگی نے اپنی کتاب *Iqbal in Final Countdown* میں بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اقبال برہمن نژاد نہیں تھے۔ان اشخاص نے اقبال کے برہمن ہونے اُن کے والد کے نام اُن کی ذات، خاندان اقبال کی علمی اور متصوفانہ حیثیت کو ہدف تنقید بنایا۔محمد عظیم فیروز آبادی نے تو یہاں تک اقبال دشمنی کا ثبوت دیا کہ اُنھوں نے اقبال کی مڈل کی سند کو فرضی اور بی۔اے اور ایم۔اے کی اسناد کو بھی جعلی قرار دیا۔

اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے جگن ناتھ آزاد، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، شیخ اعجاز احمد وغیرہ کے بیانات کی روشنی میں متذکرہ بالا اشخاص کے خاندان اقبال پر اعتراضات کی تردید کی ہے۔کتاب کے دوسرے باب کا عنوان "برہمن زادگی پر فخر" ہے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

میں اصل کا خاص سومناتی
آبا مرے لاتی مناتی[۲۶]

اس طرح کے کچھ اور اشعار بھی اقبال کے اُردو اور فارسی کلام میں موجود ہیں جن میں اُنھوں نے اپنے آپ کہ برہمن ظاہر کیا ہے۔اگر چہ علامہ اقبال نسلی تفاخر اور ذات پات کے قائل نہیں تھے اس طرح کی بات ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور متعدد دوسرے اصحاب علم نے بھی کی ہے اس سلسلے میں خلیفہ عبدالحکیم رقمطراز ہیں:

''اگر چہ اسلام کے زیر اثر اقبال ذات پات اور نسل پر افتخار کو صحیح نہیں سمجھتے تھے تاہم جا بجا اُن کو اپنے برہمن زادہ ہونے پر فخر تھا۔ برہمنوں کی ذہانت اور فلسفہ دانی سے کس کو انکار ہوسکتا ہے۔اور غالباً ازروئے قانون توارث اقبال کو اس میں اچھا خاصا حصہ ملا تھا۔''[۲۷]

اگر چہ خلیفہ عبدالحکیم کا یہ خیال بطور اعتراض نہیں تاہم ایسی باتوں سے اقبال پر اعتراضات کرنے والوں کو ایک نئی بات مل گی اور عظیم فیروز آبادی وغیرہ جیسے اقبال دشمنوں نے اعتراضات لگانے شروع کر دیے۔اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے کلام اقبال سے ان اعتراضات کے جوابات دیے ہیں اور اس سلسلے میں ڈاکٹر جاوید اقبال، شیخ اعجاز احمد اور پروفیسر جگن ناتھ آزاد کے حوالہ جات دیے ہیں۔آپ نے اس چیز کو واضح کیا ہے کہ اقبال کے جن اشعار پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اُن میں برہمن زادگی پر فخر کیا گیا ہے اُن میں واقعیت اور فخر والی بات موجود نہیں ہے۔معمولی شاعرانہ تعلّی کا پہلو اسالیب کے پیش نظر قابل اعتراض نہیں ہوسکتا۔اور اُنھوں نے واضح کیا ہے کہ اقبال نسل پر ناز کرنے کو نادانی قرار دیتے ہیں اور وہ رنگ ونسب کے غبار کو جھاڑ دینے کی تلقین کرتے ہیں۔[۲۸]

تیسرے باب کا عنوان "طوائف کا قتل ہے"۔اقبال پر یہ الزام لگایا گیا کہ اقبال کا بازار حسن سے قریبی تعلق تھا اور اُنھوں نے ایام جوانی میں ایک طوائف کا قتل کیا تھا۔یہ الزام تارا چرن رستوگی نے اقبال سنگھ کے حوالے سے لگایا اور عبدالمجید سالک نے ذکر اقبال میں اس کی حمایت کی ہے۔رستوگی کا بیان ہے کہ اقبال نے ایک طوائف کا گلا داب دیا تھا اگر اُس کو بچانے کے لیے دو دلال نہ آتے تو وہ سیدھی قبرستان پہنچ جاتی۔[۲۹]

اس الزام کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

''رستوگی کے اقتباس سے حسب ذیل نتائج برامد ہوتے ہیں کہ اس معاملے میں اقبال سنگھ کا کوئی مضمون رستوگی کا ماخذ ہے اور رستوگی کا حوالہ نامکمل ہے اور اصول تحقیق کی رو سے معتبر نہیں۔''[۳۰]

اس باب میں رستوگی اور اقبال سنگھ کے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے جن میں عورتوں کی طرف اقبال کا میلان ایماویگے ناست، عطیہ فیضی اور امیر وغیرہ کے ساتھ تعلقات شامل ہے۔اس کے ساتھ ہی محمد علی جناح اور علامہ اقبال کی ملاقات اور اس ملاقات کی رُوداد کی غلط روایات پر بحث کی گئی ہے۔چوتھے باب میں علامہ اقبال کی شراب نوشی کے

حوالے سے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، عبدالمجید سالک، خلیفہ عبدالحکیم اور محمد شریف بقا وغیرہ نے کچھ ایسے اشارے دیے ہیں جن سے اس بات کی طرف ذہن جاتا ہے کہ نوجوانی میں اقبال شراب نوشی کرتے تھے مگر بعد میں ترک کر دی۔اقبال کے کچھ اشعار ایسے ہیں جن میں مے نوشی کا ذکر ہے۔معترضین نے اُن اشعار کو بھی ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔ڈاکٹر سلیم اختر نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اقبال نے ۱۹۱۱ میں علی بخش کو کہا تھا کہ آج کے بعد شراب نہیں پیوں گا۔اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے شراب نوشی کے الزام کی چھان بین کے لیے حیات اقبال کو حسب ذیل چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ سیالکوٹ کا زمانہ طالب علمی
۲۔ لاہور میں تعلیم اور ملازمت
۳۔ قیام یورپ
۴۔ قیام لاہور سے وفات تک

ڈاکٹر ایوب صابر نے اس باب میں یہ بات واضح کی ہے۔اگرچہ ابتدائی زمانے میں اقبال رقص وسرور کی محافل میں شرکت کرتے تھے مگر اقبال کی کسی بھی تحریر سے شراب نوشی کا ثبوت نہیں ملتا۔قیام یورپ کے دوران شراب نوشی کی تردید کم از کم اقبال نے دو مرتبہ خود کی ہے۔ڈاکٹر ایوب صابر نے وہ دونوں واقعات اس باب میں تحریر کیے ہیں۔محمد امین زبیری نے پست سطح پر اُتر کر انہدام اقبال کی کوشش کیں مگر اُنھوں نے بھی یہ الزام نہیں لگایا کہ اقبال نے شراب نوشی کی ہے۔

ڈاکٹر ایوب صابر نے علامہ اقبال کے پوتے منیب اقبال کی اس بات کی سخت الفاظ میں گرفت کی ہے جو روزنامہ جنگ میں شائع ہوئی تھی کہ وہ شراب پیتے ہوں گے مگر میں نے نہ دیکھا نہ سنا گھر میں ایک دو گھونٹ لگا لینا بڑی بات نہیں۔اس حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''منیب اقبال کے بیان سے اقبال کی شراب نوشی کا الزام کیسے ثابت ہو سکتا ہے اُس نے تو کہا ہے کہ میں نے نہ دیکھا نہ سنا، یہ بات کہ پیتے ہوں گے کوئی ثبوت نہیں ہے بلکہ ایک غیر محتاط اور غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔وفات اقبال کے بیسیوں برس بعد پیدا ہونے والے آدمی کو ایسے شوشے چھوڑنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔''[۳۱]

پانچویں باب کا عنوان ــ "معاشقے اور رنگ رلیاں" ہے اس باب کو آٹھ ذیلی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔عطیہ فیضی کی کتاب اقبال ۱۹۴۷ میں شائع ہوئی۔عطیہ کی اس کتاب سے بڑی حد تک اقبال کے معاشقے اقبالیات کا جزو بنے۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے اقبال نے یورپ کا سفر ۱۹۰۵ میں کیا۔اس سفر سے قبل کی زندگی کے بارے میں اقبال سنگھ نے اپنی کتاب *The Ardent Pilgrim* (پرجوش مسافر) جو ۱۹۵۱ میں شائع ہوئی ہے میں اقبال پر ایسے الزامات لگائے جن سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اقبال بازارِحسن سے خصوصی رغبت رکھتے تھے۔ اقبال سنگھ کی ان تحریروں سے معترضین اقبال نے کافی فائدہ اٹھایا۔عبدالمجید سالک کی ذکرِ اقبال ۱۹۵۵ میں شائع ہوئی جس میں اُنھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ اقبال کا عنفوان شباب دوسرے نوجوانوں سے مختلف نہ تھا۔آسی ضیائی کی کتاب کلام اقبال کا بے لاگ تجزیہ ۱۹۵۷ میں شائع ہوئی۔آسی کے خیال میں اقبال کی جنسی محبت پر مشتمل نظمیں یورپ کی بے قید رنگینیوں کا نتیجہ ہیں۔آسی ضیائی کلام اقبال کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ اقبال کو ابتدا میں محبت میں کامیابی اور بعد میں ناکامی ہوئی جس کا اظہار دوسری منظومات کے علاوہ "عاشق ہرجائی" سے ہوتا ہے۔[۳۲]

پروفیسر محمد عثمان کا مقالہ بعنوان" حیات اقبال کا جذباتی دور"۱۹۵۹ میں مجلّہ اقبال میں شائع ہوا اُنھوں نے اقبال کی واقعاتی نظموں کو عطیہ فیضی کے ساتھ جوڑ دیا اُن کا موقف ہے کہ جس گل کی جستجو اقبال کو تڑپاتی تھی اور جو خوبی قسمت سے اُنھیں مل گیا وہ عطیہ فیضی کا وجود تھا بقول پروفیسر عثمان اقبال یورپ سے ایسا ذہن لے کر آئے جو اُنھیں نئی شادی اور نئی ازدواجی زندگی پر مجبور کر رہا تھا۔

محمد عظیم کا مضمون "اقبال ایک حسن پرست" مارچ اپریل ۱۹۶۲ میں کراچی سے شائع ہوا،اسی سال عظیم فیروز آبادی کا مضمون "اقبال کی حیات معاشقہ" کے نام سے کراچی سے شائع ہوا۔ان مضامین میں کم وبیش یکساں قسم کے اعتراضات اقبال پر لگائے گئے ہیں مثلاً لندن جانے سے قبل اقبال کی لاہوری زندگی کافی رنگین تھی۔یورپ میں اُنھیں ایسا ہی ماحول ملا۔وکالت کے دوران مرزا جلال الدین کے ہاں ٹھہرتے تھے۔ وہاں ٹھہرنا اُن کا روزمرہ کا معمول تھا جہاں رقص وسرور کی محفل ہوتی تھی،وکٹوریہ کالج کی طالبہ کو پھنسایا،بیوی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی،ہیرامنڈی سے اُن کی دلچسپی کوئی ڈھکی چھپی نہیں تھی وغیرہ۔[۳۳]

حامد جلالی کی کتاب علامہ اقبال اور اُن کی پہلی بیوی ۱۹۶۷ میں شائع ہوئی جو دراصل آفتاب اقبال نے حامد جلالی سے لکھوائی جس میں اقبال کی حیات معاشقہ کو بیان کیا گیا ہے۔محمد امین زبیری نے خدوخال

اقبال میں اقبال کی شخصیت پر بھی ایسے اعتراضات لگائے ہیں "شاعر" بمبی کا "اقبال نمبر" اور انشا کلکتہ کا ادیبوں کا حیات معاشقہ نمبر ۱۹۸۸ اور ۱۹۹۰ میں شائع ہوئے جن میں اقبال کی رنگ رلیوں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ تارا چرن رستوگی نے اپنی کتاب *Iqbal in Final Countdown* میں علامہ اقبال پر سنگین تر الزامات لگائے ہیں اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اقبال کا اُبلتا ہوا شباب چکلوں میں تسکین پاتا تھا۔[۳۴]

اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے عطیہ فیضی، اقبال سنگھ، عبدالمجید سالک، آسی ضیائی، پروفیسر محمد عثمان، محمد عظیم، محمد عظیم فیروز آبادی، حامد جلالی، محمد امین زبیری، تارا چرن رستوگی، سلیم احمد اور جوش ملیح آبادی وغیرہ کے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ اور اُنھوں نے ان تمام اشخاص کے الزامات کا جواب مدلّل تاریخی اور تحقیقی حوالوں سے دیا ہے۔ اُن کے جوابات کا انداز ایسا ہے کہ ہر بات اور ہر اعتراض کو اُنھوں نے مستند تحقیقی حوالوں سے پرکھا ہے اور جو جوابات دیے ہیں وہ تحقیقی روایت اور حوالہ جات سے مستند ہیں۔ جبکہ معترضین کے زیادہ تر اعتراضات تحقیقی حوالے سے غلط ہیں ڈاکٹر تارا چرن رستوگی کے الزامات کے حوالے سے اُن ہی کے الفاظ پر بحث کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ:

رستوگی نے عبارت نقل کرتے ہوئے ہیرا پھیری سے کام لیا ہے۔ موصوف نے گابا کے الفاظ کو اس طرح درج کیا ہے۔

Iqbal had married a girl much younger to him and so had serious peroblems. دونوں عبارتوں میں الفاظ کا فرق ہے۔ گابا کے لفظ Woman کو رستوگی نے Girl لکھا ہے اور This Problems کو Serious Problems بنا دیا ہے۔ جو شخص عبارت نقل کرتے ہوئے بددیانتی کا ارتکاب کرسکتا ہے وہ اور کیا کچھ نہیں کرسکتا۔ چناں چہ رستوگی اور فیروز آبادی کی تحقیق کو طریقہ واردات کہنا چاہیے۔[۳۵]

چھٹے باب کا عنوان ہے " پہلی بیوی اور آفتاب سے ناروا سلوک ہے" علامہ محمد اقبال نے تین شادیاں کی تھیں۔ پہلی شادی والدہ آفتاب اقبال سے کی تھی جو گجرات کی رہنے والی تھی، جو علامہ اقبال کی وفات کے بعد بھی زندہ رہیں اور مارچ ۱۹۴۷ میں اُن کا انتقال ہوا۔ عدم ذہنی ہم آہنگی کی وجہ سے یہ شادی کامیاب نہ ہوسکی۔ طلاق کے بارے میں علامہ اقبال نے بیوی کی رائے معلوم کی مگر وہ اس کے لیے آمادہ نہ ہوئی۔ دونوں کے درمیان طے شدہ معاہدے کے تحت علاحدگی ہوگی اور علامہ اقبال تادم حیات طے شدہ خرچہ اُنھیں ادا کرتے رہے۔

معترضین اقبال نے اس حوالے سے علامہ اقبال پر اعتراضات کیے۔ اس حوالے سے مختلف مضامین لکھے گئے

اور پوری کی پوری کتابیں بھی تصنیف کی گئی۔سید حامد جلالی کی کتاب علامہ اقبال اور اُن کی پہلی بیوی ۱۹۴۷ میں شائع ہوئی۔اس کے حقیقی مصنف علامہ اقبال کے بیٹے آفتاب اقبال تھے۔اُنھوں نے معلومات فراہم کیں اور حامد جلالی کا قلم استعمال ہوا۔کتاب کے دوسرے اڈیشن کی ناشر بیگم آفتاب اقبال ہیں۔اسی طرح ڈاکٹر منیر احمد سلیچ نے اپنی کتاب" اقبال اور گجرات " میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے کہ کریم بی بی مطلق مظلوم تھیں اور علامہ اقبال ہر حال میں اُن سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے۔اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے ان حقائق کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھ کر اصل حقائق سامنے لائے ہیں۔اس باب میں نور محمد قادری کے مضمون "علامہ اقبال اور اُن کے خاندان کی کردار کشی کی مذموم کوشش" کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ بیگم آفتاب اقبال کے مضمون کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ڈاکٹر ایوب صابر نے ان اسباب کی نشاندہی کی ہے جن کی وجہ سے علامہ اقبال نے آفتاب اقبال سے علاحدگی اختیار کی۔

ساتویں باب کا عنوان "سر کا خطاب" ہے۔یکم جنوری ۱۹۲۳ کو علامہ محمد اقبال کو سر کا خطاب ملا۔اس خطاب کے حصول کے لیے اُنھوں نے کسی قسم کی ذاتی کوشش و کاوش نہیں کی۔اس سلسلے میں علامہ اقبال مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کے نام ۲۴ جنوری ۱۹۲۳ کو ایک خط لکھتے ہیں:

> ''سرکار نے میرے خطاب کے متعلق جو کچھ سنا ہے صحیح ہے۔یہ اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ ہونے اور اس پر یورپ اور امریکہ میں متعدد ریویو چھپنے کا نتیجہ ہے۔''[۳۶]

ڈاکٹر صاحب کی اس عزت افزائی پر مقبرہ جہانگیر میں ۱۷ جنوری ۱۹۲۲ میں ان کے اعزاز میں ایک عظیم الشان دعوت کا اہتمام کیا گیا جس میں عمائدین شہر اور گورنر پنجاب بھی شریک ہوئے۔[۳۷]

کچھ لوگوں نے علامہ اقبال کے لیے سر کے خطاب کو ناپسند کیا۔بعض اخباروں کے اڈیٹروں اور شاعروں نے اقبال پر چوٹیں کیں۔عبدالمجید سالک کی ایک نظم ۴ جنوری ۱۹۲۳ کو اخبار زمیندار میں شائع ہوئی جس میں اُنھوں نے اقبال کے خطاب کو ہدف تنقید بنایا بقول اُن کے ۔۔سرکار کی دہلیز پر سر ہو گے اقبال۔[۳۸]

سالک نے اپنے کالم میں بھی اقبال کو ہدف تنقید بنایا۔محمد علی جوہر بھی اقبال کو سر کا خطاب ملنے پر معترض تھے۔ بندے ماترم ہندوؤں کا اخبار تھا جس نے اقبال پر یہ الزام لگایا کہ اقبال کو سر کا خطاب گذشتہ اور آئندہ سیاسی خدمات کے صلے میں ملا ہے۔[۳۹]

ہندوؤں، ہندی قوم پرست مسلمانوں، قادیانیوں اور اقبال مخالف دوسرے لوگوں کی طرف سے اس اعتراض کو اب تک دہرایا جا رہا ہے۔ شیخ عبدالماجد نے اپنی کتاب اقبال اور احمدیت میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اقبال انگریزوں کے وفادار ہیں اور سر کا خطاب اُنھیں انگریز وفاداری کے صلے میں ملا ہے۔ سر کے خطاب پر جوش ملیح آبادی نے شدید اعتراضات کیے ہیں روزنامہ جنگ کے ایک اخباری کالم میں اُنھوں نے سر کا خطاب قبول کرنے کو غداری قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اور اس خون کھولا دینے والے موقع پر جب کہ ہندوستان کے راہ نماوں کے سروں پر ڈنڈے برس رہے تھے اور اُن کو جیل کی کوٹھڑیوں میں ٹھونسا جا رہا تھا اس وقت ہم شعرائے اردو اپنی غداری کی صلے میں انگریز سرکار سے خان بہادر اور سر کے خطاب وصول پا رہے ہیں۔''[۴۰]

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر ایواب صابر رقمطراز ہیں:

''خطاب پر تبصرہ ہندی متحدہ قومیت کے نقطہ نظر سے ہے۔ ہندوستان کے مذکورہ راہ نما اقبال کے نقطہ نظر سے غلط کر رہے تھے۔ خود جوش ملیح آبادی نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی اور پھر اقبال کو پاکستان میں آ کر غدار کہا۔۔۔ ہم شعرائے اُردو کہہ کر جوش نے اپنی سطح اقبال کے برابر کی ہے اور اقبال پر غداری کا الزام عائد کر کے خود کو بزعم خود ممتاز اور اقبال کو مہندم کر دیا ہے۔''[۴۱]

اس باب میں ڈاکٹر ایوب صاحب نے عبد المجید سالک، مولانا ظفر علی خان، مولانا محمد علی جوہر، شیخ عبد الماجد اور اخبارات و رسائل میں اقبال کے سر کے خطاب کے خلاف جو مضامین شائع ہوئے ہیں ان کا مکمل تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا ہے۔

آٹھویں باب کا عنوان ہے۔ "انگریز سرکار سے وفاداری" ہے۔ ہندوؤں اور قوم پرست مسلمانوں نے علامہ اقبال پر انگریزوں کا وفادار ہونے کا الزام عائد کیا۔ اس الزام کو کو زیادہ تقویت قادیانی مکتب فکر کے حامل افراد نے دی۔ چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی انگریزوں کے وفادار اور ان کے خوشہ چین تھے۔ لہذا ان افراد نے اقبال پر بھی یہ اعتراض لگایا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اقبال بھی انگریز سرکار کے وفادار تھے۔ اس باب میں انگریز سرکار سے

وفاداری کے جو الزامات علامہ اقبال پر عائد کیے گئے ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ انگریزوں کی ایما پر علامہ محمد اقبال ہند مسلم اتحاد میں رخنہ انداز ہوئے اور انھوں نے مسلمانوں کو الگ قومیت کے جذبے پر اُبھارا۔

۲۔ علامہ محمد اقبال انگریز سرکار کے حامی اور وفادار تھے اس لے دوسری اور تیسری گول میز کانفرنسوں میں شرکت کے لیے انھیں نامزد کیا گیا۔

۳۔ علامہ محمد اقبال نے انگریزوں کے اشارے پر خطبہ الہٰ آباد میں الگ قومیت کا تصور پیش کیا جس کی وجہ سے تقسیم برصغیر عمل میں آئی۔

۴۔ سر محمد شفیع نے انگریزوں کے اشارے پر مسلم لیگ سے علاحدگی اختیار کی اور علامہ محمد اقبال نے سر محمد شفیع کی حمایت کی۔

۵۔ علامہ محمد اقبال نے سائمن کمیشن سے تعاون کیا۔

۶۔ انگریز سرکار سے سر کا خطاب وصول کیا۔

۷۔ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں حصہ نہیں لیا۔

۸۔ انگریز حکام کی تعریف میں نظمیں لکھیں۔

۹۔ علامہ اقبال نے پنجاب کونسل کی رکنیت حاصل کی اس طرح انھوں نے انگریزوں کے نظام حکومت سے تعاون کیا۔

۱۰۔ برطانوی استعمار کو مضبوط کرنے کے لیے انگریز عہداروں کی تعداد میں اضافے کا مطالبہ کیا۔

شیخ عبدالماجد کا تعلق قادیانی گروہ سے ہے انھوں نے فرزندِ اقبال ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب زندہ رود کا جواب لکھا۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے زندہ رود میں علامہ اقبال پر متذکرہ بالا الزامات کی تردید کی تھی۔ جبکہ شیخ عبدالماجد نے ان الزامات کا دفاع کیا ہے۔

۱۲/اگست ۱۹۲۷ء سے ۲۱ اگست ۱۹۲۷ء تک محمد علی جوہرؔ نے پانچ مضامین علامہ اقبال کے خلاف تحریر کر کے

ہمدرد میں شائع کیے۔ ان مضامین میں علامہ اقبال پر اقبال کی پنجاب کونسل کی رکنیت، تحریک ترک موالات، تحریک خلافت سے عدم تعاون وغیرہ پر اعتراضات کیے ہیں۔ اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے اقبال پر انگریز سرکار سے وفاداری کے حوالے سے جو الزامات ہندوؤں، قوم پرست مسلمانوں اور قادیانیوں کی طرف سے لگائے گئے ہیں ان کا جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے تمام الزامات کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا ہے اور تحقیقی حوالہ جات سے یہ بات ثابت کی ہے کہ یہ تمام الزامات صرف اقبال دشمنی پر مبنی ہیں اور ان کی کوئی تحقیقی سند نہیں ہے۔

نویں باب کا عنوان ہے" مغرب دشمنی " علامہ محمد اقبال نے اپنے کلام میں جا بجا مغربی تہذیب وتمدن کی خامیوں پر نکتہ چینی کی ہے اور انھوں نے مسلم معاشرے کو مغربی تہذیب کے مضر اثرات سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ مغربی تہذیب وتمدن میں خوبیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی۔ تہذیبی نقطہ نظر سے اقبال کی نظر اس تہذیب کے دونوں پہلوؤں پر تھی بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ علامہ اقبال نے مغربی تہذیب وتمدن کی ہر چیز پر اعتراضات کر کے انصاف کا ثبوت نہیں دیا۔

اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے خلیفہ عبدالحکیم کے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم نے اپنی کتاب فکر اقبال میں مغربی تہذیب وتمدن پر علامہ اقبال کی تنقید میں علامہ اقبال کے اس تصور پر الزامات لگائے ہیں۔ خلیفہ عبدالحکیم کے الزامات کا لب لباب حسب ذیل ہے:۔

۱۔ اقبال کو مغربی تہذیب کے اندر و باہر پر فساد ہی فساد نظر آتا ہے۔

۲۔ اقبال غلبہ فرنگ سے اتنا بیزار ہے کہ وجد آفریں غزلوں میں بھی اس کے ذکر سے باز نہیں رہ سکتا۔

۳۔ اقبال کے نزدیک مغربی تہذیب کارخانہ ابلیسی تجلی ہے۔

۴۔ علامہ اقبال اپنی غزلوں میں حکمت وعرفان، تصوف اور ذوق وشوق کے اشعار کہتے کہتے یونہی ایک آدھ ضرب مغرب کو رسید کر دیتے ہیں۔[۴۲]

کلام اقبال میں مغربی تہذیب سے اختلاف کے جو پہلو ملتے ہیں اُن کی مخصوص وجوہات ہیں وہ جا بجا مغرب پر ضرب رسید کرنے کے قائل نہیں اور نہ ہی علامہ اقبال جیسے مفکر اور فلسفی سے یہ توقع کی جاسکتی ہے۔ علامہ اقبال نے مشرق اور مغرب کے علوم کا وسیع مطالعہ کیا تھا اور اُنھوں نے دونوں تہذیبوں کے اچھے اور برے پہلوؤں پر بحث کی

ہے اور مغربی تہذیب کے صرف اُن پہلوں کو ہدف تنقید بنایا جو مسلمان معاشرے کے لیے مضر تھے اور جہاں تک مغربی تہذیب کے اچھے پہلوؤں کا تعلق ہے اقبال کبھی بھی اس کے منکر نہیں تھے۔ اقبال کے نزدیک مغربی تہذیب کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ یہ تہذیب مادی ترقی اور کسبِ زر ہی کو زندگی کی معراج سمجھتی ہے اس تہذیب کی بنیاد عقلیت پرستی پر رکھی گئی ہے۔ اگرچہ اس تہذیب نے سائنس کی مدد سے مظاہر فطرت کو تسخیر کیا لیکن بحثیت مجموعی ہلاکت آفرینی کے اسباب پیدا کیے۔ اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے ارشاد احمد حقانی کے حوالے ڈاکٹر جاوید اقبال کا بیان کہ اقبال آخر وقت تک اپنے آپ کو صاف نہ کر سکے کہ تہذیب مغرب کے بارے میں ان کا رویہ درپیش لا تعدد فکری حوالوں سے کیا ہونا چاہیے تھا کا محاکمہ بھی کیا ہے۔ جس سے اس سلسلے میں ڈاکٹر ایوب صابر کی اقبال شناسی اور تنقیدی بصیرت واضح ہوتی ہے۔ انہوں نے اس بیان پر فرزند اقبال ڈاکٹر جاوید اقبال کی گرفت کی ہے ڈاکٹر جاوید اقبال کی فرزند اقبال کی حیثیت ڈاکٹر ایوب صابر کو اس بات سے نہیں روک سکی کہ وہ فرزند اقبال کی کسی غلط بیانی جو انھوں نے اپنے والد کے بارے میں کی ہو اس کا محاکمہ نہ کریں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ایوب صابر رقمطراز ہیں:

> ’’جسٹس جاوید اقبال نہ صرف فرزند اقبال ہیں بلکہ ماہرین اقبال میں بھی ممتاز مقام رکھتے ہیں، تاہم جدید وقدیم کے جامع اتنے نہیں جتنا جدیدی ہیں۔ اقبال شناسی کے ضمن میں ٹھوکریں بھی کھائی ہیں۔‘‘[۴۳]

اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے خاص طور پر خلیفہ عبدالحکیم کے مغربی تہذیب کی خامیاں اور مغرب دشمنی کے حوالے سے علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ تحقیقی وتنقیدی حوالے سے لیا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر بیان کرتے ہیں:

> ’’مغرب میں خامیاں اور خوبیاں دونوں ہیں۔ تہذیبی نقطہ نظر سے اقبال کی نظر دونوں پر رہی ہے۔ البتہ مغرب کا استعماری کرداری اقبال کی زبردست تنقید کا ہدف بنا ہے۔ اس وجہ سے بعض فضلاء نے اقبال پر مغرب دشمنی کا الزام عائد کر دیا۔ ان فضلا میں ایک نمایاں نام خلیفہ عبدالحکیم کا ہے۔ وہ اقبال شناس ہونے کے باوجود بعض اوقات بہک جاتے ہیں۔‘‘[۴۴]

دسویں باب کا عنوان ’’شاہ پرستی اور مسلم سامراجیت‘‘ ہے۔ اقبال پر بادشاہوں کی مدح سراہی اور شاہ پرستی کے

الزامات بھی لگائے گئے ہیں۔ ان معترضین میں پروفیسر رالف رسل، فراق گورکھ پوری، طارق سعید، ڈاکٹر یوسف، علی حیدر میر، حمید نسیم وغیرہ شامل ہیں۔

رالف رسل معترض ہیں کہ اقبال جاوید نامہ میں ایرانی بادشاہ نادر شاہ اور اس کے افغانی جانشین احمد شاہ ابدالی کے مدح سرا ہیں جبکہ یہ دونوں حکمران ظالم اور جابر تھے۔ ان حکمرانوں نے ہزاروں مسلمانوں کو قتل کیا اور وسیع پیمانے پر لوٹ مار کی۔۔۔[۴۵]

طارق سعید کے نزدیک مسجد قرطبہ مسجد ضرار ہے اور ملوکیت کی علامت ہے۔ ڈاکٹر علی حیدر میر اس بات پر معترض ہیں کہ اقبال نے عزت نفس کا پاس نہیں رکھا مہاراجہ شری کشن پرشاد کو والا تبار لکھنا، اعلیٰ حضرت شہید امیر المومنین نادر شاہ غازی اور اعلیٰ حضرت نواب سر حمید خان فرمانروائے بھوپال کی قصیدہ خوانی اقبال کے منصب کے خلاف تھی۔[۴۶]

حمید نسیم کے نزدیک مرد کامل یا غلام پختہ کار کا عیارانہ تصور میکاولی کا ہے۔[۴۷]

یوسف ثانی کا خیال ہے کہ اقبال کا تصور اسلام سامراجی استعماری تھا کیونکہ وہ دوسرے مذاہب پر مسلمانوں کے غلبے کے قائل تھے۔[۴۸]

ان الزامات کی روشنی میں حسب ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱۔ کیا اقبال نے ذاتی اور مالی فوائد کے حصول کے لیے بادشاہوں، اہل ثروت اور خوانین کی عقیدہ خوانی کی؟

۲۔ کیا علامہ اقبال کا تصور مرد کامل میکاولی سے ماخوذ ہے؟

۳۔ علامہ اقبال نے نادر شاہ درانی اور احمد شاہ ابدالی کو مردان مومن کیوں قرار دیا؟

۴۔ کیا علامہ اقبال فاشزم کے قائل ہیں اور کیا وہ غیر مسلم ممالک پر استعمار کرنا چاہتے ہیں؟

۵۔ کیا اقبال کا تصور استعماری ہے؟

اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے ان تمام اعتراضات اور سوالات کے تسلی بخش جواب تحقیقی انداز میں دیے ہیں وہ اس چیز کی وضاحت کرتے ہیں کہ اکثر معترضینِ اقبال علامہ اقبال کے اُسلوب بیان کو ان کا حقیقی نقطہ نظر اور

خیال سمجھ لیتے ہیں اور غلط نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں۔ انسان خوبیوں اور خامیوں سے مرکب ہے۔ ایک ہی شخص بیک وقت خوبیوں اور خامیوں کا مرکب ہوسکتا ہے۔ اقبال اس کی تحسین خوبی کی بنیاد پر اور تنقیص خامی کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ اقبال نے مسولینی کی تعریف ذوق انقلاب کی بنیاد پر کی ہے اور " ابی سنیا" جو کہ ضرب کلیم کی نظم ہے اس میں اسے عارت گری کی بنیاد پر کرگس اور کرگ قرار دیا ہے۔ فراق گورکھ پوری نے علامہ اقبال کی شہرہ آفاقی نظم ''شکوہ'' سے جارحیت سامراجیت اور فتح ممالک کا فلسفہ آخذ کیا ہے۔ فراق نے ان خیلات کا اظہار کیا ہے کہ ''بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے'' مضحکہ خیز ہے اور فراق گورکھ پوری کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ اس وقت اور بھی مضحکہ خیز ثابت ہوتا ہے جب علامہ اقبال اسے اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں اور پھر وہی طاقت حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ غیر مسلم اقوام کو فتح کرلیں۔ اقبال نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو غیر مسلم اقوام سے الگ رکھیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''علامہ اقبال کا نہیں فراق گورکھ پوری کا یہ دعویٰ مضحکہ خیز ہے کہ اقبال نے واقعی بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑانے کی بات کی ہے فراق نے شاعری کا نثری ترجمہ کر کے اس پر اعتراض جڑ دیا ہے جبکہ فراق خود شاعر ہیں اور جانتے ہوں گے کہ شاعری رمز و ایما پر منحصر ہوتی ہے اور ہر جگہ الفاظ کا متعین مفہوم لینا ممکن نہیں ہوتا۔''[۴۹]

گیارہویں باب کا عنوان " غیر محبّ وطن" ہے۔ ہر انسان کی سرشت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنے وطن سے محبت کرتا ہے، وطن سے محبت کا انسانی جذبہ سب جذبات پر حاوی ہے۔ علامہ اقبال کے ابتدائی کلام سے ان کے ایک محبّ الوطن شاعر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ ہر انسان کی طرح انھیں بھی اپنے وطن ہندوستان سے محبت تھی۔ ان کی بعض نظموں مثلاً ہندوستانی بچوں کا گیت، نیا شوالہ، ترانہ ہندی اور تصویر درد وغیرہ وطن پرستی کے نفیس جذبات سے بھری ہوئی ہیں جوں جوں فکر اقبال ارتقائی منازل طے کرتی گئی ان کے وطن پرستانہ جذبات کم اور ملت پرستانہ جذبات گہرے ہوتے چلے گئے۔ اقبال کی وطن کے ساتھ محبت تو مسلم ہے، لیکن جہاں تک تصور وطنیت کے ایک سیاسی نظریے کا تعلق ہے وہ اس کے شدید مخالف ہیں۔ اقبال وطن کو بت بنا کر پوجنے کے سخت مخالف ہیں کیونکہ یہ تصور اسلام کی عالمگیر روح کے خلاف ہے وہ مسلمانوں کے لیے کسی خاص خطہ ارضی کا پابند ہوکر رہنا پسند نہیں کرتے۔ اقبال وطن کی محبت میں کسی بھی

شخص سے پیچھے نہیں، لیکن وہ اس وطنیت سے بیزار ہیں جو ایک مستقل نظریہ حیات ہے، اور جس کی تبلیغ سب سے پہلے مغربی دنیا میں مخصوص اغراض و مقاصد کے تحت ایک منظم شکل میں ہوئی۔ بعض ہندوستانی راہنماوں ابوالکلام آزاد اور حسین احمد مدنی وغیرہ نے بھی مغرب کی روش پر چلتے ہوئے اس نظریہ قومیت کو اپنایا۔ اقبال نے ان راہ نماوں پر کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ اقبال نے ایسی تمام تحریکوں اور نظریوں کی مخالفت کی ہے جو عالمگیر اسلامی اخوت کے راستے کا پتھر ثابت ہوتے ہیں۔ قومیت اور وطنیت کے نظریات سے اختلافات سے عدم واقفیت کی بنا پر معترضین و مخالفین اقبال نے علامہ اقبال کے الہامات شعر میں تضاد و تناقض ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے ان الزامات کا جائزہ لیا ہے جو اقبال کو غیر محبّ وطن ثابت کرنے کے لیے لگائے گئے ہیں۔ اس باب میں جن معترضین کے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے ان میں آنند نرائن ملا، ڈاکٹر سچد انند سنہا، فراق گورکھ پوری اور ڈاکٹر تارا چرن رستوگی شامل ہیں۔

ڈاکٹر سنہا نے ترانہ ہندی کو سچا اور کھرا ترانہ ہندی ماننے سے انکار کر دیا ڈاکٹر سہنا نے اپنی کتاب *Iqbal the poet and his Massage* میں اقبال کی محبّ الوطنی کو مشکوک قرار دیا ہے۔ انھوں نے اقبال کی شاعری پر اعتراض کیا ہے کہ یہ فارسی میں ہے اور اردو کلام بھی فارسی کی ملاوٹ سے پاک نہیں اس سے ان لوگوں کی تشفی نہیں ہوتی جو اعلیٰ شاعری کے دلدادہ ہیں اقبال مسلم ممالک کی سیاسی صورت حال کا صحیح ادراک نہیں کر سکے اس وجہ سے وطنی قوم پرستی کے بجائے اسلامی بین الاقوامیت کی تبلیغ کرتے رہے۔ ڈاکٹر سنہا اقبال کے خطبہ الہ آباد پر بھی معترض ہیں کہ یہ انھوں نے مایوسی کے عالم میں دیا ہے۔ فراق گورکھ پوری معترض ہیں کہ اقبال کی شاعری میں غصے اور مایوسی کا اظہار ہے انھیں ہندوستان سے باہر اسلامی نشاۃ ثانیہ کہیں نظر نہیں آتی۔ ڈاکٹر سنہا معترض ہیں کہ اقبال نے فارسی شاعری کیوں کی ہے؟ سنہا صرف اسی بات پر معترض نہیں بلکہ انھیں تو یہ بھی اعتراض ہے کہ اقبال نے اردو شاعری فارسی آمیز کیوں کی ہے؟ سنہا نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ اقبال شکتی، شانتی اور بھگتوں والی اردو لکھتے۔ سنہا کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر ایوب صابر رقمطراز ہیں:

> ”اقبال کی فارسی گوئی پر اعتراض مسلمانوں کی ایک اہم زبان سے ہندی مسلمانوں کے تعلق کو ختم کرنا ہے۔ اقبال کے اردو کلام میں فارسیت کی امیزش پر اعتراض اور ایسی اردو سے اعلیٰ شاعری کے دلدادہ ہندووں کی بیزاری کی نشاندہی کا مقصد یہ

ہے کہ مسلمان اردو کو چھوڑ کر ہندی اختیار کر لیں۔'' ۵۰

بارھویں باب کا عنوان ''فارسی گوئی'' ہے۔ علامہ اقبال اردو اور فارسی کے عظیم شاعر ہیں۔ انھوں نے اپنے فکر و فلسفہ کے اظہار کے لیے ان دونوں زبانوں کو استعمال میں لایا۔ ابتدا میں اقبال نے اردو زبان میں شاعری شروع کی مگر جوں جوں اقبال کا مطالعہ وسیع ہوتا گیا اور دقیق خیالات کے اظہار کو جی چاہا تو وہ فارسی کی طرف مائل ہوئے۔ خیالات کتنے ہی بلند ہوں اگر انھیں مناسب شاعرانہ زبان میں ادا نہ کیا جائے تو وہ اپنی تاثیر کھو بیٹھتے ہیں۔ فارسی زبان کا وسیع علمی و ادبی سرمایہ ہے۔ بقول عبدالسلام ندوی:

''فلسفیانہ اور صوفیانہ خیالات ادا کرنے کے لیے دنیا کی زبانوں میں فارسی زبان سے بہتر کوئی زبان نہیں۔'' ۵۱

اقبال کی فارسی شاعری میں غنائی کیفیات موجود ہیں۔ فارسی غزلیات غنایت، رنگینی، دلکشی اور اثر آفرینی میں کسی بھی طور پر ایرانی فارسی شاعری (سبک ایرانی) سے کم نہیں۔ اقبال کی فارسی شاعری کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس دیار میں اجنبی نہیں ہیں۔ اقبال کی شاعری کا اولین مجموعہ بھی فارسی زبان میں ہے۔ کسی بھی انسان پر یہ پابندی نہیں لگائی جاسکتی کہ وہ صرف مادری زبان ہی میں شاعری کرے۔ اقبال کی مادری زبان تو پنجابی تھی، مگر انھوں نے پنجابی میں شاعری نہیں کی۔ اگر انسان کی مادری زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں پختہ مشق ہو تو وہ اس میں خیالات کا اظہار کر سکتا ہے ہر ایک زبان میں لکھا جا سکتا ہے اصل بات تو خیال کی ہے۔ معترضین ومخالفین اقبال نے اقبال دشمنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ان کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ کوئی بھی نکتہ مل جائے اور اسے اقبال کی عظمت کے خلاف اچھالا جائے، اس طرح بعض معترضین نے اقبال کی فارسی شاعری پر الزامات لگائے ہیں۔ اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے اقبال سنگھ، ایچ۔ ٹی سورلے، رالف رسل اور ڈاکٹر سچد انند سنہا کے ان اعتراضات کا تحقیقی انداز میں جائزہ لیا ہے جو انھوں نے اقبال کی فارسی گوئی پر کیے ہیں۔ سورلے اس بات پر معترض ہیں کہ جو شخص ایرانی نہیں اور جس کی مادری زبان فارسی نہیں اس کا فارسی میں شاعری کرنا سوائے تکلف اور زور طبع کے کچھ نہیں۔ رالف رسل معترض ہیں کہ اقبال نے یہ سوچ کر فارسی شاعری کی کہ اس طرح ان کی رسائی برصغیر سے باہر تک ہو جائے گی۔ ڈاکٹر سنہا اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اقبال کے فارسی مجموعے معلمانہ ناصحانہ، فلسفیانہ اور دینی موضوعات پر مشتمل ہیں ان میں جذبے اور تاثر کی کمی ہے۔ اقبال کی فارسی شاعری کو نہ ہی تو ہندوستان اور نہ فارسی جاننے والے ممالک کی آئندہ نسلیں پڑھیں گی۔

اور اقبال کی فارسی شاعری کو تو ایران نے بھی قبول نہیں کیا وغیرہ اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے اس قسم کے اعتراضات کی قلعی کھولی ہے اور انھیں تحقیقی اور تنقیدی حوالوں سے غلط ثابت کیا ہے وہ رقمطراز ہیں:

> ''اردو اور فارسی دونوں مسلمانوں کی زبانیں ہیں۔ اقبال کا شعری ذریعہ اظہار ان کے مقاصد، پسند اور سہولت کے مطابق ہے۔ اقبال کے مخاطب اولاً مسلمان ہیں اور پھر عالم انسانیت جس میں ہندو بھی شامل ہیں۔ اردو مسلمانوں اور ہندوؤں کی مشترکہ زبان تھی۔ ہندوؤں نے اردو چھوڑ کر ہندی تشکیل دے دی اور اسے اختیار کر لیا۔ اب وہ چاہیں تو کلام اقبال کو ہندی میں ترجمہ کر لیں لیکن اقبال کے حق انتخاب پر معترض ہونے کا کوئی جواز نہیں۔''[۵۲]

تیرھویں باب کا عنوان ''تضاد فکر و عمل'' ہے۔ اس باب میں معترضین نے اقبال کے افکار اور فکر و عمل پر اعتراضات کیے ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر جو مسلمانوں کے ایک سیاسی راہ نما تھے، انھوں نے بھی فکر اقبال کے انہدام میں بھرپور کوشش کی ہے ہمدرد میں پانچ مضامین اقبال کی مخالفت میں شائع کیے۔ مولانا ظفر علی خان نے کانگرس کی حمایت اور علامہ اقبال کی پرزور مخالفت کی۔ علامہ اقبال کو انگریز کا اقبال اور آزادی کی قبر کھودنے والا کہا۔ ظفر علی خان کے ان بے جا الزامات کو دوسرے معترضین نے سچ سمجھا۔ ظاہر ہے جب بڑے بڑے مسلمان قائدین نے اقبال کو انگریزوں کا آلہ کار سمجھا تو ان کے نام لیواؤں نے اپنے آقاؤں کی باتوں کو تو درست ہی ماننا تھا۔ اس طرح بہت سی غلط روایات علامہ اقبال کے خلاف لوگوں میں پھیل گئی۔ عبدالمالک آروی اس بات پر معترض نظر آتے ہیں کہ اقبال عملی دنیا میں تن آسان اور عافیت کوش تھے عتیق صدیقی اقبال کی زندگی کو دو خانوں میں تقسیم کرتے ہیں ایک کا تعلق فکر سے اور دوسرے کا تعلق عمل سے ہے ان کے بقول، فکر کی دنیا میں اقبال آزاد تھے جبکہ عمل کی دنیا میں وہ کوئی بھی ایسا قدم نہیں اٹھائے تھے جس سے حکومتی ناراضی کا اندیشہ ہو۔[۵۳] صاحبزادہ اقتدا احمد خاں نے اقبال کی شاعری پر بھی تنقید کی ان کی لسانی اغلاط کی نشاندہی بھی کی اور علامہ کی عملی زندگی پر بھی اعتراضات کیے۔ ان کے بقول علامہ کا پورا گھرانہ فرنگیت سے متاثر نظر آتا ہے۔[۵۴]

اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے مولانا محمد علی جوہر مولانا ظفر علی خان، آل احمد سرور عبدالمالک آروی، عتیق صدیقی اور صاحبزادہ اقتدار احمد خان کے ان اعتراضات کا جائزہ لیا ہے جو اقبال کے تضاد فکر و عمل کے حوالے

سے لگائے گئے ہیں۔

چودھویں باب کا عنوان ''بے عملی'' ہے۔اس عنوان سے مخالفینِ اقبال معترض ہیں کہ اقبال نے شاعر کی سطح سے تجاوز نہیں کیا اور جن لوگوں نے اس سے زیادہ توقعات اقبال سے وابستہ کی ہیں وہ غلطی پر ہیں۔اقبال عملی انسان نہیں تھے۔اقبال عملی جدو جہد سے عاری تھے اور طبعاً رومانی تھے۔اقبال پبلک کے آدمی نہیں تھے وہ فلسفی زیادہ اور عملی سیاست دان کم تھے۔اقبال نے ایک جامد اور بے عملی کی زندگی گزاری۔انھوں نے ایسے واقعات میں بہت کم حصہ لیا ہے جو تخیل انسانی کو متحرک کرتے۔اقبال سیاسی اور عملی زندگی کے مرد میدان نہ تھے۔اقبال کی شاعری خیالی ہے اور ایسی شاعری بے عملی کی طرف کھینچتی ہے۔اس قسم کے الزامات کا جائزہ ڈاکٹر ایوب صابر نے اس باب میں لیا ہے اس باب میں جن معترضین کے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ان میں مولانا محمد علی جوہرؔ، عبدالمالک آروی، علی عباس جلالپوری، ڈاکٹر سچد آنند سنہا، سلیم احمد اور امین زبیری شامل ہیں۔

علامہ اقبال کی شاعری ایک وسیع سوچ اور فکر کی حامل شاعری ہے اقبال نے فلسفے اور ادب کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور ایک انقلابی ذہن رکھنے والے تھے۔حیات اقبال کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اقبال نے جامد اور پناہ گزین زندگی بسر نہیں کی۔وہ اپنے افکار کے ساتھ ساتھ جسمانی طور پر بھی فرائض کی بجا آوری میں سرگرم رہے وہ اپنی زندگی میں مختلف معرکوں سے گزرے انھوں نے رہبانیت اختیار نہیں کی۔اس سلسلے میں ڈاکٹر ایوب صابر رقمطراز ہیں :

> ''اقبال کا نامہ اعمال ان لیڈروں کی نسبت زیادہ ثروت اور وسعت کا حامل ہے جو ترک موالات میں حصہ لینے، دھواں دار تقریریں کرنے اور جیل کے اندر یا باہر بھوک ہڑتال کرنے کو عمل سمجھتے تھے۔اقبال کی پبلک زندگی سے ان کی گوشہ نشینی اپنے اندر زیادہ معنویت اور افادیت رکھتی ہے۔اگر اقبال سیاسی زندگی کی شورشوں پر مفکرانہ زندگی کی حمیتوں کو قربان کر دیتے تو کلام اقبال کی صورت میں ہمارے پاس جو ایک تقدیر ساز قوت ہے۔بڑی حد تک ہم اس سے محروم ہو جاتے۔''[۵۵]

علامہ اقبال کے افکار و نظریات نے مسلمانوں کی زندگی میں نئی روح پھونکی۔فکر اقبال خیالی دعوؤں پر مشتمل اور وقتی نہیں ہے۔فکر اقبال کے اثرات عملی صورت میں ظاہر ہو چکے ہیں۔اقبال نے امت مسلمہ کو گہری نیند سے جگایا اور ان کے سامنے کردار و عمل کا ایک راستا تیار کر کے رکھ دیا۔فکر اقبال ایک مشعل ہے جس سے ملت اسلامیہ نے ایک نئی راہ دیکھی

ڈاکٹر اسرار احمد نے فکر اقبال کے حوالے سے بات کرتے ہوئے لکھا ہے:

’’حضرت علامہ ہمیں وہ فکر دے گئے جو اس دور کے لاکھوں نہیں کروڑوں باعمل لوگ بھی نہیں دے سکتے تھے۔‘‘[۵۶]

پندرہویں باب کا عنوان بداعمالی ہے۔اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے سردار عبدالقیوم خان کے ان اعتراضات کا جائزہ لیا ہے جو انھوں نے خطبات ناروے میں علامہ اقبال پر لگائے ہیں۔۱۹۸۷ میں ناروے نے اپنے یوم آزادی کے موقع پر سردار عبدالقیوم خان جو کہ اس وقت آزاد کشمیر کے صدر تھے اور ڈاکٹر جاوید اقبال کو ناروے مدعو کیا گیا۔انھیں یہ دعوت ناروے میں مقیم پاکستانیوں نے دی تھی۔اس دورے کے دوران سردار عبدالقیوم خان نے اقبال کے خلاف چار تقریریں کیں دو ناروے میں جنھیں سردار قیوم نے خطبات ناروے کا نام دیا۔ایک جنگ فورم لاہور میں اور ایک میٹ دی پریس پروگرام راولپنڈی میں۔[۵۷]

سردار عبدالقیوم نے علامہ اقبال پر جو الزامات لگائے ان کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے علامہ اقبال کو اپنی بد اعمالیوں پر ندامت تھی اس وجہ سے وہ روتا تھا۔ان کے دوست ساتھی اور ان کے ساتھ بیٹھنے والے لوگ بھی گمراہی کی باتیں کرتے تھے۔علامہ نماز روزہ اور احکامات شرعیہ کی پابندی نہیں کرتے تھے۔احکامات شرعیہ کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر کے کلام سے ہدایت کا اثر سلب کر لیا تھا۔[۵۸]

اگر چہ عبادات کے تناظر میں علامہ اقبال پر اعتراضات دوسرے لوگوں نے بھی کیے ہیں لیکن اس موضوع پر زیادہ کھل کر اعتراضات سردار عبدالقیوم خان نے کیے ہیں۔ بقول ڈاکٹر ایوب صابر علامہ اقبال کے لیے بداعمالی کی اصطلاح سردار عبدالقیوم کی وضع کردہ ہے۔[۵۹]

سردار عبدالقیوم کے بیانات سطحی اور سنی سنائی باتوں پر منحصر ہیں۔علامہ اقبال کی شخصیت، علمیت اور فکر سے پوری دنیا واقف ہے۔سردار عبدالقیوم خان اگر چہ صدر آزاد ریاست جموں وکشمیر تھے مگر ان کی علمی اور ذہنی سطح اس قابل نہیں تھی کہ وہ فکر اقبال کو سمجھ سکیں جو شخص کلام اقبال کے پڑھنے سے نابلد ہو اس کا علامہ اقبال جیسے مفکر اور فلسفی پر الزام تراشی کرنا بہتان ہے۔سردار عبدالقوام واجبی سی تعلیم کے حامل تھے۔اسی وجہ بہت سے افراد نے سردار عبدالقیوم کے ان غلط بیانات پر سخت گرفت کی۔سینٹر مختار احمد خان نے تجویز پیش کی کہ آئندہ کسی جاہل شخص کو ملک سے باہر جانے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔[۶۰]

اُن اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر ایوب صابر اپنی کتاب معترضین اقبال میں رقمطراز ہیں:

> ''سردار عبدالقیوم نہ جاہل تھے اور نہ ان میں حب الوطنی کی کمی تھی اور نہ ہی اقبال کے بارے میں ان کا رویہ کسی بین الاقوامی سازش کا نتیجہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ ڈفرے والے پیر صاحب کے مرید تھے اپنے اپنے تصوف کے حلقوں میں مرید جو کچھ سنتے رہتے ہیں۔ اسے صحیح تصور کرتے ہیں اور دینی نقطہ نظر سے جانچ پرکھ کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔''[۶۱]

کے۔ ایل۔ گابا جن کا اصل نام کھینالال گابا ہے جنھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا نام خالد لطیف گابا رکھا۔ پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے وہ ہندوستان اور پنجاب کی قانون ساز اسمبلیوں کے رکن بھی رہے۔ گابا نے اپنی سوانح عمری *friends and foes* میں علامہ اقبال پر الزامات عائد کیے ہیں اور انھیں ایک مایوس انسان قرار دیا ہے۔ گابا کے بقول اقبال کم گو اور کم امیز تھے۔ اقبال جج بننے کے قابل نہیں تھے۔ اقبال کی خانگی زندگی خواشگوار نہیں تھی۔ عدالتوں میں حاضری کے دوران بھی ان کا دھیان شاعری کی طرف رہتا تھا۔ اقبال مایوسی اور تنہائی کے عالم میں فوت ہوئے۔[۶۲]

ڈاکٹر ایوب صابر کی کتاب اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ کے سولھویں باب کا عنوان مایوس انسان ہے اس باب میں انھوں نے کے۔ ایل۔ گابا کے ان الزامات کا تحقیقی جائزہ لیا ہے جو اقبال کی مایوسی کے حوالے سے لگائے ہیں ڈاکٹر ایوب صابر کی تحقیقی دیانت داری کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ معترضین ومخالفین اقبال نے علامہ اقبال پر جو الزامات لگائے ہیں وہ ہر الزام کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور اگر کوئی الزام درست ثابت ہوتا ہے تو وہ اسے کھلے دل سے قبول کرتے ہیں گابا نے اقبال پر کچھ غلط الزامات لگائے ہیں اور بہت سی جگہوں پر گابا نے اقبال کے حوالے سے درست باتیں بھی کی ہیں۔ مثلاً اقبال ایک ممتاز مسلم رہنما ایک بڑے شاعر اور ایک اچھے وکیل تھے۔ لیکن ہندو جج کے فرقہ ورانہ تعصب کی وجہ سے جج نہیں بن سکے، پاکستان کا تصور سب سے پہلے اقبال نے دیا۔ اقبال کی وفات پر پوری اسلامی دنیا نے ان کا ماتم کیا۔ اقبال خاموش اور کم گو تھے وغیرہ یہ باتیں گابا کی درست ہے اور ہر کوئی انھیں درست تسلیم کرتا ہے جبکہ کچھ باتیں غلط ہیں مثلاً اقبال مایوس انسان تھے۔ عملی زندگی میں کوئی قابل ذکر کارنامہ سرانجام نہیں دیا وغیرہ۔ ظاہر ہے ایسے الزامات درست نہیں ہیں مگر ہم گابا کو اقبال دشمن نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی دانستہ طور پر گابا نے اقبال شکنی کی کوئی کوشش کی ہے۔ اس بات کو ڈاکٹر ایوب صابر نے بھی تسلیم

کیا ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں: گابا کے الزامات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کے۔ایل۔گابا کا مقصد اقبال شکنی نہیں ہے ان کی بعض باتیں غلط اور بعض صحیح ہیں۔''۶۳

سترھویں باب کا عنوان'' نرگسیت ، رومانویت اور خوف مرگ وغیرہ'' ہے سب سے پہلے ان اصطلاحات کی تعریف ضروری ہے ۔ رومانویت زندگی کا ایسا مخصوص رویہ ہے جس میں آزادخیالی ، انا پرستی ، اُبالیت ، خود پسندی اور بغاوت کے عناصر پائے جاتے ہیں ۔ رومانویت ایک طرح کا nostalgia ہے جو مریضانہ مسلک رکھتا ہے جس میں شعور اور سنجیدگی کے بجائے بے لگام خیال پروری اور آنائی عناصر کا غلبہ ہوتا ہے ۔ نرگسیت علم نفسیات کی اصطلاح ہے جس سے خود پرستی ،محویت یا ذات مراد ہے ۔ یہ اصطلاح ایسے افراد کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو خود پرستی میں مبتلا ہوتے ہیں ۔ ایسے لوگ جو نرگسیت میں مبتلا ہوتے ہیں وہ داخلی دنیا میں گم رہتے ہیں اور اُن کا بیرونی اور عملی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر عبدالسلام سندیلوی کے الفاظ میں :

''نرگسی انسان اپنی ذات سے ان خوبیوں کی وجہ سے محبت کرتا ہے جو اس میں نہیں ہیں اور دوسروں سے ان محاسن کی بنا پر محبت اور ستائش کا طلب گار ہوتا ہے جن سے وہ مُعرا ہے۔''۶۴

اور خوف مرگ سے مراد موت کا خوف ہے یعنی ایسا شخص جو موت سے خوفزدہ ہو اور اس خوف کا اظہار اُس کے فن سے ہوتا ہو۔ ڈاکٹر عبدالسلام سندیلوی نے اپنی کتاب اردو شاعری میں نرگسیت میں اردو کے بہت سے شعرا کے ساتھ علامہ اقبال کو بھی نرگسی قرار دیا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں ایسے اشارے دیے ہیں جن سے وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اقبال کے اندر نرگسیت کا مادہ پایا جاتا تھا ۔ ان کے بقول اقبال کی شاعری میں تصوریت موجود ہے اور اقبال کے ہاں خود پسندی پائی جاتی ہے اقبال کی شاعری میں دنیا سے کنارہ کشی کا رُجحان بھی پایا جاتا ہے ۔ درجہ بالا اسباب کی بنا پر ڈاکٹر عبدلاسلام سندیلوی نے یہ بات واضح کی ہے کہ اقبال نرگسی شاعر ہیں۔ علی عباس جلالپوری نے علامہ اقبال کو رومانوی شاعر قرار دیا ہے اور انھوں نے اقبال کی رومانویت کو ان کی ناکامیوں کی اصل وجہ قرار دیا ہے ۔۶۵

سلیم احمد نے اپنی کتاب اقبال ایک شاعر میں یہ اعتراض اُٹھایا ہے کہ موت اور خوف مرگ اقبال کی

نفسیات کا سب سے گہرا مسئلہ ہے۔ اقبال موت کے مسئلے کو کبھی حل نہیں کر سکے۔[٦٦] سلیم احمد نے اقبال کی شاعری کا مصدر اور منبع موت کی خواہش میں تلاش کیا ہے سلیم احمد نے لکھا ہے کہ اقبال کا بنیادی مسئلہ نہ خودی ہے اور نہ ہی عشق و عمل ہے اور نہ ہی کوشش و عمل ہے بلکہ موت اقبال کا مرکزی مسئلہ ہے۔ اقبال اپنی شاعری کے ہر ایک حصہ میں موت سے جنگ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اقبال کے اندر خواہش مرگ موجود تھی۔ اقبال موت کی خواہش کے باوجود موت سے لڑتے رہے اور یہ ہی ان کی شاعری کا بنیادی مرکز و محور ہے۔ اقبال جذبات و محسوسات کے بجائے خیلات کو کثرت سے استعمال کرتے تھے۔ اقبال ایک ناکام آدمی تھے۔ وغیرہ

اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے متذکرہ بالا تمام الزمات کا جائزہ تحقیق اور تنقیدی انداز میں لیا ہے وہ لکھتے ہیں:

> ''اقبال کی شخصیت عظمتوں اور رفعتوں سے ہمکنار تھی اور وہ نسل انسانی کی کامل ترین شخصیت کے دلدادہ تھے۔ اُن کا دل و دماغ مشکل ترین لیکن صحیح انسانی نصب العین سے وابستہ اور پیوستہ تھا۔ اُن کی مفکرانہ شاعری اسی ایک نکتے پر یکسو ہو جانے کا نتیجہ ہے۔ یہ مقام بے خدا علوم بشمول نفسیات کے دائرہ کار سے باہر اور اُن کی سطح سے بلند و برتر ہے۔''[٦٧]

سلیم احمد کی کتاب پر ڈاکٹر ایوب صابر نے تبصرہ کرتے ہوئے یہ بات واضح کی ہے کہ نفسیاتی تجزیہ کرنے کے لیے زیر تجزیہ شخص کے تمام معاملات کو مکمل ہمدردی کے ساتھ سمجھنا ضروری ہوتا ہے مگر پوری کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیم احمد کو اقبال سے صرف منفی قسم کی دلچسپی ہے۔ اور ڈاکٹر ایوب صابر نے یہ بات واضح کی ہے کہ اقبال کی مفکرانہ شاعری کا بنیادی مسئلہ موت نہیں بلکہ اسلامی نشاۃ ثانیہ ہے۔ کتاب کے آخر میں ضمیمے کے طور پر دو مضامین بعنوان اقبال دشمنی ایک مطالعہ کے خلاف ردعمل اور اقبال دشمنی ایک مطالعہ پر اے۔ یو۔ جیرال کا تبصرہ شامل ہے۔ اس کے علاوہ چھے کتابوں کے عنوانات کی مکمل فہرست بھی شامل ہے۔

۳: کلام اقبال پر فنی اعتراضات (ایک جائزہ)

ڈاکٹر ایوب صابر کی کتاب کلام اقبال پر فنی اعتراضات (ایک جائزہ) اقبال کا اُردو کلام زبان و بیان کے چند مباحث کے نام سے پہلی مرتبہ ۲۰۰۳ میں مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد سے شائع ہوئی۔

کتاب کے دوسرے اڈیشن میں فتح محمد ملک کی مشاورت سے نام میں تبدیلی کی گئی اور اس کا نام کلام اقبال پر فنی اعتراضات (ایک جائزہ) رکھا گیا۔ دوسرا اڈیشن پورب اکادمی اسلام آباد نے ۲۰۱۰ میں شائع کیا۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے اقبال دشمنی ایک مطالعہ سے معترضین و معاندین اقبال کے خلاف نبرد آزما ہونے کا سفر ۱۹۹۳ میں شروع کیا تھا۔ اس سلسلے میں اُنھوں نے اقبال کی شخصیت اور فکروفن پر ہونے والے اعتراضات کے مدلّل جوابات دیے اس کتاب میں وہ اقبال کے اُردو کلام پر زبان و بیان کے اعتراضات کے جائزے تک آپہنچے ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت وافادیت کے حوالے سے پروفیسر فتح محمد ملک لکھتے ہیں:

> ''یہ کتاب اقبال کے ماہرین کے لیے بھی انتہائی مفید ہے۔ اور ادبیات کے طالب علموں کی تعلیم و تربیت کے لیے بھی اہم ہے۔ اس کتاب میں زبان و بیان اور اُسلوب و ادا کے اسرار و رموز صفحہ در صفحہ منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ فن شاعری اور قدرت کلام پر دسترس حاصل کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔
> یہ کتاب تحقیق و تنقید کے لیے بھی اتنی ہی گہری دلچسپی کا سامان رکھتی ہے جتنی ادبیات کے عام قارئین کے لیے۔''[۶۸]

ڈاکٹر ایوب صابر کی کتاب کلام اقبال پر فنی اعتراضات: ایک جائزہ چھے ابواب پر مشتمل ہے۔

کتاب کی ابتدا میں ڈاکٹر عبدالحق نے ڈاکٹر ایوب صابر کی اقبال شناسی اور اس کتاب کی اہمیت وافادیت پر بحث کی ہے۔ کتاب کے پہلے باب کا عنوان ''اہل زبان اور اقبال'' ہے۔ علامہ محمد اقبال نے زمانہ طالب علمی ہی سے شاعری شروع کی تھی۔ آہستہ آہستہ اقبال کی شاعری اپنی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی فکروفن کی بلندیوں تک پہنچ گئی۔ علامہ اقبال کے خلاف معاندانہ تحریریں لکھنے کا آغاز بیسویں صدی کی ابتدا سے ہوا۔ ۱۹۰۲ میں تاج اخبار راولپنڈی نے پہلی مرتبہ کلام اقبال پر شدید اعتراضات کیے۔[۶۹]

علامہ اقبال پر شروع میں جو اعتراضات ہوئے وہ زبان و بیان کے حوالے سے تھے۔ لکھنؤ اور دہلی والے اپنے آپ کو اہل زبان قرار دیتے ہیں۔ معرکہ آرائی شروع ہی سے اہل زبان کی فطرت میں شامل تھی۔ لکھنو اور دہلی والے اپنے آپ کو اہل زبان سمجھتے تھے کسی اور کی زبان کو مستند ماننے کے لیے کبھی بھی تیار نہیں ہوئے۔ اقبال پر زیادہ اعتراضات اہل لکھنؤ نے کیے ہیں جنھیں اپنے اہل زبان ہونے پر فخر تھا۔ لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایک طویل

مدت تک اہل دہلی نے اہل لکھنئو کو اہل زبان تسلیم نہیں کیا۔ جب اہل زبان نے لاہور سے ایک نئی آواز سنی تو وہ صوبائی تعصب اور لسانی افتخار کے باعث معرکہ آرائی پر اُتر آئے جس کے نتیجے میں کلام اقبال پر اعتراضات ہوئے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

> ''اہل زبان اقبال کے جدید اسالیب میں کیڑے نکالتے تھے۔ وہ تو حالی کی زبان کو بھی مستند نہ سمجھتے تھے۔ کیوں کہ حالی کا وطن پانی پت تھا۔ جہاں کی زبان ٹکسالی نہ تھی۔ سو شروع ہی سے ٹکسالی زبان کے مدعیان نے اقبال کی زبان اور محاورے پر اعتراض وارد کیے۔''[۷۰]

اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے ان الزامات کا جائزہ لیا ہے۔ جو زبان و بیان کے حوالے سے مختلف معترضین نے علامہ اقبال پر عائد کیے ہیں۔ جنکی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔ مولوی ممتاز علی نے رسالہ تالیف و اشاعت میں اہل پنجاب کی تحریروں پر اہل زبان کی نکتہ چینیوں کے خلاف شکایت کی۔ حاجی محمد خان نے اپنے مضمون میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ پنجاب میں اس وقت تک عمدہ اردو لکھنے کا رواج اور مذاق نہیں ہے۔[۷۱]

اودھ پنچ نے ۱۹۰۴ سے اقبال پر اعتراضات کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا اور یہ سلسلہ ۱۹۳۵ تک جاری رہا۔ اودھ پنچ نے مزاحیہ اور طنزیہ تحریروں کے ذریعے اقبال پر اعتراضات کیے۔ بانگ درا اور بال جبریل کی اشاعت پر بھی شدید اعتراضات ہوئے جوش ملیسانی نے حضرت جراح کے قلمی نام سے ''اقبال کی خامیاں'' کے عنوان سے قسط وار چھپوایا۔ حضرت جراح یعنی جوش ملیسانی اقبال کو کہنہ مشق ماننے کے لیے تیار نہیں۔ اُن کے نزدیک اقبال کے کلام میں ضعف بیان، سستی بندش اور بے ربطی کے نمونے اکثر جگہ پائے جاتے ہیں۔ کلام میں جا بجا معنوی لغزشیں موجود ہیں، روزمرہ، محاورہ اور تذکیر و تانیث کی اغلاط پائی جاتی ہیں۔ فارسی الفاظ کی بھرمار ہے اور اقبال نے ٹکسال باہر لفظ کثرت سے استعمال کیے ہیں۔[۷۲]

برکت علی گوشہ نشین نے اپنی کتاب اقبال کا شاعرانہ زوال میں بانگ درا کی خامیوں پر بحث کی ہے۔ اُنھوں نے اقبال کے اشعار کی اصلاح بھی کی ہے۔ اُنھوں نے اقبال کے چودہ سو انتالیس شعار میں تبدیلیاں تجویز کی ہیں۔[۷۳]

متذکرہ بالا اور زبان و بیان کے حوالے سے اقبال کی شاعری پر کیے گئے اعتراضات کا ڈاکٹر ایوب صابر نے

اس باب میں جائزہ لیا ہے۔ اُنھوں نے ہر اعتراض کا جواب استدلال اور تحقیقی اسناد سے دیا ہے۔ اُنھوں نے اقبال کا دفاع ایک مدبر مصنف کی طرح دلائل و براہین سے کیا ہے۔ اُن کی تحقیق پر کہیں بھی جانب داری، اقبال دوستی یا اقبال پرستی کا شک نہیں ہوتا۔ زبان و بیان کے حوالے سے اقبال پر اعتراضات کے جواب میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''یہ درست ہے کہ روایتی شاعری کے دلدادہ اہل زبان کے لیے اقبال کی الہامی آواز نامانوس تھی اور اسی وجہ سے اقبال پر اعتراضات بھی ہوئے، لیکن یہ بعد کی بات ہے۔ اول اول جو اعتراضات ہوئے اُن کا سبب لسانی تفاخر و تعصب ہے۔ کلام اقبال سے پہلے اہل پنجاب کی اردو اہل زبان کے اعتراضات کا ہدف بنی۔ ۱۹۰۳ اور ۱۹۰۴ کے دوران جو ادبی معرکہ برپا ہوا وہ اہل زبان اور اہل پنجاب کے درمیان تھا۔ مادری زبان کا زعم اور پنجاب کے خلاف تعصب کم یا زیادہ موجود رہا ہے۔ محاورہ اور تذکیر و تانیث جیسے امور میں اہل زبان اہل پنجاب کو سند کا درجہ دینے کے لیے کبھی تیار نہ ہوئے۔''[۷۴]

اس کتاب کے دوسرے باب کا عنوان ''اقبال کے فن کو پرکھنے کا معیار'' ہے ہر شاعر اپنے شعری سفر میں اساتذہ ماقبل اور روایت کی پیروی کرتا ہے۔ علامہ اقبال نے بھی اساتذہ کے کلام کے روزمرہ اور محاورہ کی پابندی کی ہے۔ اقبال کی شاعری لفظ و معنی سے بڑھ کر تھی۔ اقبال نے اپنی شاعری کو صرف الفاظ و تراکیب کے گورکھ دھندے میں نہیں اُلجھایا۔ شعر صرف بہترین الفاظ اور خوبصورت تشبیہات کا مجموعہ نہیں ہوتا بلکہ شعر کے پس منظر میں نظریہ شعر بھی کارفرما ہوتا ہے اقبال کی فکر انگیز شاعری عام روایتی شاعری سے بہت حد تک مختلف اور منفرد ہے۔ شاعر جتنا بڑا ہوتا ہے اُس کے اثرات بھی زبان و ادب پر اتنے زیادہ ہوتے ہیں۔ اقبال کی شاعری معجزہ فکر و فن ہے۔ جب روایتی نقاد اور معترضین علامہ اقبال کے معجزہ فن کا ادراک نہ کر سکے تو اُنھوں نے اقبال کی زبان پر اعتراضات کیے۔ روزمرہ اور قواعد کے اصولوں کے تحت کلام اقبال کو پرکھنا پرانا طریقہ ہے اس طریقے سے اقبال کے فکر و فن کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ جس طرح بقول ڈاکٹر عبدالرحمان بجنوری، شکسپیر اور غالبؔ کا کام قواعد زبان کی پابندی نہیں بلکہ یہ قواعد کا کام ہے کہ وہ اُن کی پابندی کرے۔[۷۵]

اسی طرح اس رائے کا اطلاق اقبال پر بھی ہوتا ہے۔ معترضین اقبال کی زبان کو خود درست کرتے ہیں تو پھر

اقبال کا معجزہ فن قائم نہیں رہ سکتا اسطرح اقبال کی زبان اہل زبان کی سطح پر آجاتی ہے۔ جو قواعد سے تو واقف ہیں مگر زبان کے تخلیقی استعمال سے ناواقف ہیں۔ بڑی شاعری اپنا قالب خود تیار کرتی ہے۔ اس کی اسناد ماقبل کی شاعری اور اساتذہ کی روایت سے تلاش نہیں کی جاتی۔ عام اور روایتی مضامین کے اظہار کے لیے جو زبان استعمال کی جاتی ہے اس کا استعمال اعلیٰ و ارفع مقاصد کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے ان اُمور کو زیر بحث لایا ہے اور اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اقبال کے فن کو پرکھنے کا روایتی معیار کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اقبال اہم ترین ادبی روایات و معیارات سے آگاہ تھے۔ زبان و ادب کے خلاقانہ استعمال کی بھرپور استعداد رکھتے تھے۔ اُن کا فن اتنا ترقی یافتہ ہے کہ روایتی تنقیدی اصطلاحیں اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔۔۔کسی ایک زبان کی ادبی تنقید کو معیار تصور کر کے کلام اقبال کا منصفانہ تجزیہ محال ہے۔''۷۶

ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنی کتاب کلام اقبال پر فنی اعتراضات کے تیسرے باب میں اُن اعتراضات کا جائزہ لیا ہے جو زبان و بیان کے حوالے سے علامہ اقبال پر لگائے گئے ہیں۔ ان الزامات میں روزمرہ، محاورہ، نے، سے اور کو کا استعمال، تذکیر و تانیث، واحد، جمع، متروکات، تعقید، لفظی سقم، نامانوس تراکیب، حشو و زوائد، تخالف زمانہ، تخالف ضمائر فارسیت، مشکل پسندی اور ابہام، معنوی لغزش اور مہمل گوئی سرقہ، فحاشی، بے ربطی کلام، عروض و قافیہ کا سقم اور متفرق الزامات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

حکیم شمس اللہ قادری نے روزمرہ کے حوالے سے علامہ اقبال پر سات الزامات عائد کیے ہیں جوش ملسیانی نے روزمرہ کے حوالے سے کم و بیش بیس الزامات لگائے ہیں۔ اس ضمن میں سیماب اکبر آبادی، عبدالسلام ندوی اور سہیل بخاری وغیرہ نے بھی روزمرہ کے حوالے سے اعتراضات کیے ہیں۔ تنقید ہمدرد نے قواعد کے حوالے سے علامہ اقبال کی نظموں پر اعتراضات کیے۔ کرنل بھولا ناتھ نے اقبال کی فارسیت پر اعتراضات کیے ہیں۔ ڈاکٹر سہیل بخاری اس بات پر معترض ہیں کہ اقبال نے اپنے کثیر تعداد اشعار اور مصرعوں میں افعال ناقص کے بغیر اسماوصفات سے کام نکالا ہے۔ ڈاکٹر سچد انند سنہا نے نہ صرف اقبال کی فارسی آمیز اردو کو ہدف تنقید بنایا بلکہ اقبال کی فارسی گوئی پر بھی تنقید کی ہے۔ سرقہ کے حوالے سے جوش ملسیانی نے اقبال کے کچھ اشعار پر فحاشی اور بدتمیزی کا الزام لگایا ہے۔ مرزا یاس یگانہ چنگیزی نے علامہ اقبال پر زبان بگاڑنے کا الزام عائد کیا۔ اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے متذکرہ بالا

تمام الزامات جو علامہ اقبال پر زبان و بیان کے حوالے سے مختلف معترضین نے اپنے اپنے رُجحان طبع کے مطابق عائد کیے ہیں ان کا تحقیقی انداز میں جائزہ لیا ہے۔اور ڈاکٹر ایوب صابر نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ جن لوگوں نے لسانی حوالے سے علامہ اقبال کی شاعری پر اعتراضات کیے ہیں وہ اقبال کے فنی ولسانی شعور کا ادراک درست طریقے سے نہیں کر سکے۔کتاب کے چوتھے باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے اقبال پر روایتی تنقید کے حوالے سے بحث کی ہے ۔اس باب میں اقبال پر لسانی حوالے سے کی گئی تنقید کا جائزہ لیا گیا ہے اس حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر رقمطراز ہیں :

> ’’حقیقت یہ ہے کہ بڑے سے بڑے شاعر کے کلام میں کیڑے نکالنا چاہیں تو نکال سکتے ہیں ۔ ہر بڑے شاعر کے ہاں کچھ فرو گزاشتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان پر اعتراضات بجا بھی ہوتے ہیں۔کلام اقبال پر جو اعتراضات کیے گیے ہیں ان میں سے متعدد درست تھے۔خصوصاً وہ جو ابتدائی کلام پر کیے گیے ہیں۔تاہم اقبال کے فنی عیوب کثیر نہیں قلیل تھے۔‘‘ ۷۷

ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنی کتاب کلام اقبال پر فنی اعتراضات (ایک جائزہ) کے باب پنجم میں کلیم الدین احمد کے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے ۔اس باب کا عنوان " فنی اعتراضات کے جدید زاویے" ہے۔ کلیم الدین احمد مغربی تیشہ سے مشرقی ادب کھودنے والے ایک متنازعہ نقاد ہیں ۔انھوں نے مغربی ادب کے مطالعہ کے بعد اردو ادب کا مطالعہ کیا اور مشرقی ادب کا مغربی ادب کے ساتھ موازنہ کیا اور مایوس کن نتائج برامد کیے۔کلیم الدین احمد نے علامہ اقبال کی مفکرانہ اور شاعرانہ حیثیت کو بیان کرنے کے باوجود کلام اقبال کو شاعری کے ذمرے سے خارج کرنے کی کوشش کی ۔کلیم الدین احمد نے اقبال کی شاعرانہ عظمت کو گرانے کے لیے اپنی پوری ایک کتاب کے اوراق سیاہ کیے۔

اقبال ایک مطالعہ میں کلیم الدین احمد نے اقبال کا موازنہ انگریزی شعرا سے کیا ہے اور ان کے مقابلے میں اقبال کو کمتر شاعر قرار دیا ہے ۔کلیم الدین احمد معترض ہیں کہ کلام اقبال میں شعریت کی کمی ہے اور شعریت میں کمی کی وجہ ان کی پیغمبری اور خطابت پر اصرار ہے۔اقبال کی طویل نظموں میں ربط و تسلسل کا فقدان ہے ۔اقبال کی شاعری میں رومانیت اور منظر نگاری کا عُنصر بہت کم پایا جاتا ہے اقبال کی نظم طوع اسلام پر تبصرہ کرتے ہوئے کلیم الدین احمد اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں :

''طلوع اسلام میں اقبال اپنے مقصد میں ایسے منہمک ہو جاتے ہیں کہ شاعری کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتے۔''۷۸

کلیم الدین احمد اس بات پر معترض ہیں کہ دوسرے ترقی پسند شعرا کی طرح اقبال کے ہاں بھی ایک مخصوص قسم کی فکر اور فلسفہ پایا جاتا ہے۔اقبال کا مقصد اپنی شاعری سے چند مخصوص قسم کے خیالات کی اشاعت ہے اور وہ یہ عمل بار بار کرتے ہیں۔اقبال نے اپنے سفر افلاک میں کوپرنکیس کے نظام شمسی سے غفلت برتی ہے۔''خضر راہ'' نظم نہیں کیوں کہ اس کے مختلف حصوں میں ربط کامل تو بہت بڑی چیز ہے سرے سے ربط نام کی کوئی چیز پائی ہی نہیں جاتی۔علامہ اقبال کے اشعار میں شاعری نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ اول تا آخر خطابت ہے۔اقبال کی نظم ''طلوع اسلام'' اول تک اخر خطیبانہ اُسلوب کی حامل ہے۔اور ایسا لگتا ہے کہ کوئی لیڈر اپنے سامعین سے خطاب کر رہا ہے۔ان کے جذبات کو مشتعل کر رہا ہے اور ان کے سامنے گرج رہا ہے۔اقبال کی شاعری میں داخلی تجربات کی اشد کمی پائی جاتی ہے۔''مسجد قرطبہ'' نظم نہیں بلکہ یہ منتشر خیالات کا مجموعہ ہے پوری نظم میں چودہ اشعار مسجد قرطبہ سے متعلق ہیں باقی اشعار کا موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ڈاکٹر ایوب صابر نے اس باب میں کلیم الدین احمد کی کتاب اقبال ایک مطالعہ میں علامہ اقبال کی شاعری پر جو اعتراضات لگائے ہیں اور جن کا اجمالی جائزہ سطور متذکرہ بالا میں لیا گیا ہے کا محاکمہ کیا ہے۔ڈاکٹر ایوب صابر کے بقول کلیم الدین احمد نے اپنی کتاب اقبال ایک مطالعہ ایک خاص مقصد کے پیش نظر لکھی ہے اور اس کتاب کو لکھنے کا مقصد اقبال کی شاعرانہ عظمت کو کم کرنا ہے۔کلیم الدین احمد کی اقبال پر تنقید کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر بیان کرتے ہیں:

''کلیم الدین احمد کی کتاب اقبال ایک مطالعہ مجموعی طور پر ناروا اور تخریبی تنقید کا نمونہ ہے۔وہ کلام اقبال کی تحسین کے لیے خود کو بار بار مجبور پاتے ہیں۔لیکن چونکہ انھیں عالم اسلام کی بیداری اور انسانی کلام کی اہمیت کا سرے سے احساس ہی نہیں اس لیے فکر اقبال کا استخاف کرتے ہیں اور کلام اقبال کی فنی تنقیص مختلف حربوں سے کرتے ہیں۔''۷۹

۴۔ اقبال کی فکری تشکیل (اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ)

ڈاکٹر ایوب صابر کی کتاب اقبال کی فکری تشکیل (اعتراضات و تاویلات کا جائزہ)

۲۰۰۷ میں نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد سے شائع ہوئی ۔ اس کتاب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے مغربی اور مشرقی ناقدین ومعترضین کے ان اعتراضات کا جائزہ لیا ہے جو انھوں نے فکر اقبال پہ لگائے ہیں ۔ مخالفین ومعترضین اقبال نے علامہ اقبال کی شخصیت اور فکر وفن پر جس بھی نوعیت کے الزامات لگائے ، ڈاکٹر ایوب صابر ان مخالفین ومعترضین کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہوئے اور ہر محاذ پر انھیں شکست فاش کی ۔ اس کتاب کی وجہ اشاعت کے بارے میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں :

> ''بیسویں صدی میں اسلام کی صحیح تعبیر علمی وفکری سطح پر علامہ اقبال نے کی ہے۔ بلند پایہ علماء نے یہ بات تسلیم کی ہے لیکن خود فکر اقبال کو مخالفین ،معترضین اور غلط تاویلات کرنے والوں نے مسخ کیا ہے اس ضمن میں اقبال کی فکری تشکیل کا درست تعین ضروری ہے۔ فکر اقبال کی درست تفہیم کے لیے ایسا کرنا ناگزیر ہے ورنہ غلط آرا فکر اقبال کی درست تفہیم کو مشکوک اور کج بناتی رہیں گی ۔ اقبال کی فکری تشکیل پر اعتراضات گوناگوں اور گمراہ کن ہیں اور غلط تاویلات کا تانا بانا تیار ہوتا رہا ہے۔ اس بات کی ضرورت تھی کہ اس معاملے پر گہری اور تفصیلی نگاہ ڈالی جائے میں نے ایسا کرنے کی کوشش کی ہے۔''[۸۰]

ڈاکٹر ایوب صابر کی کتاب اقبال کی فکری تشکیل (اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ تیراں ابواب پر مشتمل ہے ۔ کتاب کے آخر میں حوالے اور حواشی دیے گئے ہیں جن کی بدولت دیگر محققین کے لیے آسانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ تفصیل ابواب حسب ذیل ہے:۔

باب اول کا عنوان ہے'' کیا فکر اقبال مستعار ہے؟'' اس باب کو ڈاکٹر ایوب صابر نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے (ا) اقبال اور مغربی فکر (ب) اقبال اور ہندی فکر (ج) مسلم فکر اور علامہ اقبال۔ اقبال اور مغربی فکر کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر نے مغربی مفکرین کے ان اعتراضات کا جائزہ لیا ہے جو اقبال کی فکری تشکیل پر لگائے گئے۔ مغرب میں اقبال شناسی کی روایت کا آغاز ڈاکٹر نکلسن کے ترجمہ اسرار خودی سے ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نکلسن نے ترجمہ کرتے ہوئے ایک غلطی کی اور ان کی یہ غلط فہمی اقبال پر اعتراضات کا سبب بنی ۔ نکلسن نے لکھا تھا کہ اقبال کا فلسفہ بڑی حد تک نطشے اور برگسان کا مرہون منت ہے۔[۸۱]

نکلسن کی یہ غلط فہمی مغرب میں ایک خاص حد تک جبکہ مشرق میں بڑی حد تک مخالفین اقبال کا تکیہ کلام بن گی۔اسرار خودی پر ای۔ایم فاسٹر نے جو تبصرہ لکھا ہے اس کے بعض حصے معترضانہ ہیں۔ڈکنسن نے اقبال کو پین اسلامسٹ تصور کیا اور وہ اس شک میں مبتلا رہا کہ اقبال مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دے رہے ہیں اور اس اتحاد سے عالم اسلام مغرب کو فتح کرے گا۔فاسٹر اقبال کو بین الاقوامی ذہن کا حامل نہیں سمجھتا۔اسرار خودی پر ایل۔ڈکنسن نے متعدد اعتراضات کیے ہیں ان کے بقول اقبال کا فلسفہ زیادہ تر مغربی مفکرین کے خیالات پر مبنی ہے۔ای۔جی۔براون نے اسرار خودی کو نطشے کے افکار کا چربہ قرار دیا۔کانٹ ویل سمتھ کے بقول اقبال کا بیشتر فلسفہ نطشے اور برگسان کے فلسفے کو اسلامی رنگ دینے کے مترادف ہے اور اقبال اصلی مفکر نہیں ہیں۔سمتھ معترض ہیں کہ اقبال خیال سے خیال مستعار لیتے ہیں واقعات سے نہیں اور اقبال برگساں کی روح جدید سائنس اور مارکس کی روح جدید سوسائٹی سے واقف نہ تھے۔ہربرٹ ریڈ کے مطابق نطشے کے فوق البشر اور اقبال کے مرد کامل میں صرف اخلاقی اوصاف کا فرق ہے۔علی عباس جلالپوری کے مطابق اقبال کا نظریہ خودی بہ تمام و کمال نطشے سے ماخوذ ہے۔فراق گورکھ پوری معترض ہیں کہ اقبال کا من گھڑت فلسفہ خودی اور بے خودی نطشے سے مستعار ہے۔جوش ملیح آبادی نے فکر اقبال کو مستعار ثابت کرنے کے لیے پلان چٹ کا سہارا لیا ہے۔[۸۲]

علی سردار جعفری کے مطابق اقبال کی خودی کی بنیاد عینیت کے فلسفے اور ہیگل کی جدلیت پر ہے۔حمید نسیم کے مطابق اقبال کا تصور خودی صرف ایک آمیزہ ہے۔شمیم حنفی کے بقول اقبال کا تصور مرد مومن ملٹن سے لیا گیا ہے۔جمیل جالبی نے اقبال کو نطشے اور برگسان کا مرکب قرار دیا۔کتاب کے پہلے باب حصہ اول میں ڈاکٹر ایوب صابر نے متذکرہ بالا معترضین ومخالفین اقبال کے الزامات کا جائزہ تحقیقی وتنقیدی انداز میں لیا ہے ڈاکٹر ایوب صابر نے تمام الزامات کو منطق ودلیل کی کسوٹی پر پرکھا ہے۔مصدقہ حوالہ جات دیے ہیں اور الزامات کے اندر پائے جانے والے منفی تضادات تاریخی اغلاط،من گھڑت روایات اور فکری کج رویوں کا نہایت مدلّل انداز میں جائزہ لیا ہے۔ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''فکر اقبال کو مغرب سے مستعار قرار دینے والے انواع واقسام کے اہل قلم ہیں ان میں زیادہ نمایاں مخالفین اقبال ہیں جن میں سے بعض نے سنجیدگی کے ساتھ فکر اقبال کو مغربی فکر میں تلاش کرنے کی کوشش کی۔بعض کی آرا رسمی تقلیدی یا معاندانہ ہیں یہ آرا اکثر کم علمی پر مبنی ہیں اور کہیں کہیں مضحکہ خیز ہوگی ہیں۔۔۔اقبال نے

مغربی مفکر نطشے سے استفادہ کیا ہے لیکن مغربی فکر کی گمراہیوں سے خود کو محفوظ رکھا ہے۔ درس حکیمان فرنگ نے ان کے فہم میں اضافہ کیا۔ لیکن ان کی اساس حکمت فرنگ نہیں ہے۔ اس ضمن میں کیے گئے اعتراضات کثیر ہیں لیکن ان میں کوئی وزن نہیں۔'' ۸۳

دوسرے باب کا عنوان ہے ''کیا اقبال کے ہاں تضاد ہے'' مخالفین اقبال نے علامہ اقبال کی فکری اساس منہدم کرنے کے لیے بار بار اس بات کی تکرار کی ہے کہ اقبال کے ہاں تضاد پایا جاتا ہے۔ اقبال پر تضاد کا الزام عائد کرنے والے زیادہ تر لوگ وہ ہیں جو فکر اقبال کو مستعار قرار دیتے ہیں اور ان کی ساری کاوش کا مقصد فکر اقبال کا انہدام ہے اس حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر نے بڑی واضح بات کی ہے:

''اقبال کے ہاں تضاد دکھانے والے اکثر اہل قلم نے یا تو اقبال کے فکری ارتقاء کو نظر انداز کیا ہے یا اقبال کی بنیادی حیثیت متعین کرنے میں عمداً یا سہواً غلطی کی ہے اور یا مختلف اصطلاحوں کے جلو میں جو مغالطے ہوئے ہیں انھیں پیش نظر نہیں رکھا۔'' ۸۴

ای۔ ایم۔ فاسٹر نے اقبال پر فکری تناقض کا الزام لگایا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے بموجب اقبال وحدت الوجود کے حامی بھی تھے اور منکر بھی اور فکری تناقض کا شکار تھے۔ کانٹ ویل سمتھ نے اقبال کو ترقی پسند اشتراکی اور رجعت پسند بھی قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سمتھ نے اقبال کو جدید اسلام کا بانی بھی قرار دیا ہے۔ وہ معترض ہیں کہ اقبال شاعر تھا باقاعدہ مفکر نہیں تھا۔ اقبال سنگھ کے بقول علامہ اقبال غیر مربوط خیالات کے حامل تھے۔ میکش اکبر آبادی نے رسالہ آج اور کل میں ''علامہ اقبال کے متضاد نظریے'' کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا۔ ڈاکٹر مسعود حسین نے بھی اقبال کے ہاں فکری تضادات پر نکتہ چینی کی ہے علی سردار جعفری معترض ہیں کہ اقبال کی شاعری کہیں بہت عمدہ ہے اور کہیں بے انتہا پست ہے۔ ڈاکٹر وحید عشرت کے مطابق علامہ اقبال جب نثر میں عہد جدید کے حاصلات پر جرح کرتے ہیں تو اس میں ان کا فکری تضاد نمایاں ہوتا ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے اقبال کے ہاں فکری تضاد کے حوالے سے جو الزامات مشرق و مغرب کے دانشوروں نے عائد کیے تھے ان کا جائزہ لیا ہے۔ اور اس بات کو عیاں کیا ہے کہ فکر اقبال میں تضاد نہیں تھے بلکہ اقبال فکر و عمل دونوں کے جامع ہیں ان کی فکری شاعری ان کے افکار کا عظیم محل ہے۔ معترضین و مخالفین اقبال کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ وہ فکر اقبال کو محدود ظاہر کرنے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے

استعمال کریں اور انھیں کوئی بھی ایسی بات ملے جو فکر اقبال کو محدود کرنے والی ہو اور وہ اس کو اچھالیں۔ اس صف میں مستشرقین ہندو اور اشتراکیت پسند مسلمان معترضین شامل ہیں۔ ایل۔ ڈکنسن نے اسرار خودی پر تبصرے میں لکھا ہے کہ فلسفہ اقبال اگرچہ عالمگیر ہے لیکن اس کا اطلاق مخصوص و محدود ہے۔

ای۔ ایم۔ فاسٹر نے ان خیالات کا اظہار کیا ہے کہ اقبال کی ثقافت کی بنیاد ہمیشہ مشرقی رہی ہے چونکہ وہ پکے عقیدے کے مسلمان تھے اس لیے وہ آفاقی نہیں تھے۔ رالف رسل معترض ہیں کہ اقبال آدمی کو خلیفہ خدا کی شکل میں دیکھتے ہیں تو ان کے تصور میں پوری نسل انسانی نہیں ہوتی بلکہ اس نسل کا صرف وہ حصہ ہوتا ہے جو مسلم ہے۔ ڈاکٹر سچد انندسنہا کا اعتراض ہے کہ اقبال اسلام کا پروپیگنڈا کرتے ہیں وہ صرف مسلمانوں کے لیے لکھتے ہیں۔ دنیا کے لافانی شعرا میں ان کا کوئی مقام نہیں اور نہ ہی ان کی شاعری میں آفاقیت پائی جاتی ہے۔ اقبال نے ہندو دھرم کی تعلیمات کو نہیں سمجھا حال آنکہ ہندو دھرم کی تعلیمات میں بھی انسان دوستی کے رُجحانات پائے جاتے ہیں۔ ممتاز حسین کے نزدیک اقبال اشتراکیت پسندانہ نظریات کے حامل نہیں تھے اس وجہ سے وہ آفاقی شاعر نہیں ہو سکتے۔ مجنوں گورکھ پوری کے نزدیک اقبال قوم پرستی اور وطنیت کے تنگ دائرے سے نکل کر مذہب و ملت کے تنگ دائرے میں پھنس گئے۔ جوش ملیح آبادی کے بقول اقبال کی شاعری اسلامی شاعری ہے اس لیے وہ شاعری آفاقی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اقبال کو سمندر بنایا تھا مگر وہ خود ایک دریا میں تبدیل ہو گئے۔ وہ قطبین کو چھو سکتے تھے لیکن انھوں نے اپنے آپ کو عرب اور حجاز میں محدود کر دیا۔[۸۵]

عتیق صدیقی نے اقبال کو شاعر اسلام بنا کر ان کی آفاقی حیثیت پر حرف گیری کی ہے۔ ہندی قوم پرست مسلمانوں کا اقبال پر سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ وہ مسلم قوم پرست تھے اس لیے ان کی شاعری عالمگیر اور آفاقی نہیں ہو سکتی۔ حال آنکہ خود ہندو اقبال شناسوں نے اقبال کی آفاقیت اور ہندو مسلم ہمدردی کے جذبات کی حمایت کی ہے۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ لکھتے ہیں:

> ''سب اس حد تک متفق الخیال ہیں کہ اقبال مسلمانوں کے ایک علاحدہ وطن پاکستان کے تصور کے بانی اور محرک تھے۔ لیکن کوئی ایسا ثبوت نہیں مل سکا جس کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکے کہ وہ غیر مسلموں سے بغض و عناد رکھتے تھے۔''[۸۶]

مارکسی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے نقادوں کا اقبال پر اعتراض یہ ہے کہ انھوں نے اشراکیت کے بجائے اسلام کو اپنے

پیغام کی بنیاد کیوں بنایا؟

ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنی کتاب اقبال کی فکری تشکیل اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ کے تیسرے باب جس کا عنوان ہے "فکر اقبال محدود یا آفاقی"؟ میں متذکرہ بالا ان تمام اعتراضات کا جائزہ انتہائی تحقیقی اور منطقی استدلال سے لیا ہے جو اقبال کی فکر کو محدود کرنے کے لیے مستشرقین، اشتراکیت پسندوں اور مذہبی تعصب کے حامل مسلمانوں نے علامہ اقبال پر لگائے ہیں. ڈاکٹر ایوب صابر نے معترضین کے ان تمام الزامات کو رد کیا ہے اور یہ بات تحقیقی انداز سے واضح کی ہے کہ علامہ اقبال آفاقی فکر کے حامل شاعر تھے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں کہیں بھی مذہبی گروہ بندی کو ہوا نہیں دی۔

چوتھے باب کا عنوان ہے" کیا اقبال جارحیت پسند ہیں"؟ اقبال پر جارحیت پسندی کا الزام عائد کرنے والوں میں ڈکنسن، فاسٹر، نیلی نو، گب، سمتھ، اختر حسین رائے پوری، سبط حسن، علی سردار جعفری، فراق گورکھ پوری، تارا چرن رستوگی، علی عباس جلال پوری، مولانا وحید الدین خان وغیرہ شامل ہیں جن کا ذکر ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنی کتاب اقبال کی فکری تشکیل اعتراضات و تاویلات کے باب چہارم میں کیا ہے۔ نیلی نو نے بزعم خود یوری اقوام کو اقبال کے جارحانہ فلسفہ سے آگاہ کیا۔ گب نے اعتراض لگایا کہ اقبال نے جنگ جو مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ کانٹ ویل سمتھ نے اقبال پر فاشسٹ ہونے کا الزام لگایا۔ سمتھ نے قیام پاکستان کے نتیجے میں ہونے والی ہجرت اور قتل وخون ریزی جو دراصل نہرو نے برپا کی تھی اس کی تمام ذمہ داری اقبال کے تصور عشق پر ڈال دی۔ سمتھ نے اعتراض لگایا ہے کہ اقبال نے کئی مرتبہ اپنے آپ کو فاشزم میں الجھایا اور انکی شاعری کو فاشسٹ تحریک یعنی تحریک پاکستان کے لیے استعمال کیا گیا۔[۸۷]

یہ تو ذکر تھا مستشرقین کا برصغیر کے ہندوؤں اور اشتراکیت پسند مسلمان بھی کسی سے پیچھے نہیں تھے انھوں نے بھی پوری ڈھٹائی کے ساتھ اقبال کو اسلامی فاشسٹ قرار دیا۔ اختر حسین رائے پوری نے اقبال کے تصور قومیت کو مسولینی کے تصور قومیت کا چربہ قرار دیا۔[۸۸]

سبط حسن نے اقبال کو دیوانگی کی حد تک اقتدار پرست قرار دیا اور مسولینی کی تعریف کے حوالے سے بھی اقبال پر اعتراضات کیے اور انھیں ہدف تنقید بنایا۔ علی عباس جلالپوری نے اقبال کی قوت پسندی کو نطشے اور برگسان کا مرہون منت قرار دیا۔ مولانا وحید الدین خاں نے اقبال کی راہ نمائی کو غلط قرار دیا۔

اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے متذکرہ بالا معترضین اقبال کے ان الزامات کا جائزہ لیا ہے جو اقبال پر جارحیت پسندی اور فاشزم کے حوالے سے لگائے گئے ہیں۔ دراصل اقبال پر جارحیت پسندی اور فاشزم کا الزام اُن کی اُس نظم سے لگا جو انھوں نے بال جبریل میں مسولینی کی تعریف میں لکھی ہے۔ اسی نظم کے اشعار کا حوالہ اختر حسین رائے پوری نے بھی اپنے مضمون میں دیا ہے۔ اس نظم میں اقبال نے مسولینی کی تعریف کی ہے۔ دراصل مسولینی کی وجہ سے اطالیہ کی پرانی عظمت بحال ہوئی ہے اور اطالوی قوم میں بیداری کی نئی لہر پیدا ہوئی ہے۔ اقبال کا پیغام بھی قوم میں بیداری پیدا کرنا ہے۔ اقبال ایسی تحریک کے حق میں تھے جو کسی بھی قوم میں بیداری کا باعث بنے۔ لیکن جب مسولینی نے حبشہ پر ناجائز قبضہ کیا تو اقبال کو اس کا بہت دکھ ہوا۔ انھوں نے مسولینی کے نام سے ایک اور نظم لکھی جو ضرب کلیم میں شامل ہے اس نظم میں انھوں نے مسولینی کی پرزور مذمت کی اور مسولینی کا شمار بھی یورپ کے دوسرے سامراجی راہ نماؤں میں کیا۔ معترضین اقبال کے پیش نظر صرف اقبال کی وہ نظم ہوتی ہے جس میں مسولینی کی تعریف کی ہے لیکن دوسری نظم جس میں مسولینی کی مذمت کی گئی ہے اس کو بھول جاتے ہیں۔ اقبال پر جارحیت پسندی کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''اقبال کے تصورات میں انسان دوستی، احترام آدمیت اور عظمت آدم کو بنیادی حثیت حاصل ہے۔ اقبال نوع انساں کے ہاتھوں انسان کے شکاری ہونے کی مخالفت اور دنیا بھر کے مفلس اور مظلوم انسانوں کی حمایت کرتے ہیں۔''[۸۹]

باب پنجم کا عنوان ہے ''کیا اقبال قدامت پرست اور رجعت پسند ہیں''؟

قدامت پرست سے مراد وہ انسان ہے جو ماضی کی قدیم روایات کا پرستار ہو جسے حال اور مستقبل سے کوئی سروکار نہیں ہوتا جبکہ رجعت پسند ترقی پسند کا متضاد ہے اس لفظ کا مطلب بھی سابقہ حالت کی طرف لوٹنے کو پسند کی نگاہ سے دیکھنے والا ہے معترضین اقبال نے علامہ اقبال پر قدامت پرست، رجعت پسند، ادعائی، لبرل اور بنیاد پرست وغیرہ کے الزام عائد کیے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر بیان کرتے ہیں:

> ''حقیقت یہ ہے کہ قدامت پسند، رجعت پسند، ماڈرن، لبرل اور بنیاد پرست وغیرہ کوئی ایک اصطلاح تنہا اقبال کا احاطہ نہیں کرتی یہ سب مغربی اصطلاحیں ہیں اور مخصوص معنی ومقاصد کے لیے وضع کی گئی ہیں۔''[۹۰]

کانٹ ویل سمتھ معترض ہیں کہ اقبال کھانے پینے رسوم اور عورت کے ضمن میں جدید طریقوں سے ہچکچاتے ہیں اور قدامت پسندی کا شکار ہو جاتے ہیں ۔ اجتہاد پر زور دیتے ہیں لیکن زمانہ انحطاط میں اجتہاد پر تقلید کو ترجیح دیتے ہیں ۔ اقبال کو اجتہاد کا تذکرہ اچھا لگتا ہے اجتہاد پر عمل نہیں مستشرقین نے خاص طور پر عورت کی آزادی کے حوالے سے اقبال پر الزام عائد کیے۔ سبط حسن نے اقبال کا ماضی کا پجاری قرار دیا۔ ان کے بقول اقبال بجھی ہوئی شمعوں کا پروانہ ہے اور اجڑی ہوئی محفلوں کو سجانا چاہتا ہے ۔علی سردار جعفری کے نزدیک درویشی ،قلندری ، شاہین ، مذہب اور تصوف وغیرہ سے عوام کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔[۹۱]

کتاب کے اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے کانٹ ویل سمتھ ، ایچ اے ارگب عزیز احمد، علی سردار جعفری ، راج بہادر گوڑ ، محمد انور صادق وغیرہ کے اُن الزامات کا جواب دیا ہے جو اقبال پر قدامت پرستی اور رجعت پسندی کے حوالے سے لگائے گئے ہیں ۔ زیادہ تر الزامات آزادی نسواں کے حوالے سے ہیں یہ بات ظاہر ہے کہ اقبال ایسی آزادی نسواں کے سخت خلاف تھے جہاں عورت پر کسی قسم کے مذہبی اور اخلاقی پابندی عائد نہ ہو اقبال عورتوں کو چراغ محفل بنانے کے بجائے خاتون خانہ بنانے کے حق میں ہیں ۔ وہ عورتوں کی ایسی آزادی کے خلاف ہیں جو یورپ اور مغربی تہذیب نے عورتوں کو دی ہے ، اقبال عورتوں کی ایسی آزادی کے خلاف ہیں جہاں بیٹیاں بے پرداہ ہو کر رقص کریں عورتیں شرعی پردہ اتار دیں جہاں عورتوں کے محافظ ہی عزتیں لوٹنے کے درپے ہوں اور اس بات کو معیوب بھی نہ سمجھا جائے ۔ایسی آزادی تو عورتوں کو ہمارا دین اسلام نہیں دے سکتا تو پھر اقبال کیسے دے سکتا تھا۔ اگر لباس نہ پہننے سے کوئی ماڈرن ،تہذیب یافتہ یا ترقی پسند ہو سکتا ہے تو پھر جانور سب سے زیادہ ماڈرن ہوتے ۔

چھٹے باب کا عنوان ہے ’’کیا اقبال اشتراکی ہیں‘‘؟ اشتراکیت کے لیے انگریزی میں socialism کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اشتراکیت وہ نظام ہے جس میں کسی ملک کے تمام ذرائع پیداوار کسی ایک فرد یا چند افراد کی ملکیت میں ہونے کے بجائے پورے معاشرے کی ملکیت قرار دیے جاتے ہیں ۔اس کا مقصد معاشرے اور فرد دونوں کی فلاح و بہبود اور فرد کو زندگی کی بنیادی ضروریات کی فکر سے نجات دلانا ہے ۔ اس نظام میں بہت سی خرابیاں بھی پائی جاتی ہیں ۔ نظامِ اشتراکیت اور اشتراکی دونوں مذہب دشمن ہیں اور مذہبی عقائد مٹانے کے درپے رہتے ہیں ۔ اشتراکی نظام ظلم کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے حلال اور جائز طور پر کمائی سے جائیداد بنانا ہر انسان کا جائز حق ہے لیکن اشتراکیت پسند انسانوں سے یہ حق سلب کرتے ہیں ۔اشتراکیت میں طاقت کا سر چشمہ عوام ہیں۔ جبکہ اسلام میں طاقت کا سر چشمہ اللہ تعالیٰ کی

ذات ہے۔اشتراکیت میں روحانی ترقی کا کوئی وجود نہیں یہ صرف مادی ترقی پر زور دیتی ہے۔

معترضین و مخالفینِ اقبال نے فکر اقبال کو منہدم کرنے کے لیے بہت سے ہتھکنڈے استعمال کیے انھوں نے علامہ اقبال کو رجعت پسند، ماضی کا پجاری، اسلامی فاشسٹ اور اشتراکیت پسند قرار دیا۔ علامہ اقبال کو اشتراکی ثابت کرنے والوں نے علامہ اقبال کی تصنیف علم الاقتصاد میں اشتراکیت کے عناصر کی نشاندہی کی ہے اور اسے کارل مارکس کے نظریات کی صدائے بازگشت قرار دیا ہے۔اسی طرح اقبال کی نظم ''خضرِ راہ'' اور پیام مشرق کی نظموں کی بنا پر بھی اشتراکیت کا الزام لگایا۔بعض معترضین کو علامہ اقبال کے خطبہ الہٰ آباد اور خطبات اقبال میں بھی اشتراکیت کی تصویر نظر آتی ہے کچھ افراد نے فکر اقبال کو منہدم کرنے کے لیے اسلامی اشتراکیت کی اصطلاح گھڑ لی، اور اس کا اطلاق علامہ اقبال پر کیا۔شمس الدین حسن نے اعتراض لگایا کہ علامہ اقبال نہ صرف اشتراکی نظریات کے حامی ہیں بلکہ اشتراکیت کے مبلغ اعلیٰ بھی ہیں۔عتیق صدیقی نے علامہ اقبال کی نظم ''خضر راہ'' میں بیان کردہ خیالات کو اشتراکی تعلیمات کا نچوڑ قرار دیا ہے۔عتیق صدیقی کے خیالات میں علامہ اقبال اشتراکی ہیں اور انھوں نے اشتراکیت سے برات کا اظہار خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے کیا ہے۔ وہ علامہ اقبال کوئی ایسا کام کرنے پر یا کئی اقدام اٹھانے پر خود کو تیار نہیں کر سکتے تھے جس سے حکومتی مخالفت مول لینے کا خطرہ ہو۔انھوں نے اقبال کو ڈرپوک اور انگریزوں کا آلۂ کار بھی ظاہر کیا ہے۔خلیفہ عبدالحکیم نے علامہ اقبال کی نظم "فرمان خدا" کو کمیونسٹ مینی فیسٹو کا لب لباب قرار دیا۔اسی طرح غلام ربانی عزیز نے اقبال کو تشدد پسند انقلابی جماعت کا فرد قرار دیا۔''فرمان خدا'' کے بارے میں خلیفہ عبدالحکیم نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اگر اس کا روسی زبان میں ترجمہ کر کے لینن کے سامنے پڑھا جاتا تو وہ اسے اشتراکیت کا بین الاقوامی ترانہ قرار دیتا۔اس کے جواب میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''سوچنے کی بات یہ ہے کہ خدا کا فرمان اور وہ بھی فرشتوں سے اشتراکیت کا ترانہ کیسے بنتا جبکہ اشتراکیت خدا اور فرشتوں کا انکار کرتی ہے۔''[۹۲]

سمتھ نے اقبال پر اشتراکی اور کمیونسٹ پارٹی کا ہم نوا ہونے کا الزام عائد کیا ہے اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے ان تمام الزامات کا جائزہ لیا ہے جو اقبال پر اشتراکیت پسندی کے حوالے سے عائد کیے گئے ہیں اور انھوں نے تحقیقی و منطقی انداز میں اس بات کو ظاہر کیا ہے کہ اشتراکیت ایک ملحدانہ نظام ہے اقبال کو اشتراکیت سے کوئی سروکار نہیں ۔ اقبال نے اشتراکی نظام کو "یزداں ناشناس" اور آدم فریب قرار دیا ہے۔اقبال کے نظریات کا مرکز محور خودی ہے اور

خودی کسی بھی صورت میں اشتراکی معاشرے میں پروان نہیں چڑھ سکتی کیونکہ اشتراکیت پسند معاشرے میں فرد کی انفرادی صلاحیتوں کو پروان چڑھنے کے مواقع بہت کم میسر آتے ہیں۔ اقبال آزادی، مساوات اور اخوت کے قائل ہیں اور دنیا میں اسلامی نظام کے نفاذ کے حق میں ہیں۔ اقبال ساری زندگی اسلامی نظریات وتصورات کے مفسر اور علمبردار رہے۔ اقبال کے بنیادی نظریات سے ہٹ کر انھیں کسی بھی ازم سے منسلک کرنا غلط اور گمراہ کن ہے اپنے ایک خط میں علامہ اقبال خود لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک، فاشزم، کمیونزم یا زمانہ حال کے اور ازم کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ میرے عقیدے کی رو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوع انساں کے لیے ہر نقطہ نگاہ سے موجب نجات ہو سکتی ہے۔''[۹۳]

تعجب کی بات یہ ہے کہ اتنی واضح دلیل ہونے کے باوجود بھی معترضین اقبال فکر اقبال کا ناطہ اشتراکیت کے ساتھ جوڑنے پر مصر ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ یا تو وہ فکر اقبال کو سمجھ ہی نہیں سکے یا اقبال پر الزامات لگانا انکی عادت ثانیہ بن چکی ہے۔ ساتویں باب کا عنوان ہے'' کیا اقبال خرد دشمن اور مخالف علم ہیں''۔

اقبال کے نظریات میں ان کا تصور عقل اہمیت کا حامل ہے۔ عقل انسان کو زندگی کی راہ میں پیش آنے والے مسائل کا حل بتاتی ہے۔ عقل کے بل بوتے پر انسان معاملات زندگی طے کرتا ہے۔ عقل ہمیشہ مظاہر قدرت کو سمجھنے کی کوشش میں لگی رہتی ہے۔ معترضین اقبال نے علامہ اقبال پر عقل دشمنی اور مخالفِ علم ہونے کے الزامات لگائے ہیں۔ علی عباس جلالپوری نے علامہ اقبال کو فلسفے اور سائنس کا مخالف قرار دیا ہے اور بہ تکرار خرد دشمن کہا ہے۔ جوش ملیح آبادی معترض ہیں کہ علامہ اقبال نے قرآن پاک کے مردود لفظ عشق کو فضیلت دی اور قرآن کے محبوب لفظ عقل کو خاک میں ملا دیا۔ خواجہ عبدالرشید نے اس ضمن میں علامہ اقبال اور مولانا روم دونوں کو ہدف تنقید بنایا ان کا اعتراض ہے کہ قرآن مجید بار بار عقل کی تلقین کر رہا ہے جبکہ یہ دونوں ہستیاں جذبات کے ہاتھوں کھیل رہی ہیں۔ سلیم احمد نے اعتراض کیا ہے کہ اقبال شاعری میں عقل کی مخالفت کرتے ہیں جبکہ خطبات میں تحسین۔ ان کے ہاں متضاد باتیں پائی جاتی ہیں۔

دراصل عقل زمان ومکان کی پابند ہے، اور یہ صرف مظاہر کے ادراک کی صورت ہے۔ عقل کے ذریعے انسان حقیقت مطلقہ کا ادراک نہیں کرسکتا۔ علامہ اقبال کا عقل کے خلاف اعتراض یہ ہے کہ عقل میں جوش، ولولہ اور جنون کی کیفیت نہیں پائی جاتی۔ کسی بھی منزل پہ پہنچنے کے لیے جس سرگرمی اور جوش وخروش کی ضرورت ہوتی ہے عقل

اس سے عاری ہے ۔عقل ہمیشہ شک میں مبتلا رہتی ہے اور شک کے ذریعے خودی میں حرکت پیدانہیں ہوتی ۔ تاریخ فلسفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عہد میں فلسفیوں کا ایسا گروہ ضرور رہا ہے جو عقل کو ناقص و ناتمام جانتا رہا ہے۔ اور انھوں نے اس چیز کو محسوس کیا ہے کہ عقل کے علاوہ بھی حقیقت تک رسائی کا کوئی ایسا ذریعہ ضرور ہے جو منطقی استدلال کی مدد کے بغیر منزل تک پہنچا تا ہے ۔کسی نے ایڈالزام کا نام دیا تو کسی نے کشف الہام اور وجدان کا ۔اسی ماورائی قوت کو اقبال عشق کا نام دیتے ہیں، جسے عقل پر فوقیت حاصل ہے ۔عقل کے بارے میں اقبال کا نظریہ یہ ہے کہ علم اور عقل کی طاقت سے انسان منزل کے قریب تو پہنچ سکتا ہے لیکن بغیر عشق کی مدد کے منزل طے نہیں کر سکتا ۔ اقبال عقل کو انسان کی خدمت کا ایک وسیلہ خیال کرتا ہے وہ عقل کا مخالف نہیں وہ صرف عقل کی کوتاہیوں سے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے سید احتشام حسین ،علی عباس جلالپوری، جوش ملیح آبادی ، کرنل خواجہ عبدالرشید ،سلیم احمد ڈاکٹر وحید عشرت اور ڈاکٹر کنور کرشن بالی وغیرہ کے الزامات کا جائزہ لیا ہے ۔اس ضمن میں وہ رقمطراز ہیں :

> ''اقبال کی فکری اساس قرآن حکیم ہے ۔ وہ عقل اور علم کے مخالف کیسے ہو سکتے ہیں؟ لیکن جب عقل اور علم کو قرآن کے ہی خلاف استعمال کیا جائے تو اقبال اس کی حمایت نہیں کرتے اور مخالفت کرتے ہیں صرف شاعری میں ہی نہیں بلکہ نثر میں بھی اور صرف زندگی کے آخری ادوار میں ہی نہیں بلکہ ابتدائی ادوار میں بھی ۔'' [۹۴]

علامہ اقبال کے افکار میں عشق کو بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے علامہ اقبال کے نزدیک عشق سے مراد عام روایتی عشق نہیں بلکہ ان کے نزدیک عشق سے مراد کامل قوت ایمانی ہے ۔ اقبال کی تعلیم کا بنیادی مقصد یہ ہی ہے کہ وہ خدا کا ترجمان اور خودی کا رازداں ہو جائے۔خدا کا ترجمان ہونے اور حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف عقل سے کام نہیں لیا جا سکتا ہے بلکہ اس کے لیے ایک اعلیٰ قوت کی ضرورت ہوتی ہے جسے اقبال نے عشق کا نام دیا ہے ۔عشق ایک ایسی قوت ہے جس کی بدولت انسان نور خداوندی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے اقبال کے نزدیک عشق اس فطری میلان کا نام ہے جو قلب انسانی میں ہی نہیں بلکہ کائنات میں ہر جگہ پایا جاتا ہے۔معترضین ومخالفین اقبال نے علامہ اقبال کی ہر اس فلسفیانہ سوچ کے خلاف پروپگنڈا کیا جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھی ۔ کانٹ ویل سمتھ نے کہا کہ اقبال نے عشق کو اچھالا اور عقل پر دھاوا بول دیا۔علی عباس جلالپوری اور اس کے پیروکاروں نے اقبال کو نہ صرف خرد دشمن قرار دیا بلکہ ان کی حمایت عشق و وجدان کو بھی غلط ٹھہرایا ۔ ان کے نزدیک علامہ اقبال کا تصور عشق برگسان کی جوشش حیات کی صدائے

بازگشت معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ایوب صابر اس کتاب کے آٹھویں باب میں جس کا عنوان ہے " کیا اقبال کی حمایت عشق غلط اور تصور عشق مبہم ہے" ؟ میں معترضین کے ان اعتراضات کا جائزہ لیا ہے جو علامہ اقبال کے تصور عشق پر عائد کیے ہیں اس باب میں کانٹ ویل سمتھ، علی عباس جلالپوری، پروفیسر انور صادق اور ڈاکٹر سید عبداللہ کے اعتراضات زیر بحث رہے ہیں اس ضمن میں ڈاکٹر ایوب صابر بیان کرتے ہیں:

''اقبال نہ عقل کی غیر مشروط حمایت کرتے ہیں نہ عشق کی۔ عقل شر کا آلہ کار ہو تو اقبال اس کے مخالف ہیں اور عشق غلط نصب العین کے ساتھ ہو تو اقبال عشق کی مخالفت کرتے ہیں۔ انسانوں کا صحیح نصب العین صرف اللہ ہے۔ اس سے شدید محبت یعنی عشق قرآن کی تلقین ہے۔ ہر دوسری محبت اس محبت کے تحت ہو گی اور ناجائز محبت مردود و مذموم ہے۔'' ۹۵

علی عباس نے جلالپوری اپنی کتاب اقبال کا علم الکلام کے آٹھویں باب میں اقبال کے رومانوی خیالات پر بحث کی ہے اس باب کا عنوان ہے "اقبال کے رومانی افکار"۔ پروفیسر امبر کروجی نے رومانویت کی تعریف اس طرح کی ہے:

''خارجی تجربے سے گریز کرکے داخلی تجربے پر زیادہ توجہ دینا رومانویت ہے۔'' ۹۶

علی عباس جلالپوری رومانویت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

'' رومانوی بالعموم سیاسی و اقتصادی عقدوں کو حقیقت پسندی کے نقطہ نظر سے سلجھانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اپنی داخلیت اور خود مرکزیت کے باعث ان کے لیے خارجی اور معروضی مسائل میں دلچسپی لینا ممکن ہو جاتا ہے۔ اس لیے وہ تخیلات کی ایک دنیا بسا لیتے ہیں اور ماحول کے خارجی تقاضوں سے گھبرا کر اس میں پناہ لیتے ہیں۔'' ۹۷

علی عباس جلال پوری معترض ہیں کہ علامہ اقبال زندگی کے عملی شعبوں سے گریز کر کے تخیلات و مراقبات کی دنیا میں

رہنا پسند کرتے تھے۔ دوسرے رومانویت پسندوں کی طرح وہ بھی ابلیس کی شخصیت کے شر سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ اقبال روسو کی طرح صحرایت اور بدویت کی تعلیم دیتے رہے۔ وہ تہذیب وتمدن کی زندگی کو غیر فطری سمجھتے تھے۔ بدویت کی تعریف میں اقبال نے تمدن کی برکات کو نظر انداز کر دیا۔ اقبال کی روحانیت کا ایک پہلو جارحانہ قوت پسندی ہے۔ اقبال اخلاق کی طرح فنون لطیفہ میں بھی سنگینی اور قاہری کی کوشش کرتے ہیں۔ اقبال زندگی کے شعبے میں عملی آدمی نہیں تھے۔ افکار وتاثیرات نے اُن کی شخصیت پر قبضہ کر لیا تھا، اور اس طرح کے دوسرے بہت سے الزام علی عباس جلالپوری نے علامہ اقبال پر عائد کیے ہیں۔ ڈاکٹر ایوب صابر کی کتاب اقبال کی فکری تشکیل اعتراضات و تاویلات کا جائزہ کے نویں باب میں علی عباس جلالپوری کی کتاب اقبال کا علم الکلام کے چھٹے باب میں درج شدہ اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ تنقیدی اور منطقی استدلال سے انھوں نے یہ بات ثابت کی ہے کہ علی عباس جلالپوری نے رومانویت کے حوالے سے جو الزامات علامہ اقبال پر عائد کیے ہیں مبالغہ آرائی، مبالغہ آمیزی اور الزام تراشی پر مشتمل ہیں۔ جلالپوری نے رومانیت کے حوالے سے صرف منفی خصوصیات کی فہرست تیار کی ہے اور ان نقائص کا تعلق اقبال سے جوڑ دیا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''علی عباس جلالپوری کی تحقیق ناقص ہے اور مقاصد مشکوک ہیں اور ان کے دعوے حقائق کے منافی ہیں اقبال رومانوی نہیں بلکہ ایک حقیقت پسند مفکر ہیں۔۔۔۔ جلالپوری کے انداز نقد کا ایک نقص ہے کہ وہ کلام اقبال کے تناظرات کو چھپاتے ہیں اور انکے طے شدہ موقف کے برعکس جو کچھ اقبال کے ہاں ہوتا ہے اسے زیر بحث نہیں لاتے اور جزوی مطالعے کی بنا پر غلط نتائج نکالتے ہیں اور اس طرح قارئین کو مغالطوں میں مبتلا کرتے ہیں۔''[۹۸]

وحدت الوجود اور وحدت الشہود اسلامی تصوف کی دو اہم اصطلاحیں ہیں۔ اقبال پر وحدت الوجود کے حوالے سے بہت کچھ لکھا گیا ہے اور مزید کثرت سے لکھا جا رہا ہے۔ متعدد اہل قلم نے علامہ اقبال کو وحدت الوجودی قرار دیا پروفیسر یوسف سلیم چشتی علامہ اقبال کے ارادت مند ہیں اور شارح اقبال بھی ہیں انھوں نے اقبال کو وحدت الوجودی ثابت کرنے میں ساری عمر صرف کر دی۔ علی عباس جلالپوری نے انہدام اقبال کی غرض سے اقبال کو وحدت الوجودی ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کی۔ مکیش اکبرآبادی نے وحدت الوجود کے حوالے سے علامہ اقبال کو ہدف تنقید بنایا۔ علی عباس

جلالپوری نے اپنی کتاب اقبال کا علم الکلام جو صرف انہدام اقبال کے لیے لکھی گئی ہے اس میں ایک پورا باب اقبال کو وحدت الوجودی ثابت کرنے کے لیے صرف کیا ہے۔علی عباس جلالپوری کے نزدیک اقبال کے فکر نظر کا آغاز وحدت الوجود اور سریان سے ہوتا ہے۔علی عباس جلالپوری معترض ہیں کہ علامہ اقبال نے اپنے خطبات میں سریان کی حمایت کی ہے۔کتاب کے نویں باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے ان تمام اعتراضات کا جائزہ لیا ہے جو مختلف معترضین نے وحدت الوجودیت کے حوالے سے علامہ اقبال پر عائد کیے ہیں۔اس سلسلے میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''چند وجودی اقوال کی تائید سے اقبال کو واحدت الوجودی قرار دینا درست نہیں جبکہ یہ بات یقینی نہ ہو کہ اقبال شعوری طور پر وحدت الوجود کی تائید کر رہے ہیں۔ بنیادی طور پر ان صد مقامات کو نظر انداز کرنے کا کوئی جواز نہیں جہاں اقبال واضح طور پر وحدت الوجود اور ہمہ اوست کو رد کرتے ہیں۔یہ مقامات اقبال کے کلام نظم و نثر میں قدم قدم پر دیکھے جاسکتے ہیں۔''۹۹

گیارھویں باب کا عنوان ہے''اقبال متکلم ہیں یا فلسفی بھی''۔اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے علی عباس جلالپوری کے ان اعتراضات کا جائزہ لیا ہے جو انھوں نے اپنی کتاب اقبال کا علم الکلام کے باب اول میں اٹھائے ہیں۔ علی عباس جلالپوری کے نزدیک علامہ اقبال متکلم تو ہیں فلسفی نہیں جبکہ ڈاکٹر ایوب صابر نے انھیں فلسفی بھی ثابت کیا ہے۔ جو شخص آزادانہ غور وفکر کے بعد کوئی عقیدہ اختیار کرے گا وہ متکلم کہلاتا ہے۔جلالپوری کے نزدیک جس طرح غزالی اور رازی نے قدیم فلسفہ نوفلاطونیت اور اسلامی عقائد میں تفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کی اسی طرح علامہ اقبال نے جدید سائنس اور مذہبی مسلمات کے تطبیق کی سعی کی ہے۔علی عباس جلالپوری نے علامہ اقبال کو ایک متکلم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اعتراضات لگائے ہیں کہ علامہ اقبال نے خود کو کبھی بھی فلسفی کہلوانا پسند نہیں کیا۔اقبال نے اپنے اشعار میں فلسفے کی مخالفت کی ہے۔اقبال فلسفے کو مسلمانوں کے لیے ضرر ساں سمجھتے ہیں۔اقبال کا کوئی نظام فکر نہیں وغیرہ۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے تحقیقی دلائل سے یہ بات ثابت کی ہے کہ علامہ اقبال ایک بلند پایہ فلسفی ہیں اور تمام اہل فلسفہ اقبال کی فلسفیانہ عظمت کے قائل بھی ہیں۔اس سلسلے میں ڈاکٹر ایوب صابر نے ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ڈاکٹر سید ظفر الحسن، ڈاکٹر علی شریعتی اور ڈاکٹر عبدالمغنی وغیرہ کے حوالے سے علامہ اقبال کو فلسفی ثابت کیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اقبال کے صاحب بصیرت اور دانائے راز ہونے سے کسی کو انکار ممکن نہیں فلسفے کی جتنی بھی تعریفیں کی جائیں تمام تعریفوں کی

رو سے علامہ اقبال فلسفی ہیں۔

کتاب کا بارھواں باب ''شاعر یا مفکر'' کی بحث سے متعلق ہے۔ کچھ لوگوں کے نزدیک علامہ اقبال کی حیثیت صرف شاعر کی ہے اور کچھ کے نزدیک وہ ایک بلند پایہ مفکر بھی ہیں۔ مجنوں گورکھ پوری اقبال کی پہلی اور آخری حیثیت صرف شاعر ہی کی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح حمید نسیم نے اقبال کے عظیم شاعر ہونے کا اقرار اور حکیم امت ہونے کا انکار کیا ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے انہی پہلوؤں پر بحث کی ہے کہ اقبال صرف شاعر ہیں یا مفکر بھی۔ کتاب کا آخری باب بھی بارھویں باب کا تتمہ ہی ہے کہ اقبال صرف شاعر و فلسفی یا کچھ اور بھی۔ مولانا نجم الدین اصلاحی علامہ اقبال کو شاعر اور فلسفی سے زیادہ حیثیت دینے کو شرعی جرم سمجھتے ہیں اسی طرح کے چند دوسرے اعتراضات قرآن کا نظریہ شاعری اور اقبال پر اس کا اطلاق کے حوالے سے غلط مباحث کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اقبال کی فکری تشکیل اعتراضات و تاویلات کا جائزہ ایک مکمل اور مدلّل کتاب ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر کے اقبالیاتی سرمایے میں اس کتاب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس کتاب میں سینکڑوں اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان اعتراضات کی تحقیقی حوالے سے جانچ پرکھ کر کے اصل سچائی کو قاری کے سامنے رکھا ہے۔

۵: علامہ اقبال کا تصور اجتہاد (مجموعہ مقالات) (شریک مرتب)

پاکستان میں افراد کے ساتھ ساتھ مختلف ادارے بھی فکر اقبال کی ترویج و اشاعت میں سرگرم عمل ہیں۔ اس سلسلے میں اقبال اکادمی پاکستان اور علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد کا شعبہ اقبالیات قابل ذکر ہے۔ علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد اور اقبال اکادمی پاکستان لاہور کے اشتراک سے ۲۸ تا ۳۰ اکتوبر ۲۰۰۶ کو ایک سہ روزہ قومی سیمی نار علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد میں منعقد ہوا جس کا موضوع علامہ اقبال کا تصور اجتہاد تھا۔ افتتاحی اور اختتامی نشستوں کے علاوہ اس سیمی نار میں چھ نشستیں ہوئیں۔ ان چھ نشستوں میں حسب ذیل مقالات پڑھے گئے:

۱۔ ''علامہ اقبال کے اصول اجتہاد'' از ڈاکٹر محمد مسعود

۲۔ ''اقبال کا تصور اجتہاد اور دور حاضر کے اجتہادی ادارے'' از پروفیسر عبدالجبار شاکر

۳۔ ''اقبال اجماع امت اور قیام پاکستان'' از پروفیسر فتح محمد ملک

۴۔ ''جدید سیاسی نظام اور اجتہاد'' از ابوالاعجاز زاہد الرشدی

۵۔ ''علامہ اقبال اور حدیث'' از ڈاکٹر خالد علوی

۶۔ ''عمل اجتہاد میں آزادی فکر کا کردار'' از عبداللہ

۷۔ ''شریعت مقاصد شریعت اور اجتہاد'' از محمد عمار خان ناصر

۸۔ ''اقبال کے تصور اجتہاد پر اعتراضات کا جائزہ'' از ڈاکٹر ایوب صابر

۹۔ ''زنجیر پڑی دروازے میں۔۔۔'' از محمد سہیل عمر

۱۰۔ ''اقبال اجتہاد اور اسلامی جمہوری ریاست'' از ڈاکٹر شاہد اقبال کامران

۱۱۔ ''دور جدید کی تہذیبی ساخت اسلام اور اقبال'' از ڈاکٹر نجیبہ عارف

۱۲۔ ''وقت کے اجتہادی مسائل میں مولانا احمد رضا خان اور علامہ اقبال کا موقف'' از ڈاکٹر تنظیم الفردوس

ان مقالات کو ڈاکٹر ایوب صابر اور محمد سہیل عمر، ناظم اقبال اکادمی پاکستان نے کتابی شکل میں مرتب کیا۔ یہ کتاب پہلے ۲۰۰۸ اور دوبارہ ۲۰۱۱ میں اقبال اکادمی پاکستان، لاہور سے شائع ہوئی یہ کتاب علامہ اقبال کے تصور اجتہاد کی مکمل عکاسی کرتی ہے۔ اس کتاب میں شامل مقالات تصور اجتہاد کے مختلف پہلوؤں کو زیر بحث لا کر فکر ونظر کے کئی دروازے کھولتے ہیں۔ اس کتاب میں ڈاکٹر ایوب صابر کا مضمون بعنوان" اقبال کے تصور اجتہاد پر اعتراضات کا جائزہ'' شامل ہے۔ اجتہاد دور حاضر کی اہم ضرورت ہے اور ہر دور میں اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔

اقبال کا اجتہاد پر مقالہ" اسلام کے تشکیلی ڈھانچے میں اصول حرکت" کے عنوان سے خطبات اقبال میں چھٹے خطبے کے طور پر شامل ہے۔ یہ خطبات مدارس، حیدرآباد، اور علی گڑھ کی یونی ورسٹیوں میں ۱۹۲۸ء اور ۱۹۳۰ء کے دوران دیے گئے۔ اقبال نے اس خطبے میں اجتہاد کے مسئلے کو مختلف انداز سے دیکھا ہے اور اجتہاد کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس خطبے میں علامہ نے ابتدا میں اجتہاد کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کی ہے پھر عصر حاضر میں مذہبی تحریکات اور رُجحانات کے تناظر میں اجتہاد کی ضرورت اور اہمیت پر بحث کی ہے پھر انھوں نے اجتہاد کے عمل کے رک جانے کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے علامہ اقبال کے نزدیک اجتہاد زندگی میں حرکت وحرارت کا اصول ہے ڈاکٹر

ایوب صابر نے اس مضمون میں ان اعتراضات کا جائزہ لیا ہے جو علامہ اقبال کے تصور اجتہاد پر وقتاً فوقتاً کیے گئے ۔ ڈاکٹر محمد یوسف کا مقالہ بعنوان *A Study of Iqbal's view on ijthad* اقبال ریویو میں ۱۹۶۲ میں شائع ہوا جس میں انھوں نے یہ نکات اٹھائے ہیں کہ اجتہاد علما کا حق ہے ۔ اجتہاد غیر عالم کا کام نہیں ہے ۔ اسی طرح جامعہ اشرفیہ کے مفتی مولانا جمیل احمد تھانوی نے اجتہاد کے لیے تیس شرائط لگا کر اجتہاد کے دروازے کو بند کرنے کی کوشش کی ۔ اسی طرح ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے اپنی کتاب *Iqbal's Reconstructions* میں علامہ کے خطبہ اجتہاد پر اعتراضات کیے ہیں خاص طور پر انھوں نے ترک قوم پرستی کو ہدف تنقید بنایا ہے ۔ اسی طرح کے چند اعتراضات ڈاکٹر تحسین فراقی نے بھی کیے ہیں ۔ اس عالمانہ مقالے میں ڈاکٹر ایوب صابر نے ان اعتراضات کے جوابات تحریر کیے ہیں ۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''جدید دور کے چیلنج اتنے بڑے ہیں اور علوم نے اتنی ترقی کر لی ہے اجتہاد نہ صرف یہ کہ کسی ایک فرد کے بس کی بات نہیں رہی بلکہ تنہا علماء وفقہا بھی یہ فریضہ ادا نہیں کر سکتے ہیں ۔ اجتہاد کے لیے مجالس اور اداروں کی ضرورت ہے۔''[۱۰۰]

۶: اقبال دشمنی ایک مطالعہ

ڈاکٹر ایوب صابر کی کتاب اقبال دشمنی ایک مطالعہ ان کے ایم ۔ فل اقبالیات کے لیے تحقیقی مقالے کا موضوع تھا ۔ مقالے کا موضوع اقبال پر معاندانہ کتب کا جائزہ تھا ۔ بعد میں اسے اقبال دشمنی ایک مطالعہ کے نام سے شائع کیا گیا ۔ اس کتاب کو سب سے پہلے جنگ پبلشرز نے ۱۹۹۳ء میں شائع کیا ۔ اب تک اس کے تین اڈیشن شائع ہو چکے ہیں ۔ اس کتاب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے علامہ اقبال کے بارے میں دشمنانہ اور حریفانہ انداز میں لکھی جانے والی کتابوں پر تنقید کی ہے ۔ آج کے دور اقبال شناسی کے ساتھ ساتھ اقبال دشمنی بھی ایک مستقل موضوع ہے ۔ اقبال کی زندگی ہی میں لوگوں نے ان کے فکر وفن پر اعتراضات کرنے شروع کر دیے تھے ۔ اگرچہ اقبال کے خلاف لکھی گئی کتابوں کی تعداد کافی ہے اور سب کا محاکمہ کرنا مشکل ہے ۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے اس کتاب میں آٹھ کتابوں کا محاکمہ کیا ہے ۔ علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی نے ڈاکٹر ایوب کو اس موضوع پر ایم فل کی ڈگری دی ہے ۔ اور ۱۹۹۵ء میں انھوں نے اس کتاب کی اشاعت پر گولڈ میڈل بھی حاصل کیا ہے ۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اقبال کی شخصیت اور فکر وفن پر اڑائے جانے والے چھینٹے پروفیسر ایوب صابر کے لیے ذہنی اذیت اور کرب کا باعث تھے۔ان کی نفاست طبع اور وضع داری سے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ تنقید اقبال کے اس پھوہڑ پن اور بد ہیتی کو ٹھنڈے پٹیوں برداشت کرتے۔ مخالفین کا جواب دینا جس قدر ضروری تھا اس قدر مشکل بھی تھا۔ ایوب صابر نے یہ سفر جرأت اور فرزانگی سے طے کیا۔''[۱۰۱]

یہ کتاب تین حصوں میں تقسیم کی گئی ہے اور آٹھ ابوب پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں اقبال کی شخصیت پر معاندانہ کتب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ حصہ دوم میں اقبال کی شاعری پر معاندانہ کتب کا جائزہ لیا گیا ہے جبکہ حصہ سوم میں اقبال کے افکار پر معاندانہ کتب کا جائزہ لیا گیا ہے جن کتابوں کا ڈاکٹر ایوب صابر نے جائزہ لیا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ خدوخال اقبال مصنفہ، امین زبیری

۲۔ علامہ اقبال اور اُن کی پہلی بیوئی مصنفہ، حامد جلالی

۳۔ مکائد اقبال مصنفہ، برکت علی گوشہ نشین

۴۔ اقبال کا شاعرانہ زوال از، برکت علی گوشہ نشین

۵۔ خادمانہ اور مودبانہ تبدیلیاں از، برکت علی گوشہ نشین

۶۔ مثنوی سرالاسرار از، ڈاکٹر خواجہ معین الدین جمیل

۷۔ اقبال اجمالی تبصرہ از، مجنوں گورکھ پوری

۸۔ اقبال قلندر نہیں تھا از، صاحب عاصمی

۱: خدوخال اقبال

اس کتاب کے مصنف محمد امین زبیری ہیں جو۱۸۷۲ء میں یو-پی میں پیدا ہوئے اور ۱۹۵۸ میں کراچی میں وفات پائی ۔امیں زبیری نے چوبیس کتابیں لکھی ہیں ان میں زیادہ تر کتابیں سوانح عمریوں اور تذکروں پر مشتمل ہیں۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں لوگوں کی بے جا تعریف اور تنقید کی ہے زبیری زیادہ تر معاوضے پر کتابیں لکھتے تھے۔علامہ

اقبال اور مولانا شبلی نعمانی کے خلاف انھوں نے کتابیں بغیر معاوضے کے لکھی ہیں۔ اگرچہ امین زبیری نے اپنی کتاب خدو خال اقبال اپنی وفات سے تین برس پہلے یعنی ۱۹۵۵ء میں مکمل کر لی تھی مگر یہ کتاب ان کی زندگی میں شائع نہ ہو سکی اور ان کی وفات کے ۲۸ سال بعد ۱۹۸۶ء میں ناشر کنور اعظم خان خسروی نے اس کتاب کو ناظم آباد کراچی سے شائع کیا۔اس کتاب میں امین زبیری نے علامہ اقبال پر طعن و ملامت کی ہے جگہ جگہ انھیں ہدف تنقید و اعتراض بنایا ہے۔علامہ اقبال کے افکار و خیالات کا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے۔خدو خال اقبال کے بارے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

> ’’ہمیں ہر بار یہ احساس ہوا کہ لکھنے والے نے قطعی ایک منفی ذہن کے ساتھ اور خاصی پست سطح پر اُتر کر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔اس کتاب کے متعدد بیانات حد درجہ بے احتیاطی،خدا سے بے خوفی اور بد دیانتی پر مبنی ہیں خدو خال اقبال پڑھتے ہوئے یہی احساس ابھرتا ہے کہ مصنف کو علامہ کی زندگی سے شدید پر خاش ہے اور ان کے بارے میں انتہائی تعصب میں مبتلا ہیں۔‘‘[۱۰۲]

امین زبیری نے اپنی کتاب خدو خال اقبال کو چھے ابواب میں تقسیم کیا ہے جن کے عنوانات یہ ہیں:

۱۔نقوش سیرت	۲۔مشاہیر سے تعلقات	۳۔اقبال کی شاعری
۴۔اقبال اور سیاسیات	۵۔اقبال اور بعض سیاستین	۶۔اقبال کے استاد محترم

امین زبیری نے کم از کم پچاس الزامات اس کتاب میں علامہ اقبال پر عائد کیے ہیں مثلاً اقبال کی مذہبی تعلیم معمولی تھی قرآن میں شاعروں کے متعلق ارشاد اقبال پر منطبق ہوتا ہے روایتی شعرا کی طرح بعض طبقوں پر تیر برسائے علامہ اقبال کی نظموں سے انجمن حمایت اسلام کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔امرا کی تعریف کی۔اپنی تقدیر ایک ہندو کے ہاتھ میں دے دی۔علامہ اقبال نے نہرو اور گاندھی کی تعریف کی اور محمد علی جناح کے خلاف اشعار لکھے۔علامہ اقبال کے فکر، خاص طور پر سیاسی فکر میں تضاد تھا۔علی گڑھ تحریک سے لاتعلق رہے علامہ اقبال کے پیغام اور ان کی زندگی میں تضاد تھا اس قسم کے اور بہت سے بے سر و پا الزام امین زبیری نے اپنی کتاب میں علامہ اقبال پر لگائے ہیں ڈاکٹر ایوب صابر نے امین زبیری کی کتاب خدو خال اقبال کا تحقیقی انداز میں محاکمہ کیا اور یہ ثابت کیا کہ خدو خال اقبال میں لگائے گئے الزامات تحقیقی تجزیے کی زد میں آ کر فقط بہتان رہ جاتے ہیں البتہ ڈاکٹر ایوب صابر نے امین زبیری کے اُن

الزامات کو درست قرار دیا ہے جو تحقیقی کسوٹی پر درست ثابت ہوئے ہیں لیکن یہ بات واضح ہے کہ امین زبیری نے اپنی کتاب ایک خاص مقصد کے لکھی تھی جو کہ انہدامِ اقبال ہے۔ امین زبیری پیشہ ور مصنف تو تھے مگر وہ تنقیدی شعور اور فکر کی دولت سے بے بہرہ تھے۔ ڈاکٹر ایوب صابر امین زبیری کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> ’’امین زبیری اقبال کی شخصیت ان کی شاعری اور ان کے فکر کا تجزیہ کرنے کے استعداد سے محروم تھے انھوں نے اقبال پر جو خاک اچھالی ہے وہ گھوم پھر کر ان کے سر گئی ہے۔ خدوخال اقبال لکھ کر بقول نظر زیدی انھوں نے اپنے سفلے پن کا اظہار کیا ہے۔‘‘ [۱۰۳]

۲: علامہ اقبال اور اُن کی پہلی بیوی

باب دوم میں حامد جلالی کی کتاب علامہ اقبال اور ان کی پہلی بیوی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ کتاب پاکستان میں نایاب ہو چکی تھی، بھارت میں یہ کتاب علامہ اقبال کی ازدواجی زندگی کے نام سے شائع ہوئی۔ اگرچہ کتاب حامد جلالی نے لکھی ہے۔ مگر اس کے درپردہ آفتاب اقبال جو علامہ اقبال کے بڑے بیٹے تھے ان کی سعی کارفرما ہے کتاب کا زیادہ تر حصہ صرف اس بات کے لیے مختص ہے کہ آفتاب اقبال علامہ اقبال کے حقیقی فرزند تھے اور علامہ اقبال نے ان کے ساتھ اور ان کی والدہ کے ساتھ سراسر زیادتی کی ہے۔ مصنف کا قلم آفتاب اقبال کو ان کا صحیح جانشین ثابت کرنے کے لیے بے سروپا باتیں لکھنے میں مصروف ہے۔ حامد جلالی اتحاد عالم اسلامی اور ماڈرن عربی کالج کراچی کے صدر تھے آپ نے ریڈیو پاکستان کراچی سے درس قرآن کا سلسلہ بھی شروع کیا ہوا تھا۔ جلالی نے اقبال کی پہلی بیوی کو صابر، شاکر، معصوم، اطاعت گزار، مقدس اور مظلوم قرار دیا ہے۔ آفتاب اقبال کو والد کا حقیقی اور اطاعت گزار بیٹا ثابت کیا ہے جبکہ دونوں کے معاملے میں علامہ اقبال کو ظالم اور غاصب قرار دیا ہے کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حامد جلالی دانستہ طور پر آفتاب اقبال کے خیر خواہ اور آلہ کار بن گئے تھے جو کچھ آفتاب اقبال اور بیگم آفتاب اقبال نے حامد جلالی کو بتایا وہ باتیں انھوں نے بغیر تحقیق کے اقبال کے خلاف لکھ دیں۔ اس کتاب میں حامد جلالی نے جو الزامات علامہ اقبال پر عائد کیے ہیں ان کا خلاصہ یوں ہے۔ علامہ اقبال نارواظلم کے مرتکب ہوئے اور معیار اخلاق سے گر گئے علامہ اقبال نے پہلی بیوی کو نہ تو طلاق دی اور نہ ہی مہر دیا۔ یورپ کی رنگین فضا اور حسین عورتوں کے ساتھ وقت گزارنے کی وجہ سے اقبال کی طبیعت شریف اور نیک بیوی سے اچاٹ ہوگئی۔ آفتاب اقبال نے

والد کا ہمیشہ ادب و احترام کیا اور ان کی خدمت و اطاعت شعاری میں کوئی کسر نہ چھوڑی، جبکہ علامہ اقبال نے آفتاب اقبال کے ساتھ انتہائی ناروا سلوک کیا۔ اس کتاب میں علامہ اقبال اور ان کی پہلی بیوی سے زیادہ ذکر آفتاب اقبال کا ہے۔ کتاب میں جا بجا آفتاب اقبال کی تعریف کی گئی ہے اور علامہ اقبال کو ایسا والد ظاہر کیا گیا ہے جس نے جان بوجھ کر آفتاب اقبال کے ساتھ ناروا سلوک روا رکھا جس کا واحد سبب حامد جلالی کے نزدیک آفتاب کی مظلوم ماں ہے۔

حامد جلالی معترض ہیں کہ اولاد کے ساتھ خاص طور پر آفتاب اقبال کے ساتھ اقبال کا یہ رویہ سخت اور نفرت انگیز تھا۔ وہ ہر وقت آفتاب کو سب وشتم کا شکار بناتے تھے اس کتاب کی اشاعت کا ایک خاص مقصد تھا کہ آفتاب اقبال کو جنھیں صحیح معنوں میں افکار اقبال کی میراث کا جانشین تصور نہیں کیا جاتا تھا اور نہ ہی وہ تھے ان کو پذیرائی حاصل ہو اقبال کانفرنسوں میں انھیں مدعو کیا جائے اور لوگ انھیں وہ مقام دیں جس کا وہ حق دار تھیں۔ کتاب کے اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے حامد جلالی کے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے اور اصل صورت حال کو واضح کیا ہے۔

۳: مکائد اقبال

مکائد اقبال سید برکت علی گوشہ نشین کی کتاب ہے برکت علی گوشہ نشین کی تصانیف کی تعداد اٹھارہ ہے جو زیادہ تر مختصر کتابچوں پر مشتمل ہیں۔ مکائد اقبال اڑتالیس صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ہے بقول ڈاکٹر ایوب صابر کے اس کتابچے میں علامہ اقبال کے خلاف عناد کا اظہار جس شدت سے ہوا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ گوشہ نشین نے اقبال کو ابن الدنیا، عیار اور فاسق العقیدہ قرار دیا ہے بال جبریل کے بعض اشعار کو برکت علی نے مکر وفریب قرار دیا ہے اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے برکت علی گوشہ نشین کے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔

۴: اقبال کا شاعرانہ زوال

برکت علی گوشہ نشین کی ایک اور کتاب اقبال کا شاعرانہ زوال ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں گوشہ نشین نے بانگ درا کے ایک سو اٹھہتر اشعار کی خامیاں زیر بحث لائی ہیں اور ان خامیوں پر اصلاح بھی دی ہے جبکہ حصہ دوم میں اسرار و رموز، پیام مشرق اور ذبور عجم کی ایک سو اُنتیس اغلاط کی نشان دہی کی ہے اور ان پر اصلاح بھی دی ہے۔ گوشہ نشین نے تذکیر و تانیث کی اغلاط، ست بندش، معنوی لغزشیں اور ناموزوں الفاظ کو زیر بحث لایا ہے باب چہارم میں ڈاکٹر ایوب صابر نے گوشہ نشیں کی کتاب اقبال کا شاعرانہ زوال کا تجزیہ کیا ہے اس سلسلے میں ڈاکٹر ایوب صابر رقمطراز ہیں:

''اعتراضات کے تجزیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ معترض نے جو دعوے کیے ہیں وہ درست نہیں اشعار جو اصلاح میں دیے ہیں ان سے شعروں کا معیار بلند نہیں ہوا ہے۔ اقبال اور کلام اقبال کے بارے میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ غیر معیاری اور ناشائستہ ہے۔''[۱۰۴]

۵: خادمانہ اور مودبانہ تبدیلیاں

برکت علی گوشہ نشین نے ۱۹۵۵ء میں خادمانہ تبدیلیاں اور ۱۹۵۶ء میں مودبانہ تبدیلیاں نامی دو کتابچے تحریر کیے۔ خادمانہ تبدیلیاں اڑتالیس صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ہے جس میں برکت علی گوشہ نشین نے بانگ درا کے تیرہ سوچپن اشعار میں تبدیلیاں تجویز کی ہیں۔ مودبانہ تبدیلیاں سترہ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ہے اس میں بال جبریل کے اشعار میں چوراسی تبدیلیاں کی گئی ہیں گوشہ نشین نے کتابچے کے آخر میں دس تبدیلیاں ضرب کلیم کے اشعار میں تجویز کی ہیں۔ بقول ڈاکٹر ایوب صابر:

''گوشہ نشین نے ایسی اصلاحیں بھی تجویز کی ہیں کہ تبدیل شدہ شعر فرقہ ورانہ تعصب کا منظر بن گئے ہیں۔''[۱۰۵]

ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنی کتاب اقبال دشمنی ایک مطالعہ کے باب پنجم میں برکت علی گوشہ نشین کے متذکرہ بالا دونوں کتابچوں کا تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے علامہ اقبال کے اصل اشعار بھی تحریر کیے ہیں اور گوشہ نشین نے ان میں جو تبدیلیاں کی ہیں اور بعد از تبدیلی کے اشعار بھی درج کیے ہیں۔ عام قاری کو بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گوشہ نشین کی تبدیلی کے بعد اشعار کا معیار کم ہوا ہے بلند نہیں۔ حقیقت میں گوشہ نشین نے فرقہ واریت کی رو میں بہہ کر علامہ اقبال پر چار معاندانہ ومخالفانہ کتابیں لکھی ہیں۔

۶: مثنوی سر الاسرار

کتاب کے باب ششم میں علامہ اقبال کی مثنوی اسرار خودی کی تردید میں لکھی ہوئی مثنوی سرا لاسرار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مثنوی سر الاسرار ۱۹۶۲ء میں کراچی سے شائع ہوئی اور اس کے مصنف کا نام ڈاکٹر خواجہ معین الدین جمیل ہے جو پی۔ ایچ۔ ڈی اور ڈی لٹ کی ڈگری کے حامل تھے، جنھوں نے بغداد اور کراچی کی

یونیورسٹیوں میں صدر شعبہ فلسفہ کی حیثیت سے خدمات سر انجام دی ہیں اور بعد ازاں علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد اور اسلامیہ یونی ورسٹی بہاول پور میں بھی خدمات انجام دیں۔ مثنوی سر الاسرار خواجہ معین الدین جمیل کی پہلی تصنیف ہے اور یہ کتاب علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کی تردید میں لکھی گئی ہے تراسی صفحات پر مشتمل دیباچہ اور نوے صفحات پر مشتمل مقدمہ ہے اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ کتاب سراسر مخالفتِ اقبال پر مبنی ہے مصنف کا قلم سوائے الزام اقبال کے اور کچھ نہیں لکھتا۔ ڈاکٹر موصوف نے اقبال پر جو الزامات اٹھائے ہیں ان کا اجمالی جائزہ حسب ذیل ہے:

علامہ اقبال کا فلسفہ خودی کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے، علامہ اقبال کی تعلیمات سے بے راہ روی کا دروازہ کھل گیا علامہ اقبال کے غلط نظریات کے پرچار کی وجہ سے ہر شخص خودی کو بلند کرنے میں مصروف ہو گیا۔ علامہ اقبال کا فلسفہ خامیوں سے بھرا ہوا ہے کیونکہ انھوں نے مومنوں میں مقبول تصورات کو اسلام اور تصوف کی روشنی میں سمجھا ہی نہیں اقبال کی شاعری سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اقبال کہاں لے جانا چاہتے ہیں؟ اور ان کی منزل کیا ہے؟ اقبال نے ایک ہی وقت میں سیاست دان، شاعر، فلسفی اور مصلح قوم بننے کی کوشش کی ہے یہ ان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اگر وہ صرف ایک پہلو پر توجہ دیتے تو کامیاب رہتے۔ لیکن مختلف کشتیوں میں سوار ہو کر کوئی بھی حیثیت برقرار نہ رکھ سکے۔ اقبال کے فلسفیانہ افکار برگسان کے مرہون منت ہیں اور خودی کے تصورات نطشے سے اخذ کیے ہیں۔ مقدمے میں انھوں نے یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ اقبال کے ہاں نظم تو کیا نثر میں بھی وہ فلسفیانہ فکر نہیں جو فلسفیوں کے ہاں پایا جاتا ہے۔ مصنف نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ اقبال نے مثنوی اسرار خودی فارسی میں لکھی برصغیر کے اکثریتی علاقوں کی زبان فارسی نہیں ہے اور ایسا کرنے سے اس مثنوی سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے ڈاکٹر خواجہ معین الدین جمیل کے مثنوی سر الاسرار میں اٹھائے گے الزامات کا جائزہ باریک بینی سے لیا ہے اور ان کے تمام الزامات کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا ہے۔ ان الزامات کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر معین الدین جمیل کی مثنوی سر الاسرار نہ تو انسان میں قوت عمل پیدا کرتی ہے اور نہ ہی فن شعر کے اعتبار سے اس میں جان ہے۔ دنیا کی اسلامی انقلابی قوتوں کے لیے یہ مثنوی بے کار ہے۔ پاکستان میں بھی اسلامی معاشرے کے قیام کے نقطہ نظر سے اس کی کوئی افادیت نہیں ہے اسلامی جماعتوں نے اس مثنوی کی

طرف کوئی توجہ نہیں دی اہل تصوف نے بھی اسے نظر انداز کر دیا ہے اس کے مقابلے میں علامہ اقبال تمام حلقوں میں مقبول ہیں اور عام پڑھے لکھے مسلمان سے لے کر اسلامی انقلاب کے علمبرداروں تک سب ان کے افکار سے مستفید ہو رہے ہیں۔"[۱۰۶]

۷: اقبال اجمالی تبصرہ

اشراکت پسند اور ترقی پسند نقادوں اور مصنفین نے فکر اقبال کو مہندم کرنے کے لیے جو کتابیں لکھی ہیں ان میں اقبال (اجمالی تبصرہ) از مجنوں گورکھ پوری زیادہ اہمیت کی حامل ہے مجنوں گورکھ پوری جن کا اصل نام احمد صدیقی ہے اردو کے مشہور ادیب اور نقاد ہیں وہ شاعر، افسانہ نگار، مترجم اور انشاء پرداز ہیں۔ نظریاتی طور پر وہ اقبال (اجمال تبصرہ) ایک سو آٹھ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ہے جس پر سن اشاعت تحریر نہیں۔ یہ کتاب دس حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں تمہید ہے جس میں مجنوں گورکھ پوری نے اقبال کو ایسی ہستیوں میں شامل سمجھا ہے جو زمانے کے میلانات کا رخ تبدیل کر سکتے ہیں۔ کتاب کے دوسرے حصے میں بھی تحسین ہے اس حصے میں مجنوں گورکھ پوری نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اقبال کی شاعری ایک نئی آواز ہے ہماری شاعری کو کیا ہونا چاہیے اور کیا ہو سکتی ہے۔ چوتھے حصے میں اقبال پر فارسی زبان ادب اور عربی ادب کے اثرات کا ذکر کیا گیا ہے پانچویں حصے میں اقبال کے تصور فرد اور جماعت پر روشنی ڈالی ہے۔ چھٹے حصے میں اقبال کے تصور خرد و عشق پر روشنی ڈالی ہے اور اس کی تعریف کے ساتھ ساتھ تنقیص بھی کی ہے اقبال کے تصور عشق پر مجنوں گورکھ پوری کو اعتراض ہے کہ اس میں جنسی اور زوجی تحریک کا عنصر بالکل نہیں ہے۔ یہاں انھوں نے اقبال کو ٹھیٹھ پنجابی قرار دیا ہے۔ اس کتاب کے اس باب میں اقبال دشمنی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں ساتویں حصے کے شروع میں گورکھ پوری نے اقبال کو قدامت پرست قرار دیا ہے کتاب کا آٹھواں حصہ طویل اور زیادہ اہم ہے اس باب میں حجازیت کے میلان اور ماضی پرستی کے باعث مجنوں گورکھ پوری نے اقبال کو رجعت پسند قرار دیا ہے۔ اس باب میں گورکھ پوری نے اقبال پر فاشزم کا الزام بھی لگایا ہے نویں باب میں اقبال کے فن شاعری کی تحسین ہے اور گورکھ پوری نے اقبال کو دنیا کا بڑا شاعر تسلیم کیا ہے۔ دسویں حصے میں بحث کو سمیٹتے ہوے اقبال کو بڑا شاعر بھی تسلیم کیا ہے اور نہایت کوتاہ نظر اور غلط اندیش بھی۔ اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے گورکھ پوری کی کتاب اقبال (اجمالی تبصرہ) کا محاکمہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''زیر نظر کتابچے میں اقبال کی تحسین زیادہ اور تنقیص کم ہے تاہم اعتراضات کی فہرست طویل بنتی ہے اور تنقیص میں اقبال دشمنی کا واضح اظہار ہوتا ہے مایوس کن موڑ، کورانہ تقلید، سستے قسم کی علمیت، بہت پست جیسے الفاظ کا استعمال عناد کا مظہر ہیں ۔۔۔مجنوں کے اعتراضات پر گہری نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اقبال اپنے اسلامی میلان کے باعث مجنوں کے اعتراضات کا ہدف بنے مجنوں اسلام کو مذہب وملت کا تنگ دائرہ قرار دیتے ہیں۔''[۱۰۷]

۸: اقبال قلندر نہیں تھا

باب ششم میں صائب عاصمی کی کتاب اقبال قلندر نہیں تھا کا جائزہ لیا گیا ہے۔صائب عاصمی پراگندہ خیالات کا حامل ایک ملحد شخص تھا۔اس نے اس کتاب میں مذہب کی بار بار مذمت کی ہے۔ وہ معترض ہے کہ اقبال قلندر نہیں تھا چونکہ اس نے اپنے افکار کو مذہب کے متصبانہ لباس میں پیش کیا۔ عاصمی کے نزدیک قلندر بندگی اور عبادت سے آزاد ہوتا ہے ہر صاحب ایمان شخص کو قلندر کہنا اقبال کی غلط تعبیر ہے۔کارل مارکس جو خدا کا منکر ہے صائب عاصمی نے اسے قلندر کہا ہے مگر اقبال کو نہیں۔ عاصمی کی کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے پہلے باب میں بتایا گیا ہے کہ علامہ اقبال نے اپنے کلام میں قلندر کا لفظ بار بار استعمال کیا ہے اور اپنے آپ کو مرد قلندر کہا ہے۔

دوسرے باب میں قلندر کے مسلک پر روشنی ڈالی ہے۔تیسرا باب دور شریعت کے بارے میں ہے۔ چوتھے باب میں اقبال کو مذہبی شاعر کہہ کر ماضی پرست قرار دیا ہے۔ اس باب میں عاصمی نے علامہ اقبال کو چاپلوس اور باقیات اقبال کو خرافات قرار دیا ہے۔ پانچویں باب میں قلندر کے بارے میں متضاد قسم کے دعوے کیے گئے ہیں۔ چھٹے باب میں اقبال کے مرد مومن ہونے پر اعتراضات کیے گئے ہیں عاصمی معترض ہیں کہ اقبال پرستوں کو مرد مومن، انسان کامل یا مرد قلندر میں فرق نظر نہیں آتا۔ ساتویں باب میں فلسفہ وجودیت پر بحث کی گئی ہے عاصمی نے اعتراض اٹھایا ہے کہ اقبال قلندر نہیں تھا چونکہ اقلیم روحانی اسے قلندر تسلیم نہیں کرتی۔

آٹھواں باب توحید اور اشتراکیت پر ہے۔اس باب میں عاصمی نے توحید کے مسائل تو زیر بحث نہیں لائے البتہ وحدت الوجود اور سلوک کی منازل کا تذکرہ ہے۔ عاصمی نے اشراکیت کو دور نو کی روحانیت قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

''مذہب کا لاشہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دبا دیا جائے گا۔ خدا کو عنقریب زمین بدر کر دیا
جائے گا اور اشتراکیت کی گود میں دنیا فطری نعمتوں سے مالا مال ہوگی۔''[۱۰۸]

باب نہم کا عنوان اقتصادی مسائل اور منشورِ فطرت ہے اس باب میں اقبال کا ذکر نہیں تاہم عاصمی کا اصل روپ اسی باب میں ظاہر ہوتا ہے جہاں وہ عورتوں اور مردوں کو جنسی آزادی دینے کے حق میں نظر آتا ہے۔ دسویں باب میں عبادت اللہ فاروقی کے مقالے ''اقبال اور قلندروں کا جواب'' پر بحث کی گئی ہے۔ عاصمی نے اس باب کا عنوان ''سخن شناس نہ دلبر خطا اینجاست'' مقرر کیا ہے۔ گیارھویں اور بارھویں باب میں اقبال کا کوئی ذکر نہیں۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے اس باب میں متذکرہ بالا اعتراضات کا جائزہ لیا ہے ان کے محاکمے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عاصمی ایک ملحد اولادین شخص ہے۔ ترقی پسندوں کی حمایت کرتا ہے اور یہ حمایت صرف اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ وہ لامذہب ہیں۔ وہ عورتوں اور مردوں کو شہوانی تقاضے پورے کرنے کے لیے ہر قسم کی آزادی دینے کے حق میں ہے وہ ایک مخبوط الحواس شخص ہے جو مذہب کو جہال کے ذہنوں کی پیداوار قرار دیتا ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنی کتاب اقبال دشمنی ایک مطالعہ میں متذکرہ بالا کتابوں کا تحقیقی انداز میں جائزہ لیا ہے۔ ہر کتاب میں درج شدہ اعتراضات کی نوعیت، اسباب و محرکات اور معترضین کے ذہنی پس منظر کو تحقیقی و تنقیدی انداز میں پرکھا ہے۔ اُنھوں نے واضح کیا ہے کہ معترضین کے اعتراضات بے سروپا اور پست قسم کے ہیں اُن میں طرز استدلال اور شائستگی نہیں پائی جاتی۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے اس کتاب میں جن اعتراضات کا محاسبا کیا ہے اگرچہ اُن میں سے بہت سے اعتراضات پر دوسرے ماہرین پہلے محاکمہ کر چکے ہیں اور خود ڈاکٹر ایوب صابر کی دوسری کتابوں میں بھی جا بجا ان اعتراضات پر بحث ہوئی ہے تاہم پہلے کے جوابات جزوی اور منتشر حالت میں تھے۔ اس کتاب میں اُنھوں نے اعتراضات پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اُنھیں ایک مربوط انداز میں منظم کرنے کی کوشش کی ہے۔

۷: تصور پاکستان (علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ)

ڈاکٹر ایوب صابر کی کتاب تصور پاکستان علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد سے ۲۰۰۴ میں پہلی دفعہ شائع ہوئی۔ اس کتاب کی اشاعت پر اقبال اکادمی پاکستان نے اُنھیں "اقبال ایوارڈ" عطا کیا ہے۔ علامہ اقبال کی حیثیت محض ایک شاعر کی نہیں بلکہ وہ مفکر پاکستان بھی ہیں۔ انھوں نے پہلی مرتبہ باضابطہ طور پر ۱۹۳۰ میں تصور پاکستان پیش کیا اور ان کے اسی تصور کے بل بوتے پر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان

دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا قراردادِ لاہور کی منظوری کے بعد قائد اعظم محمد علی جناح نے علامہ اقبال کے تصور پاکستان کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے بجا طور پر اس بات کا اظہار کیا کہ آج ہم نے وہی کچھ کیا ہے جو اقبال چاہتے تھے۔ علامہ اقبال نے مسلمان قوم کو علاحدہ وطن کے حصول کی راہ دکھائی اور منزل کی طرف ان کی راہ نمائی کی۔ حقیقت میں قیام پاکستان علامہ اقبال کے تصور پاکستان کا نتیجہ اور ثمر ہے۔ بدقسمتی سے کچھ لوگوں نے علامہ اقبال کو مفکر پاکستان تسلیم کرنے سے انکار کیا اور علامہ اقبال کے خلاف اوچھے پروپگنڈے استعمال کیے۔ درحقیقت یہ وہی لوگ ہیں جو پاکستان کی فکری اساس اور نظریہ پاکستان کے ساتھ عناد رکھنے والے ہیں۔ ان میں ہندو اور مسلمان دونوں گروہوں کے لوگ موجود ہیں۔ اس کتاب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے ان لوگوں کی تحریروں کا تحقیقی انداز میں محاسبا کیا ہے جو اقبال اور تصور پاکستان کے حوالے سے عناد اور اقبال دشمنی پر مبنی ہیں۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے یہ بات واضح کی ہے کہ ایسی تمام تحریریں جو اقبال کا تعلق تصور پاکستان کے ساتھ منقطع کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں وہ صرف قومی اور ذاتی عناد پر مشتمل ہیں۔ انھوں نے زیرِ نظر کتاب میں ان تحریروں کے سیاسی اور نفسیاتی محرکات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کے حوالے سے پروفیسر فتح محمد ملک لکھتے ہیں:

> ”سرکاری دانشوروں اور محققوں نے فرقہ ورانہ بنیاد پر تقسیم ہند کی تجاویز تک تصور پاکستان کو محدود کر دیا۔ انھوں نے پوری کوشش کی کہ علامہ اقبال کے خصوصی کارنامے پر خاک ڈالی جائے اور حقیقی تصور پاکستان کو نظروں سے اوجھل کر دیا جائے۔“[۱۰۹]

کتاب کا مقدمہ پروفیسر فتح محمد ملک اور ڈاکٹر معین الدین عقیل کا تحریر کردہ ہے۔ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے جن کو مختلف ذیلی ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے کا عنوان " تصور قومیت کے خلاف ردعمل " ہے۔ اس حصہ میں انھوں نے وطنی قومیت اور اسلامی قومیت، ہندوؤں کا ردعمل، مولانا محمد علی اور مولانا مدنی کے اعتراضات، آزادی کے بعد بھارت میں ہندی قوم پرست مسلمانوں کا زاویہ نظر، آزادی کے بعد پاکستان میں لسانی، نسلی اور علاقائی قومیتں، پاکستان میں وطنی قومیت کا شوشہ اور پین اسلامزم کے ذیلی عنوانات کے تحت بحث کی ہے۔ جبکہ دوسرے حصے کا عنوان " تصور پاکستان علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ " ہے۔ کتاب کے اس حصے میں انھوں نے تصور پاکستان کا حقیقی خالق کون، تصور پاکستان سے علامہ اقبال کا رشتہ کاٹنے کی کوشش، مخالفین کے دعوٰی اور دلائل، خطبہ الٰہ آباد کے

تناظرات، پاکستان کا محرک اول چودھری رحمت علی مصور، پاکستان کون حتمی نتیجہ، تخلیق پاکستان انگریز کی چال تھی اور کچھ ذیلی عنوانات پر بحث کی ہے۔ڈاکٹر ایوب صابر کی کتاب تصور پاکستان علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ کے پیش لفظ میں ڈاکٹر معین الدین لکھتے ہیں:

> ''ان کی زیر نظر تصنیف اس جزوی مطالعے کی ایک مثال ہے جس میں پروفیسر صاحب نے محض اقبال کے تصور پاکستان کے ضمن میں اقبال پر اعتراضات اور غلط بیانات کا جائزہ لیا ہے اور نہایت شرح و بسط کے ساتھ ان اعتراضات اور غلط بیانوں کو ان کے تاریخی، سیاسی اور نفسیاتی تناظر میں اپنے جائزے کا موضوع بنا کر ان سب کی تنقیع اور تردید کی ہے اور تمام متعلقہ شواہد و دستیاب مآخذ کی مدد سے حقائق اجاگر کیے ہیں۔''[۱۱۰]

اقبال نے مسلمانوں کو زندگی کا واضح نصب العین دیا اور مسلمانوں میں علاحدہ وطن کے حصول کے لیے ایک راہ متعین کی اقبال برصغیر کے مسلمانوں کو مضبوط بنایا چاہتے تھے۔ وہ مسلمانوں کو ہندوؤں میں ضم نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ اس بات کے خواہاں تھے کہ مسلمان ہندوؤں سے الگ ہو کر اپنا قومی اور ملی تشخص برقرار رکھیں۔ یہ بات ہندوؤں کو کسی طرح ہضم نہیں ہو رہی تھی چناں چہ بہت سے ہندوؤں نے اقبال کے ہندی قومیت سے اسلامی قومیت کی طرف ارتقا کو ہدف تنقید بنایا۔ ڈاکٹر سہنا نے اقبال پر الزام لگایا کہ اس نے اسلام کی غلط تاویل پیش کی ہے، مسلم اور غیر مسلم کی تمیز تعصب پر مبنی ہے۔ مولانا محمد علی جوہر اقبال کو اپنا استاد مانتے تھے۔ لیکن ۱۹۲۷ میں انھوں نے مسئلہ قومیت کے ضمن میں علامہ اقبال پر شدید اعتراضات کیے۔ مولانا محمد علی جوہر نے اقبال کی مخالفت میں مضامین لکھے۔ مولانا حسین احمد مدنی نے یہ نظریہ دیا کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں مولانا حسین احمد مدنی کے پیروکاروں نے بھی انہدام اقبال کی مہم جاری رکھی۔ یہ سلسلہ قیام پاکستان کے بعد بھی جاری رہا۔ ہندی قوم پرست مسلمانوں نے اقبال کے تصور پاکستان پر اعتراضات کیے۔ بھارتی قوم پرست مسلمان جمیل مظہری نے اقبال کے تصور پاکستان پر اعتراضات کیے۔ جمیل مظہری کو اقبال کی شاعری میں منافرت کا زہر نظر آتا ہے اور وہ اسلامی قومیت کو صرف ہندوستان کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے زہرناک سمجھتے ہیں۔ ہندی قوم پرست مسلمانوں میں مولانا وحید الدین خاں خاصے سرگرم رہے۔ انھوں نے اپنے استدلال سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اقبال کا کیس غلط راہ نمائی کا کیس ہے۔ اعتراضات کا یہ سلسلہ پاکستان میں بھی جاری رہا

جی ایم سید، پیر علی محمد راشدی، شیخ ایاز اور محمد ابراہیم جنھوں نے اقبال کے تصور پاکستان پر تابڑ توڑ حملے کیے ہیں۔ محمد ابراہیم جو یو نے یہاں تک لکھا ہے کہ علامہ اقبال جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ایجنٹ تھے اور سات سمندر پار سے آئے ہوئے انگریزوں کے خطاب یافتہ تھے۔ کتاب کے پہلے حصے میں ڈاکٹر ایوب صابر نے متذکرہ بالا معترضین کے اعتراضات کا منطقی انداز میں جائزہ لیا ہے۔ اور تحقیقی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ معترضین نے تصور پاکستان سے علامہ اقبال کا رشتہ کاٹنے کی کوشش محض اس وجہ سے کی ہے کہ اُن کی راہ نمائی میں برصغیر کے مسلمانوں نے اپنے لیے ایک علاحدہ وطن حاصل کیا۔ ان کے یہ اعتراضات مذہبی، گروہی اور فرقہ پرستانہ عناد پر مشتمل ہیں۔ ڈاکٹر ایوب صابر کے تحقیقی انداز کے بارے میں ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں:

> ''پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر نے جس نفاست، سلیقے، اور محنت سے یہ کام کیا ہے یہ ایک مثالی ہے۔ ایک جانب انکے حصول مآخذ کی جستجو، دوسری جانب معلوماتی مطالب کی فراوانی اور پھر ان سب سے سوا ان کا تجزیہ ان کے دلائل اور حصول نتائج کا ان کا بے لاگ اور غیر جانبدارانہ اسلوب ایک منفرد مثال ہے۔''[۱۱۱]

تصور پاکستان کے حوالے سے مغربی مفکرین، اشراکت پسند علماء، ہندی قوم پرست مسلمانوں اور ہندوؤں نے اعتراضات کیے۔ ان سب کے اعتراضات کا ایک خاص محرک تھا۔ یہ محرک پاکستان کی فکری اساس کو کمزور کرنے کے لیے تھا تصور پاکستان کے حوالے سے علامہ اقبال پر اعتراضات کرنے والوں نے نجی نفرت اور غلط بیانیوں کا ایک جال بنا اور علامہ اقبال پر بے بنیاد الزامات لگائے، ان کا مقصد پاکستان کی نظری اور فکری بنیادوں کو کمزور کرنا تھا۔ ہندوؤں کے نزدیک تقسیم ہندوستان کی ساری ذمہ داری علامہ اقبال پر عائد ہوتی ہے۔ اگر وہ برصغیر کے مسلمانوں کو خطبہ الہٰ آباد کی صورت میں نظریہ پاکستان نہ دیتے تو برصغیر تقسیم نہ ہوتا۔ تصور پاکستان کے حوالے سے مختلف افراد اور گروہوں نے جتنی مخالفت علامہ اقبال کی کی اتنی کسی اور شخصیت کی نہیں کی۔ معترضین و مخالفین اقبال نے فکر اقبال کے انہدام کے لیے ایک نہ ختم ہونے والی مہم شروع کر دی۔ ایڈورڈ تھامسن، جو ہر لال نہرو چودھری رحمت علی، کانٹ ویل سمتھ کے۔ کے۔ عزیز۔ کے۔ ایچ گابا وغیرہ نے اقبال کے تصور پاکستان پر اعتراضات کیے۔ گابا نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ پاکستان کا تصور سب سے پہلے کیمرج یونی ورسٹی کے چار طالب علموں محمد اسلم خان، چودھری رحمت علی، شیخ صادق اور عنایت اللہ خان نے جنوری ۱۹۳۳ء میں پیش کیا انھوں نے مزید لکھا ہے کہ وفات سے پہلے علامہ اقبال تصور پاکستان

سے دست بردار ہو گئے تھے۔[۱۱۲]

چودھری رحمت علی نے علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کو ان کے مقام سے معزول کر کے خود اپنے آپ کو اس مقام پر فائز کرنے کی کوشش کی ہے اس سلسلے میں چودھری رحمت علی نے علامہ اقبال اور قائداعظم پر بے بنیاد الزامات لگائے ہیں۔ایک باقاعدہ سازش اور مخصوص مقاصد کے تحت خورشید کمال عزیز نے مصور و مفکر پاکستان کا تاج چودھری رحمت علی کے سر پر سجانے لے لیے پوری عمر صرف کر دی۔ چودھری خلیق الزمان اور شریف الدین پیرزادہ نے تصور پاکستان سے علامہ اقبال کا رشتہ منقطع کرنے کے لیے مسلم ریاست کے تجویز کنندگان کی ایک طویل فہرست شائع کی۔ چودھری رحمت علی کی پیروی میں کئی اور چودھریوں نے بھی علامہ اقبال کا تصور پاکستان سے رشتہ توڑنے کی کوشش کی۔ چودھری محمد شریف نے چودھری رحمت علی کے پمفلٹ *Now and Never* کو تصور پاکستان کی اولین مقدس دستاویز قرار دیا۔

ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنی کتاب تصور پاکستان علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ میں مخالفین و معترضین کے جن اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ان کی نوعیت حسب ذیل ہے:

۱۔ تخلیق پاکستان انگریز کی چال تھی۔

۲۔ چودھری رحمت علی نے سب سے تصور پاکستان کی بنیاد رکھی اور اس مقصد کے حصول کے لیے باقاعدہ ایک تحریک شروع کی۔

۳۔ فرقہ ورانہ بنیادوں پر تقسیم ہند کی تجویز اقبال سے پہلے بہت سے اور لوگوں نے پیش کی تھی۔

۴۔ پاکستان ہندو مسلمان فرقہ واریت کا نتیجہ ہے۔جبکہ اقبال فرقہ واریت سے بلند اور آفاقی ذہن رکھنے والے تھے۔

۵۔ عمر کے آخری حصے میں علامہ اقبال تصور پاکستان سے دست بردار ہو گئے تھے۔

سرکاری ہندو دانشوروں نے یہ اعتراض لگایا کہ اقبال نے ہندوستان کے اندر مسلم صوبے کی بات کی ہے۔ علاحدہ ملک کی نہیں۔آل احمد سرور کا استدلال ہے کہ ۱۹۳۷ء میں اقبال علاحدہ وطن کے تصور سے دست بردار ہو گے تھے اور انھوں نے یہ بھی الزام عائد کیا ہے کہ اقبال کے خطوط جناح کے نام جعلی ہیں۔اس سلسلے میں ڈاکٹر ایوب صابر

لکھتے ہیں:

''خطبہ الٰہ آباد سے پہلے اور بعد میں الگ مسلم ریاست کے موضوع پر متعدد اشارات اور واضح بیانات ملتے ہیں۔ یہ سلسلہ پندرہ سولہ برسوں پر محیط ہے۔ جن صاحبان نے خطبہ الہ آباد سے صرف ایک ہی مفہوم اخذ کیا ہے" یعنی ہندوستان کے اندر مسلم صوبہ" وہ خطبے کی روح سے ناآشنا ہیں۔ خطبے میں ایک نصب کے اشارات موجود ہیں اور اس نصب العین تک اقبال کئی برسوں پہلے پہنچ چکے تھے۔''[۱۱۳]

کے۔ کے۔ عزیز نے مسلمانوں کے علاوہ انگریزوں کو بھی تصور پاکستان کا خالق ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کے۔ کے عزیز کی یہ کوشش ایک عظیم تر تصور کو مذاق بنانے کے مترادف ہے۔ اس طرح نظریہ پاکستان کے مخالفین کی ایک لمبی فہرست تیار کرنا اقبال کی حیثیت کو خطرے میں ڈالنے کی کوشش ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے کے۔ کے عزیز کے اعتراضات کا جائزہ بڑے مدلّل انداز میں لیا ہے خاص کر چودھری رحمت علی کے حوالے سے کے۔ کے عزیز نے جو بت بنایا تھا ڈاکٹر ایوب صابر نے اس بت کو پاش پاش کیا۔ جن لوگوں نے اقبال کے خطوط بنام جناح کو جعلی قرار دیا ان کو بھی دلائل کے ساتھ جواب دیا ہے۔ کے۔ کے عزیز نے چودھری رحمت علی کو مصور پاکستان ثابت کرنے کے لیے اپنی پوری طاقت داو پر لگا دی مگر ڈاکٹر ایوب صابر نے اس ساری استعداد کے قلعی دو سطور میں کھول دی کہ موصوف کو رحمت علی کے مبینہ خطبے کا متن تک دستیاب نہیں ہو سکا اور نہ ہی کوئی عصری شہادت اس سلسلے میں دستیاب ہو سکتی ہے وہ صرف اپنی بات پر ڈٹے رہے کہ میں نہ مانوں۔ رحمت علی نے علامہ اقبال کے خطبہ الہٰ آباد اور دوسرے بیانات سے جملوں میں ردو بدل کر کے *Now and Never* نامی کتابچہ تیار کیا اور مسلم ریاست کی تجویز یا مطالبے کی اولیت کا اعزاز حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے اس کتاب کے صفحہ ۲۰۷ پر علامہ اقبال کے تصور پاکستان کے اقتباسات اور چودھری رحمت علی کے پمفلٹ کی تحریروں کے اصل اقتباسات تقابل کے لیے درج کیے ہیں جن سے اصل حقائق کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ایوب صابر نے اس کتاب میں علامہ اقبال کے تصور پاکستان کے نقوش کو واضح کیا ہے۔ انھوں نے اس عظیم اور جامع تصور کو نظر انداز کرنے والوں کو مصور پاکستان کی طویل فہرستیں مرتب کرنے والوں کا پردہ فاش کیا ہے۔ انھوں نے واضح کیا ہے کہ رحمت علی نے چار افراد کی فہرست مرتب کی ۱۹۱۵ کے ایک جعلی بیان جس کی اصل کہیں

دستیاب نہیں اور نہ ہی معاصر رسائل اور اخبارات میں کوئی ثبوت دستیاب ہے۔ جس کے بل بوتے پر اپنے آپ کو تصور پاکستان پیش کرنے والوں کی فہرست میں اولیت دی جو کہ سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔ رحمت علی نے علامہ اقبال کے خطبہ الہٰ آباد اور دوسری تحریروں سے خوشہ چینی کر کے اپنا پمفلٹ تیار کیا۔ انھوں نے واضح کیا ہے کہ خطبہ الہٰ آباد میں کسی قسم کا ابہام نہیں پایا جاتا۔ انھوں نے حقائق اور تحقیقی شواہد کی رو سے بات عیاں کی ہے کہ علامہ اقبال تصور پاکستان کے خالق اور اولین مفکر پاکستان ہیں۔ معترضین اقبال نے علامہ اقبال کو پنجاب کی مقامیت تک محدود قرار دیا جبکہ ڈاکٹر ایوب صابر کے بقول علامہ اقبال پر ایسا الزام عائد کرنا علامہ اقبال کے پورے کلام نظم و نثر کو نظر انداز کر دینے کے مترادف ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر کی کتاب تصور پاکستان علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ کے بارے میں پروفیسر فتح محمد ملک لکھتے ہیں:

''پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر پاکستان میں اقبال کے تصورات کے عملی ظہور کی تمنا رکھتے ہیں۔ اس احساس نے انھیں روحانی کرب میں مبتلا کر رکھا ہے کہ ادھر پاکستان کے ارباب بست وکشاد ان تصورات سے روگرداں رہے ہیں اور ادھر عملی و تحقیقی دائروں میں ان تصورات کو دھندلانے اور مسخ کرنے کی مہم جاری رہی۔ یہی قومی درد اور روحانی اضطراب اس کتاب کا جذبہ محرکہ ہے۔ خوبی کی بات یہ ہے کہ انھوں نے عملی تحقیق و تفتیش کے سائنسی اصولوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس کتاب میں پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر نے وقتِ نظر اور محققانہ بصیرت کے ساتھ فکر اقبال کو درست تاریخی اور فکری تناظر میں پیش کیا ہے۔''[۱۱۴]

۸: اقبال کے فہم اسلام پر اعتراضات (ایک مطالعہ)

ڈاکٹر ایوب صابر نے اقبال کی فکر، شخصیت، شاعری اور فلسفیانہ افکار پر معترضین و مخالفین اقبال کے الزامات کی تحقیق اور چھان بین کا بیڑا اُٹھایا۔ اگرچہ یہ ایک مشکل، مشقت طلب اور دقت طلب کام تھا۔ مگر جب جذبے کی لگن ہو تو منزل خود بخود پکارتی ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر اقبال کے ایک سچے سپاہی ہیں اور وہ یہ بات کسی طور پر برداشت نہیں کر سکتے کہ مخالفین و معترضین اقبال کو انہدام اقبال کی کھلی چھٹی دے دی جائے اور اُن کا محاسبہ نہ کیا جائے۔ اگر معترضین کی تحریروں پر گرفت نہ کی جائے تو عام قاری اور مستقبل کی نوجوان نسل اقبال کے حوالے سے بہت سی غلط

فہمیوں میں مبتلا ہوسکتی تھی۔مگر ڈاکٹر ایوب صابر جن کے اندر اللہ نے صبر کی عظیم نعمت بدرجہ اُتم پیدا کی ہے۔وہ اس میدان میں اُتر آئے اور اُنھوں نے مخالفین ومعترضین کی تحاریر کا محاسبا کرنا شروع کر دیا۔اگر چہ اقبالیات کے ساتھ اُن کی دلچسپی ابتدائی عمر سے ہی تھی مگر اُنھوں نے اقبالیات پر باقاعدہ تحقیق کا آغاز۱۹۹۳ میں کیا۔ایک بہت بڑا علمی منصوبہ اُن کے سامنے تھا جس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اُنھوں نے قبل از وقت ملازمت سے ریٹائرمنٹ بھی لی اور اپنے کام میں مصروف ہوگے۔جس کام کا آغاز اُنھوں نے ۱۹۹۳ میں اقبال دشمنی ایک مطالعہ کے نام سے شروع کیا تھا وہ تیئس سال کی کٹھن محنت اور تحقیق کے بعد ۲۰۱۶ میں اقبال کے فہم اسلام پر اعتراضات "ایک مطالعہ" کی اشاعت کے بعد پایہ تکمیل کو پہنچا۔

ڈاکٹر ایوب صابر کے اقبالیاتی سرمایے کی ابھی تک آخری شائع شدہ کتاب اقبال کے فہم اسلام پر اعتراضات ایک مطالعہ ہے۔جسے پہلی مرتبہ ستمبر ۲۰۱۶ میں اقبال اکادمی پاکستان نے شائع کیا۔اس طرح ایک عظیم علمی منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔ڈاکٹر ایوب صابر کی یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔ خطبات پر اعتراضات

۲۔ تصور اجتہاد پر اعتراضات

۳۔ جمہوریت کے ضمن میں اعتراضات

۴۔ غیر اسلامی عقائد ورجحانات کا الزام

۵۔ معرکہ اسرارِ خودی

علامہ اقبال کی نثری تصنیف *The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam* (تشکیل جدید الہیات اسلامیہ) علامہ اقبال کے سات خطبات کا مجموعہ ہے جن میں سے چھے اُنھوں نے مسلم ایسوی ایشن مدراس کی دعوت پر ۱۹۲۹ میں مدراس، علی گڑھ اور حیدر آباد دکن میں پڑھے تھے۔اور آخری خطبہ لندن میں پڑھا گیا تھا۔ علامہ اقبال کے یہ خطبات عالمی شہرت اور اہمیت کے حامل ہیں اگر چہ علامہ اقبال کی شاعری کی نسبت یہ خطبات زیادہ پیچیدہ اور مشکل ہیں اور ان کی سمجھ اور فہم کا حصول اتنا آسان نہیں ہے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

''اس میں مشرق ومغرب کے ڈیڑھ سو سے زائد قدیم وجدید فلسفیوں، سائنس

دانوں، عالموں اور فقہیوں کے اقوال ونظریات کے حوالے دیے گئے ہیں اور اقبال قاری سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ خطبات کے مطالعہ سے پیشتر ان شخصیات کے زمانے، ماحول اور افکار سے شناسا ہوگا۔ ان شخصیات میں بعض تو معروف ہیں اور بعض غیر معروف۔ علاوہ اس کے خطبات کا انداز تحریر بہت پیچیدہ ہے۔ بعض نظریات کی وضاحت کی خاطر نئی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ اور ان میں الفاظ کی ترتیب مطالب کے فہم وتفہیم کے لیے مشکلات پیدا کرتی ہے۔ کئی مقامات پر انگریزی زبان میں استدلال نا قابل فہم ہے اور اس کے بار بار تعاقب کرنے سے بھی معنی صاف نہیں ہوتے۔''[۱۱۵]

علامہ اقبال کی یہ کتاب جب شائع ہوئی تو مختلف مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد نے اس پر اعتراضات کیے اور اس کتاب کی وجہ سے اقبال کی شخصیت کو بھی موردالزام ٹھہرایا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

''مستشرقین اور اُن کے پیروکاروں نے اس میں قدامت پرستی کے عناصر تلاش کیے۔ اس کے برعکس رویہ مسلم قدامت پرستوں نے اختیار کر رکھا ہے جو ذہن جتنا قدیم ہے اس نے اقبال کے جدید رُجحانات کو اسی قدر مسترد کیا۔''[۱۱۵]

کتاب کے اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے مختلف افکار کے حوالے سے علامہ اقبال کے فلسفیانہ افکار ونظریات پر بحث کی ہے جن میں شاعری اور خطبات میں فرق کی نوعیت، کیا اقبال نے مغربی فکر وفلسفہ پر انحصار کیا؟ کیا اقبال نے قرآنی آیات کی غلط تاویل کی؟ خطبات اقبال کا منہاج علم بالحواس اور علم بالوحی، عقل و وجدان، قدیم وجدید، ثبات و تغیر، دین اور دنیا، فرد اور جماعت، اسلامی اور مغربی تہذیت، اقبال کا تصور خدا، تصور زمان، جبر واختیار، نظریہ ارتقاء، ڈارون اور اقبال کے نظریات کا فرق وامتیاز اقبال کا نظریہ ارتقاء، حیات بعد ممات اور جنت اور دوزخ کے حوالے سے سیر حاصل بحث کی ہے۔ کتاب کا یہ باب علامہ اقبال کے خطبات کی تفہیم اور اُن کی اصل نوعیت ومحرکات کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے ڈاکٹر وحید عشرت، علی عباس جلالپوری، سید حسن نصر، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، شبیر احمد خان غوری، ایم۔ ایس رشید، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، الطاف احمد اعظمی، ڈاکٹر صلاح الدین درویش، ڈاکٹر محمد الٰہی وغیرہ کے خطبات اقبال پر الزامات اور اعتراضات کا جائزہ تفصیلی انداز میں لیا ہے۔

اُنھوں نے تحقیقی دلائل سے یہ بات ثابت کی ہے کہ علامہ اقبال کے خطبات پر اعتراضات کرنے والے چند مخصوص مقاصد کے حامل افراد تھے اور وہ اپنی پہلے سے طے شدہ ذہنیت کے مطابق خطبات کی تفہیم کرتے رہے۔ اور اقبال کے فکر و فلسفہ پر الزامات لگاتے رہے یہ افراد خطبات کی اصل روح کو سمجھنے سے عاری تھے۔ اقبال نے اپنے ان خطبات میں مذہب کو سائنسی انداز سے دیکھنے کی کوشش کی ہے جو کہ دونوں کے درمیان تطبیق کی کوشش ہے۔ مذہبی علما جو جدید سائنس اور فلسفہ سے نابلد تھے اُنھوں نے اپنے انداز سے ان نظریات کو دیکھا، جبکہ سائنسی اور ترقی پسندانہ نظریات کے حامل افراد جو دین سے نابلد ہیں اُنھوں نے اپنے ذہن سے سوچا۔ نظریات پر اختلاف غلط نہیں ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنی کتاب تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کی ابتدا میں یہ بات واضح کی ہے کہ فلسفیانہ افکار کی کوئی حتمی حیثیت نہیں ہوتی بلکہ نظریات منصۂ شہود پر آتے رہتے ہیں مگر اس بات کو دلیل بنا کر اقبال کی پوری فلسفیانہ حیثیت نظریات اور افکار کو غلط قرار دینا درست نہیں ہے۔ خطبات کی اشاعت سے لے کر آج تک مختلف افراد، اقبال کی علمی اور فلسفیانہ عظمت کو منہدم کرنے کے درپے ہیں۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے اس کتاب کے پہلے باب میں ایسے تمام افراد کے الزامات و نظریات کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا ہے اور اصل حقائق کو درست تناظر میں منظر عام پر لائے ہیں۔

زندگی حرکت اور عمل کا نام ہے۔ جب انسانی معاشرے میں حرکت و عمل کا نظام رُک جاتا ہے تو معاشرے پر زوال طاری ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ دین اسلام قدم قدم پر مسلمانوں کو رشد و ہدایت کے اسباب بہم پہنچاتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسانی معاشرے میں مختلف تبدیلیاں اور ضروریات پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ دین اسلام کے اندر اتنی لچک ہے کہ اُس میں جدید تبدیلیوں کے مطابق ڈھلنے کے لیے جگہ موجود ہے اور ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ جدید تبدیلیوں کو مذہب کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔ علامہ اقبال نے ۱۹۰۴ میں اپنے ایک مضمون "قومی زندگی" میں قانون اسلام کو جدید پیرائے میں مرتب اور منظم کرنے کی طرف توجہ دلائی تھی۔[۱۱۷] قانون اسلام کو جدید پیرائے میں مرتب و منظم کرنے کے لیے اجتہاد وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ علامہ اقبال نے ۱۹۲۴ میں اجتہاد پر ایک مضمون پیش کیا۔ اس مضمون پر بہت سے لوگوں نے اقبال کی مخالفت اور اُن کے نظریات سے اختلاف کیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اُس مضمون کی اشاعت پر علامہ اقبال کو کافر قرار دیا۔[۱۱۸]

اس خطبہ کی اشاعت کے باعث اقبال کو مدراس میں خطبات کی دعوت دی گئی۔ اقبال کا یہ خطبہ چند ترامیم کے ساتھ اُن کی کتاب تشکیل جدید الہیات اسلامیہ میں چھٹے خطبے بعنوان" اسلام کے نظام میں حرکت کا اصول"

نام سے شامل ہے۔ جس کا موضوع اجتہاد ہے۔ ابتدا میں عبدالماجد دریا آبادی اور سید ابوالحسن ندوی نے علامہ اقبال کے تصورِ اجتہاد پر خدشات کا اظہار کیا اور یہ تمنا کی کہ اگر یہ لیکچر شائع نہ ہوں تو بہتر ہے۔[۱۱۹]

علامہ اقبال کی زندگی میں اُن کے تصورِ اجتہاد پر کوئی واضح اعتراضات کی نوعیت سامنے نہیں آئی تاہم آخری ایام میں معترضین نے اجتہاد پر اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنی کتاب اقبال کے فہم اسلام پر اعتراضات ایک مطالعہ کے دوسرے باب میں ان اعتراضات کا جائزہ لیا ہے جو علامہ اقبال کے تصورِ اجتہاد پر لگائے گئے ہیں۔ اگر چہ اسی نام سے ڈاکٹر ایوب صابر کا ایک مضمون اُن کی کتاب اقبال کا تصورِ اجتہاد میں شامل ہے۔ مگر اول ذکر کتاب کا مضمون جو کہ پورا ایک باب ہے اس باب میں علامہ اقبال کے تصورِ اجتہاد پر اعتراضات کا جائزہ زیادہ مدلّل اور تفصیلی انداز میں لیا گیا ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے اے۔ ایس۔ ٹرٹن، کانٹ ویل سمتھ، مصری عالم محمد البھی، گیلیوم، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، ڈاکٹر محمد یوسف عباسی، ڈاکٹر تحسین فراقی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، الطاف احمد اعظمی، ڈاکٹر منظور احمد، مولانا زاہد الراشدی، محمد الطاف، پروفیسر محمد فرمان، حسین آئن گر، ڈاکٹر خالد علوی، مولوی خالد بن حسن وغیرہ کے اختلافات اور الزامات کا جائزہ لیا ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے علامہ اقبال کے تصورِ اجتہاد کو واضح کرنے کے لیے مختلف ذیلی ابواب قائم کیے ہیں جن میں کیا اجتہاد صرف علما کا حق ہے؟ ترکِ اجتہاد، جمہوریت بطور سیاسی نظام، ترک سیکولرازم، عربی کی جگہ ترکی، بابی، بہائی اور وہابی تحریکیں مغرب کے اثرات، مساواتِ مرد و زن، اسلامی سزاوں کا معاملہ اور حُجت حدیث کے حوالے سے خطبہ اجتہاد کے تمام پہلووں پر بحث کی ہے اور ان پہلووں پر جو اعتراضات معترضین نے عائد کیے ہیں اُن کا تفصیلی اور تحقیقی انداز میں محاکمہ کیا ہے۔ علامہ اقبال کے خطبات میں سے سب سے زیادہ اعتراضات اُن کے تصورِ اجتہاد پر ہوئے ہیں۔ حال آنکہ اجتہاد وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس بات میں ڈاکٹر ایوب صابر نے اسلام میں تصورِ اجتہاد اور اسلامی فقہ کی تاریخ کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے اور معترضین کے ہر اعتراض کو اسلامی اُصولِ فقہ کی روشنی میں پرکھا ہے۔ اجتہاد کی ضرورت و اہمیت کے بارے میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''خلافت راشدہ میں اجتہاد کے نتیجے میں جب اسلامی ریاست پھیلتی گئی تو نئے نئے مسائل سامنے آئے، جنھیں حل کرنے کے لیے اجتہاد کی ضرورت پیش آئی۔ اب امت کو اور طرح کے مسائل کا سامنا ہے۔ گذشتہ صدیوں کے طویل جمود، زوال

اور محکومی کے بعد عالم اسلام نشاۃ ثانیہ کے عمل سے گزر رہا ہے اور نئے نئے چیلنج سے نبرد آزما ہے۔ اس ضمن میں درست فکری راہنمائی کی ضرورت ہے۔ جو اقبال نے مہیا کی ہے۔ اس راہنمائی کا ایک پہلو اقبال کا تصور اجتہاد ہے۔"[۱۲۰]

علامہ اقبال کے تصورات میں سے اُن کا تصور جمہوریت کافی اہم ہے۔ علامہ اقبال نے مغربی تہذیب و تمدن کا بہت قریب سے بنظر غائر مطالعہ کیا۔ اُنھوں نے جمہوریت اور جمہوری نظام کو قریب سے دیکھا اور سمجھا اور اس نظام کی خوبیوں اور خامیوں کو واضح کیا۔ اقبال کے تصور جمہوریت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور بہت سے دانشوروں نے علامہ اقبال کے تصور جمہوریت اور جمہوری نظریات پر اعتراضات بھی کیے ہیں۔ معترضین اقبال نے اپنی تنگ نظری اور تعصب سے علامہ اقبال کے تصور جمہوریت پر ایسے ایسے اعتراضات کیے ہیں کہ اصل حقیقت مسخ ہو گی ہے۔ معترضین میں سے کسی نے اقبال کو جمہوریت کا حامی سمجھ کر اُن پر اعتراضات لگائے اور کسی نے جمہوریت کا مخالف۔ مختلف معترضین نے علامہ اقبال کے تصور جمہوریت پر مختلف الزامات لگائے ہیں اور اکثر و بیشتر الزامات کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ ان تمام معترضین کے اعتراضات کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔ اقبال ایک ماضی پسند شاعر تھے اور وہ موجودہ نظام کو چودہ سو سال قبل لے جانا چاہتے تھے۔ اقبال نے جمہوریت کے مقابلے میں جو دوسرے نظام پیش کیے ہیں وہ بدترین آمرانہ استبداد کے نظام ہیں۔ جمہوریت میں معاشرے کے افراد کی رائے تو پوچھی جاتی ہے جبکہ دیگر نظاموں میں رائے تک بھی نہیں پوچھی جاتی۔ ہر آمر اپنے آپ کو عقل کل اور دوسروں کو گدھا تصور کرتا ہے اور اقبال نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ اقبال نے جمہوریت کی مخالفت اس وجہ سے کی ہے کہ وہ درحقیقت انگریزوں کے کاسہ لیس تھے اور انگریز یہ کبھی نہیں چاہتے تھے کہ برصغیر میں جمہوری نظام رائج ہو۔ اقبال نے انگریزوں کی حمایت میں سرداروں جاگیرداروں اور وڈیروں کی حمایت کی۔ علامہ اقبال نے عوام کو گدھے قرار دے کر عوام کی توہین کی۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنی کتاب علامہ اقبال کے فہم اسلام پر اعتراضات ایک مطالعہ کے تیسرے باب میں علامہ اقبال کے تصور جمہوریت کے حوالے سے معترضین اقبال کے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔

اس باب میں اُنھوں نے کانٹ ویل سمتھ، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر کنور کرشن بالی، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر وحید عشرت، یوسف ثانی، شمیم رجز، اور نسیم حمید وغیرہ کے اعتراضات کا جائزہ تحقیقی انداز میں لیا ہے۔ پہلے اُنھوں نے معترضین کے اعتراضات کو یکجا کیا اور پھر اُن اعتراضات اور اصل حقائق پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر

ایوب صابر لکھتے ہیں:

''یہ الزامات غلط اس لیے ہیں کہ کلام اقبال کی غلط تفہیم اور ناقص مطالعے پر مبنی ہیں۔ مخالفین اور معترضین اقبال کے علاوہ اکثر ماہرین اقبالیات نے بھی پیام مشرق میں شامل مختصر نظم ''جمہوریت'' کا مفہوم سنگین لاپروائی کا ارتکاب کرتے ہوئے غلط متعین کیا ہے۔ اس معاملے پر سنجیدہ اور گہری نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔''[۱۲۱]

ڈاکٹر ایوب صابر کی کتاب اقبال کے فہم اسلام پر اعتراضات ایک مطالعہ کا باب چہارم علامہ اقبال کے اسلامی رُجحانات اور عقائد سے متعلق ہے۔ جس کا عنوان" غیر اسلامی عقائد اور رُجحانات کا الزام" ہے۔ اس باب کے ذیلی عنوانات میں بدعقیدہ قادیانی، کافر، کیا اقبال بدعقیدہ یا تفضیلی تھے؟ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ، عقیدہ ختم نبوت، کفر کا فتویٰ، غیر اسلامی رُجحانات، خلاف شرع اشعار اور خدا کے حضور گستاخیاں، باطل کی چھے نشانیاں اور کلام اقبال شامل ہیں۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے کتاب کے باب چہارم میں ایک نئے موضوع کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ اُن کے اقبالیاتی سرمایے میں اس موضوع پر پہلے کسی اور کتاب میں کہیں بھی بحث نہیں ہوئی ہے یہ ہے کیا اقبال بدعقیدہ یا تفضیلی تھے؟ مختلف لوگوں نے اقبال کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ شیخ اعجاز احمد نے اقبال کے ایسے اشعار نمونہ کے طور پر پیش کیے ہیں جن سے علامہ اقبال کے رُجحان میں تشیع ہونے کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے۔ محمد حسین کا دعویٰ ہے کہ اقبال نے شبیرؓ کو حضرت موسیٰؑ کا مقام دیا، چناں چہ وہ بدعقیدہ ہیں۔ شمیم رجز نے اپنی کتاب صدائے احتجاج میں علامہ اقبال کو بار بار قادیانی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ معترض ہیں کہ اقبال نے خدا اور رسول کی توہین کی، جہاد کی مخالفت کی۔ قیامت کا انکار کیا۔ تکبر کی تلقین کی اور قرآنی تعلیمات کو مسخ کیا۔ اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے اقبال کے عقائد کے حوالے سے الزامات و اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ اُنھوں نے شیخ اعجاز احمد، محمد حسن، شمیم رجز، شیخ نور احمد منیر، شیخ عبدالماجد وغیرہ کے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر ایوب صابر نے علامہ اقبال کے چند دوسرے افکار مثلاً ہندومت کی برتری کا اعتراف، علامہ اقبال کا سری کرشن کو عظیم انسان قرار دینا، گیتا کی تعریف کرنا، جاوید نامہ میں واشوامتر اور بھرتری ہری کو قابل عزت جگہ دینا اور اس طرح کے دوسرے نظریات جو معترضین کے الزامات کی بنیاد بنتے تھے اُن کا منطقی انداز میں جائزہ لیا ہے۔ ہر موضوع پر کلام اقبال کے اصل اور مستند حوالے پیش کیے ہیں اور اُن کی درست انداز میں توضیح کی ہے تا کہ اصل صورت حال واضح ہو سکے اور اس صورت

حال کے تناظر میں معترضین کی الزام تراشیوں کا جائزہ لیا جا سکے۔ اقبال کے اہل تشیع ہونے کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

''کسی صحیح نتیجے تک پہنچنے کا منصفانہ طریقہ ہے کہ ایک طرف اقبال کے اُن اشعار کو دیکھا جائے جو حضرت علیؓ اور امام حسینؓ کے مقام و مرتبے کے بارے میں یا اُن سے اظہار عقیدت و محبت کے لیے کہے گئے ہیں اور دوسری طرف اقبال کے کلام نظم و نثر کے اُن مقامات کو نظر میں رکھا جائے جن کی شیعیت سے مطابقت نہیں ہے اور جن سے تفضیل علی کی نفی ہوتی ہے۔ اقبال فرقہ پرستی سے بلند تر تھے تاہم اُن کے موقف اور رُجحان کا اندازہ اسی طریقے سے ممکن ہے۔''[۱۲۲]

اسرار خودی علامہ اقبال کی ایک اہم تصنیف ہے۔ اس مثنوی کی اشاعت کے بعد علامہ اقبال پر اعتراضات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا جس کے محرکات اور نوعیت اوراق سابق میں بیان کی گئی ہے۔ مثنوی اسرار خودی کے خلاف جو قلمی ہنگامے برپا کیے گئے مختلف ماہرین نے اُن کی رُوداد لکھی ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنے اقبالیاتی سرمایے میں مختلف جگہوں پر اسرار خودی کے حوالے سے علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ اُنھوں نے اپنی کتاب اقبال کے فہم اسلام پر اعتراضات ایک مطالعہ کے باب پنجم میں معرکہ اسرار خودی پر بحث کی ہے۔ اس ضمن میں اُنھوں نے لفظ خودی اور اس کے مفہوم پر اعتراضات، وحدت الوجود پر اعتراضات، اسرار خودی کی نامعقولیت کے اسباب و نوعیت اور حافظ پر علامہ اقبال کے اعتراضات کے حوالے سے بحث کی ہے۔ زیادہ تر اعتراضات وہی ہیں جو پہلے دہرائے جا چکے ہیں۔ ان اعتراضات میں تکرار کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، معترضینِ اقبال، انٹرنیشنل اُردو پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء، ص ۱۴

۲۔ آسی ضیائی، کلامِ اقبال کا بے لاگ تجزیہ، الخدمت، لاہور، ۱۹۵۷ء، ص ۱۰۴۔۱۰۹

۳۔ سرور، آل احمد، عرفانِ اقبال، مرتبہ، زہرہ مبین، اُردو اکادمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۳ء، ص ۷۰

۴۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، معترضینِ اقبال، ص ۷۰

۵۔ ایضاً، ص ۷۰

۶۔ ایضاً، ص ۶۴

۷۔ عبدالقیوم، سردار، جاوید اقبال، ڈاکٹر، سردار عبدالقیوم اور جاوید اقبال کی متنازعہ تقاریر، مشمولہ: نوائے وقت، راولپنڈی، ۴ ستمبر ۱۹۸۷ء

۸۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال، عبداللہ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۷۹

۹۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، معترضینِ اقبال، ص ۸۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۰۴

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۰۷

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۰۹

۱۳۔ مدنی، حسین احمد، مولانا، متحدہ قومیت اور اسلام، مکتبہ محمودیہ، لاہور، اشاعتِ دوم، ۱۹۷۵ء، ص ۴

۱۴۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، معترضینِ اقبال، ص ۱۲۶

۱۵۔ ہاشمی، عبدالرحمان، قاضی، مشترکہ تہذیبی ورثہ اور اقبال، اشاریہ: کتاب نما، کراچی ۱۹۹۴ء

۱۶۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، معترضینِ اقبال، ص ۱۳۳

۱۷۔ سرور، آل احمد، دانش ور اقبال، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۹۰

۱۸۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، معترضین اقبال،ص،۱۴۶

۱۹۔ ایضاً،ص۱۵۴

۲۰۔ ایضاً،ص۱۶۲

۲۱۔ ایضاً،ص۱۸۱

۲۲۔ بشیر احمد،اقبال اور قادیانیت:تحقیق کے نئے زاویے مجلس علم و دانش،راولپنڈی،۲۰۰۶ء،ص۱۶۶

۲۳۔ ایوب صابر،ڈاکٹر،معترضینِ اقبال،ص۲۰۱

۲۴۔ شاکر،عبدالجبار، پروفیسر،اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ ،مصنف،ایوب صابر، ڈاکٹر، بیت الحکمت، لاہور،۲۰۰۳ء،ص۲۶

۲۵۔ آزاد،جگن ناتھ ،علامہ اقبال کا خاندان اور آبائی گھر،مشمولہ:سہ مائی اُردو ادب، اقبال نمبر، دہلی،س ن

۲۶۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال،ص۴۸۰

۲۷۔ عبدالحکیم ،خلیفہ،مقالاتِ حـــــکیـــــم ،جلد دوم،مرتبہ،رزاقی،شائد حسین،ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور،۱۹۶۹ء،ص۱۱

۲۸۔ ایوب صابر،ڈاکٹر،اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ،ص۵۲

۲۹۔ رستوگی،تاراچرن، اقبال کی زندگی کا ایک گوشہ،مشمولہ:انشاء، کلکتہ،س ن ،ص۲۰۱

۳۰۔ ایوب صابر،ڈاکٹر، معترضینِ اقبال،ص۲۴

۳۱۔ ایوب صابر،ڈاکٹر،اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ،ص۶۱

۳۲۔ آسی ضیائی، کلامِ اقبال کا بے لاگ تجزیہ،ص۷۵۔۸۵

۳۳۔ محمد عظیم،اقبال ایک حسن پرست،مشمولہ:ماہنامہ،سات رنگ،کراچی،س ن ،ص۱۱

۳۴۔ رستوگی، تاراچرن، *Iqbal final count down*،اوم سنز پبلی کیشنز،نئی دہلی،۱۹۸۱ء،ص۲۔۷

۳۵۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ، ص۹۹

۳۶۔ قریشی، عبداللہ، محمد، مرتب، اقبال بنامِ شاد، بزمِ اقبال، لاہور، س ن، ص۲۷۳

۳۷۔ شائد، محمد حنیف، سر ہو گئے اقبال، مشمولہ: صحیفہ اقبال نمبر، لاہور، دسمبر۱۹۷۷ء، ص۱۳۸

۳۸۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ، ص۱۲۳

۳۹۔ شائد، محمد حنیف، سر ہو گئے اقبال، ص۱۱

۴۰۔ محمد منور، پروفیسر، میزانِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۶ء، ص۱۲۱

۴۱۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ، ص۱۲۷

۴۲۔ عبدالحکیم، خلیفہ، فکرِ اقبال، بزمِ اقبال، لاہور، طبع ششم، ۱۹۸۸ء، ص۲۰۱۔۲۰۵

۴۳۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ، ص۱۹۰

۴۴۔ ایضاً، ص۱۸۸

۴۵۔ رالف رسل، پروفیسر، اقبال اور اُن کا پیغام، انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۶ء، ص۱۶۵

۴۶۔ طارق سعید، اُسلوبیاتِ اقبال، اودھ اکادمی، فیض آباد، انڈیا، ۱۹۹۱ء، ص۱۵۱

۴۷۔ حمید نسیم، اقبال ایک مطالعہ، مشمولہ: اقبال فکر و فن، مرتبہ، سید اطہر شیر، ادارہ تحقیقاتِ عربی، بہار، ۱۹۸۸ء، ص۱۳۵

۴۸۔ حمید نسیم، علامہ اقبال ہمارے عظیم شاعر، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، ۱۹۹۳ء، ص۲۰

۴۹۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ، ص۲۱۶

۵۰۔ ایضاً، ص۲۴۰

۵۱۔ ندوی، عبدالسلام، اقبال کامل، عشرت پبلی کیشنز ہاوس، لاہور، طبع دوم، ۱۹۹۰ء، ص۱۶۲

۵۲۔ ایوب صابر ڈاکٹر، اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ، ص۲۴۰

۵۳۔ عتیق صدیقی، اقبال جادو گر ہندی نژاد، مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۸۰ء، ص ۱۰۳

۵۴۔ خان، اقتدار علی، صاحبزادہ، تنقیداتِ اقتدار بر نظریاتِ اقبال، بریڈفورڈ، انگلستان، ۱۹۸۳ء، ص ۱۸

۵۵۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ، ص ۲۹۱

۵۶۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، علامہ اقبال اور ہم، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۴۶

۵۷۔ عبدالقیوم، سردار، جاوید اقبال، ڈاکٹر، سردار عبدالقیوم اور ڈاکٹر جاوید اقبال کی متنازعہ تقاریر، روزنامہ نوائے وقت، راولپنڈی، ۲۴ دسمبر ۱۹۸۷ء

۵۸۔ ایضاً

۵۹۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، معترضینِ اقبال، ص ۲۸۸

۶۰۔ ایضاً، ص ۶۶

۶۱۔ ایضاً، ص ۶۷

۶۲۔ گابا، خالد لطیف، *Friends and Foes*، پیپلز پبلی کیشنز ہاوس، لاہور، س ن، ص ۱۶۷

۶۳۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ، ص ۳۰۰

۶۴۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ، ص ۳۰۶

۶۵۔ ایضاً، ص ۳۰۷

۶۶۔ سلیم احمد، اقبال ایک شاعر، قوسین، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۷ء، ص ۲۸

۶۷۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ، ص ۳۲۵

۶۸۔ ملک، فتح محمد، پروفیسر، اقبال کا اُردو کلام، زبان و بیان کے چند مباحث، مصنف، ایوب صابر، ڈاکٹر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، پیش لفظ

۶۹۔ محمد طفیل، مدیر، نقوش، ادبی معرکے نمبر، ادارہ فروغِ اُردو، لاہور، ستمبر ۱۹۸۱ء، جلد دوم، ص ۲۱۳

۷۰۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۹۶

۷۱۔ ممتاز علی، اُردو پنجاب میں، مشمولہ: اقبال کی صحتِ زبان، نصرت پبلی کیشنز، لکھنو ۱۹۹۸ء، ص ۹۱۔۹۷

۷۲۔ جوش ملیسانی، اقبال کی خامیاں، ساکار پبلی کیشنز، بمبی، ۱۹۹۴ء، ص ۱۰۔۷۹

۷۳۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، کلامِ اقبال پر فنی اعتراضات، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۲۳

۷۴۔ ایضاً، ص ۲۸۔۲۹

۷۵۔ بجنوری، عبدالرحمان، ڈاکٹر، محاسن کلامِ غالب، انجمن ترقیِ اُردو، نئی دہلی، ۱۹۸۳ء، ص ۱۵

۷۶۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، کلامِ اقبال پر فنی اعتراضات، ص ۳۶

۷۷۔ ایضاً، ص ۱۰۲

۷۸۔ احمد، کلیم الدین، اقبال ایک مطالعہ، بک امپوریم، پٹنہ، بھارت، س ن، ص ۲۲

۷۹۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، کلامِ اقبال پر فنی اعتراضات، ص ۱۱۵

۸۰۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی فکری تشکیل: اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۲۶

۸۱۔ رفعت حسین، ڈاکٹر، مرتب، *The Sword and Sceptre*، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۴۹۰

۸۲۔ ملیح آبادی، جوش، یادوں کی برات، مکتبہ شعروادب، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۴۹۰

۸۳۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی فکری تشکیل: اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ، ص ۸۳

۸۴۔ ایضاً، ص ۱۵۶

۸۵۔ آزاد، جگن ناتھ، ہندوستان میں اقبالیات، مکتبہ علم ودانش، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۹۲

۸۶۔ گوڑ، راج بہادر، ڈاکٹر، فکرِ اقبال، مقالاتِ حیدرآباد سیمینار، کل ہند اقبال صدی تقاریب کیمٹی، حیدرآباد، انڈیا، ۱۹۷۷ء، ص ۱۵۴

۸۷۔ سمتھ، مطالعہ اقبال میں پیامِ اقبال، مشمولہ: تناظر نکتی ورما، نئی دہلی، جنوری ۱۹۸۰ء، ص۷۲

۸۸۔ رائے پوری، اختر حسین، ڈاکٹر، ادب اور انقلاب، ادارہ اشاعتِ اُردو، حیدر آباد، دکن، ۱۹۴۳ء، ص ۳۲۹

۸۹۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی فکری تشکیل: اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ، ص۲۵۸

۹۰۔ ایضاً، ص۲۷۲

۹۱۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، مرتب، فلسفہِ شاہین، مشمولہ: نقدِ اقبال حیاتِ اقبال میں، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص۲۳۵

۹۲۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی فکری تشکیل: اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ، ص۱۵۴۔۱۵۵

۹۳۔ برنی، مظفر حسین، مرتب، کلیات مکاتیبِ اقبال، بک کارنر، جہلم، ۲۰۱٦ء، ص۴۳٦

۹۴۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی فکری تشکیل: اعتراضات و تاویلات کا جائزہ، ص۴۲٦

۹۵۔ ایضاً، ص۴۴٦۔۴۴۷

۹٦۔ جلال پوری، علی عباس، اقبال کا علم الکلام، ص۱۳۷

۹۷۔ ایضاً، ص۱۳۷

۹۸۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی فکری تشکیل: اعتراضات اور تاویلا ت کا جائزہ، ص۴۱۹

۹۹۔ ایضاً، ص۴۴۷

۱۰۰۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، شریک مرتب، علامہ اقبال کا تصورِ اجتہاد، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص۱٦۴

۱۰۱۔ ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر، اقبال دشمنی ایک مطالعہ، مصنف، ایوب صابر، ڈاکٹر، نشریات، لاہور، ۲۰۰۸ء، مقدمہ ص۱۹

۱۰۲۔ ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر، اقبالیاتی جائزے، گلوب پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۸۱۔۸۸

۱۰۳۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال دشمنی ایک مطالعہ، ص ۴۲

۱۰۴۔ ایضاً، ص ۲۰۶

۱۰۵۔ ایضاً، ص ۲۱۱

۱۰۶۔ ایضاً، ص ۲۳۹

۱۰۷۔ ایضاً، ص ۲۵۸

۱۰۸۔ صائب عاصمی، اقبال قلندر نہیں تھا، تخلیق کار، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص ۹۔۱۲

۱۰۹۔ ملک، فتح محمد، پروفیسر، تصورِ پاکستان علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ، مصنف، ایوب صابر، ڈاکٹر، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، مقدمہ، ص ۲۸

۱۱۰۔ عقیل، معین الدین، ڈاکٹر، تصورِ پاکستان علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ، مقدمہ، ص ۳۴

۱۱۱۔ ایضاً، فلیپ

۱۱۲۔ گابا، خالد لطیف، The *Consequences of Pakistan*، پیپلز پبلی کیشنز ہاوس، لاہور، س ن، ص ۳۷

۱۱۳۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، تصورِ پاکستان: علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ، ص ۱۵۲

۱۱۴۔ ملک، فتح محمد، پروفیسر، تصورِ پاکستان: علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ، مصنف، ایوب صابر، ڈاکٹر، فلیپ ص ۳۰

۱۱۵۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، خطباتِ اقبال: تسہیل و تفہیم، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۱۰

۱۱۶۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کے فہمِ اسلام پر اعتراضات ایک مطالعہ، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۲۰۱۶ء، ص ۲۵

۱۱۷۔ معینی، عبدالواحد، سید، مرتب مقالاتِ اقبال، آئینہ ادب، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص ۹۱

۱۱۸۔ ڈار، بشیر احمد، مرتب، انوارِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع دوم، ۱۹۷۷ء، ص ۹۱

۱۱۹۔ ندوی، ابوالحسن، سید، نقوشِ اقبال، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۴۵

۱۲۰۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کے فہمِ اسلام پر اعتراضات ایک مطالعہ، ص ۱۴۱

۱۲۱۔ ایضاً، ص ۲۷۶۔۲۷۹

۱۲۲۔ ایضاً، ص ۳۰۶

باب چهارم

معترضینِ اقبال کے رد میں ڈاکٹر ایوب صابر کے نظریات

(تحقیقی وتنقیدی جائزہ)

ا۔ اقبال پر اعتراضات اور ڈاکٹر ایوب صابر

ب۔ اقبال پر فکری اعتراضات اور ڈاکٹر ایوب صابر

ج۔ اقبال کی شخصیت پر اعتراضات اور ڈاکٹر ایوب صابر

د۔ اقبال پر فنی اعتراضات اور ڈاکٹر ایوب صابر

ہ۔ ڈاکٹر ایوب صابر کی اقبال شناسی کا مجموعی جائزہ

و۔ ڈاکٹر ایوب صابر کی اقبال شناسی کی نمایاں خصوصیات

حوالہ جات

اقبال پر اعتراضات اور ڈاکٹر ایوب صابر

اُردو ادب میں اقبالیاتی مطالعہ باقاعدہ ایک شعبہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اقبال کی شاعری اور افکار پر تحقیق و تدریس کا سلسلہ برسوں سے جاری ہے۔ اُردو میں دیگر اصطلاحات کی طرح اقبالیات باقاعدہ طور پر ایک اصطلاح ہے جس سے مراد افکارِ اقبال کی تحقیق و مطالعہ ہے۔ اقبال کی شاعری اور افکار پر اُن کی زندگی ہی میں تنقید و تحقیق کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اقبال کی زندگی ہی میں اُن کے فکروفن پر تحقیقی و تنقیدی کتابیں منظر عام پر آ چکی تھی گویا اقبالیات کی داغ بیل بیسویں صدی کے اوائل میں ڈالی گی۔ اقبال شناسی کی وہ روایت جس کا آغاز علامہ اقبال کی زندگی میں ہوا ابھی تک جاری و ساری ہے۔ اقبال شناسی کی روایت نہ صرف مشرق تک محدود ہے بلکہ دنیا کے مختلف ممالک میں اقبال شناسی کے حوالے سے کام ہو رہا ہے۔ علامہ اقبال کی زندگی ہی میں اقبال شناسی کے ساتھ ساتھ ایک اور روایت بھی پروان چڑھنے لگی یہ روایت اقبال شکنی یا اقبال دشمنی کی تھی۔ جہاں مختلف افراد نے علامہ اقبال کے فکروفن کو سمجھنے اور پرکھنے کی کوششیں کی وہیں کچھ افراد نے علامہ اقبال کے فکروفن پر اعتراضات کا سلسلہ بھی شروع کیا۔

اقبال شناسی کے ساتھ ساتھ اقبال شکنی کی روایت بھی آج تک جاری ہے۔ بہت سے افراد نے علامہ اقبال کی شخصیت، فکروفن اور نظریات پر اعتراضات کر کے افکارِ اقبال کی اصل حیثیت کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔ اگر چہ مختلف افراد نے علامہ اقبال پر اعتراضات کے جوابات دیے ہیں مگر وہ مدلّل اور تمام اعتراضات کے جوابات پر مشتمل نہیں ہیں۔ جتنے زیادہ اعتراضات علامہ اقبال پر معترضین و معاندین نے کیے اُن کا مکمل طور پر تحقیقی انداز میں جائزہ کسی اقبال شناس نے لیا۔ معترضینِ اقبال کے اعتراضات کی وجہ سے بہت سی غلط اور من گھڑت باتیں لوگوں میں رواج پا چکی تھی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ علامہ اقبال کی شخصیت، نظریات اور فکروفن پر عائد شدہ الزامات کا مکمل طور پر تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا جائے تا کہ افکارِ اقبال کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔

چناں چہ ڈاکٹر ایوب صابر نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا۔ اُنھوں نے اقبال کی شخصیت اور فکروفن کو نئے موضوعات سے روشناس کرایا۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے علامہ اقبال کے خلاف لکھی گئی کتب اور دیگر اعتراضات کا جائزہ لے کر فکرِ اقبال کی ایک نئی سمت کی طرف ہماری توجہ مبذول کی۔ اُنھوں نے تحقیقی و علمی انداز میں علامہ اقبال کی شخصیت اور فن کے اُن حقائق کا جائزہ لیا جو پردہِ اخفا میں تھے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

''پروفیسر محمد ایوب صابر نے کلام اقبال کے ساتھ ایک عمر بسر کی ہے۔اقبالیات سے اُن کا ربط وضبط ربع صدی سے زائد کا قصہ ہے۔علامہ اقبال پر لکھنے لکھانے اوراقبالیات کی تدریس کا سلسلہ تو ایک عرصہ سے جاری تھا۔اب اُنھوں نے تنقید اقبال کے ایک ایسے پہلو پر قلم اُٹھایا ہے جس طرف اقبالیاتی ادب میں کچھ زیادہ توجہ نہیں دی جاسکی تھی۔''[۱]

ڈاکٹر ایوب صابر سے پہلے کے اقبالیاتی ادب کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح طور پر عیاں ہوتی ہے کہ علامہ اقبال کے افکار ونظریات پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں اُن کا اس انداز میں تحقیقی جائزہ پہلے کبھی نہیں لیا گیا۔گویا ڈاکٹر ایوب صابر نے اقبالیاتی ادب میں ایک نئی اصطلاح کا اضافہ کیا جو اقبال شکنی یا اقبال دشمنی کا محاکمہ ہے۔ڈاکٹر موصوف نے ہر اس الزام کا جائزہ لیا جو کسی بھی حوالے سے علامہ اقبال پر لگایا گیا ہو اور ہر الزام کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا اور اصل حقائق کو منظر عام پر لایا گیا تا کہ قاری اصل حقائق کو دیکھ کر الزام اور حقیقت کا جائزہ خود لے سکے۔

ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنی ساری زندگی اقبالیات کی تحقیق وتدریس میں بسر کی اور ابھی تک بھی وہ فکرِ اقبال کی ترویج واشاعت میں مصروفِ عمل ہیں۔جب تک کسی بھی کام میں جذبے کی لگن اور عمل کی سچائی اور خلوص نیت نہ ہو تو وہ کام پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ڈاکٹر ایوب صابر کے دل میں اقبال کے لیے سچی محبت پائی جاتی ہے وہ کسی بھی ایسی بات کو سننے کے روادار نہیں ہو سکتے تھے جو علامہ اقبال کے خلاف لکھی گئی ہو اور جس کا مقصد علامہ اقبال کے ساتھ دشمنی اور عناد ہو۔اعتراض ہونا اور اعتراض کرنا کوئی بُری بات نہیں ہر شخص کو دوسروں کے نظریات وخیالات سے اعتراض کا حق حاصل ہے مگر اعتراض نظریاتی اور عملی حیثیت کا حامل ہونا چاہیے۔مگر جب اعتراضات غلط قسم کے ہوں اور بددیانتی اور دشمنی پر مشتمل ہوں تو ایسے اعتراضات کو ناقابلِ برداشت ہو سکتے ہیں۔کوئی بھی شخص جو علامہ اقبال سے قلبی وابستگی رکھتا ہو ان اعتراضات کو برداشت نہیں کرسکتا مگر ان اعتراضات کا تحقیقی جواب دینا ایک مشکل اور صبر آزما مرحلہ تھا جو ہر شخص کے بس کی بات نہیں تھی۔اس سلسلے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

''اقبال کی شخصیت اور فکر پر اڑائے جانے والے چھینٹے پروفیسر ایوب صابر کے لیے ذہنی اذیت اور کرب کا باعث تھے۔ان کی نفاستِ طبع اور وضع داری سے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ تنقید اقبال کی اس پھوہڑ پن اور بدہیتی کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرتے

> ہوئے اس پر خاموش رہتے، مگر مخالفین کا جواب دینا جس قدر ضروری تھا اتنا ہی مشکل بھی تھا۔ باعثِ اطمینان یہ ہے کہ مشکل مرحلے کو جو ایک طرح سے مقامِ عشق بھی ہے، ایوب صابر نے بڑی جرأت اور فرزانگی سے طے کیا۔"[۲]

فکرِ اقبال اور علامہ اقبال سے ڈاکٹر ایوب صابر کی غایت درجہ وابستگی کے پسِ پردہ کون سے اسباب و محرکات اور عوامل کارفرما تھے اور اُنھوں نے شعوری طور پر اقبال کے خلاف الزامات کے تحقیقی جائزے کو اپنا اوڑھنا بچھونا کیسے بنایا ان باتوں کا جائزہ مقالے کے دوسرے باب میں لیا گیا ہے۔ یہاں صرف اتنی بات واضح کرنی ضروری ہے کہ ڈاکٹر ایوب صابر نے صرف اقبال پرستی نہیں کی۔ اعتراضات کے جوابات میں اُنھوں نے ایک خاص توازن اور اعتدال کی سطح کو برقرار رکھا ہے۔ اُنھوں نے ہر اعتراض کا جائزہ تحقیقی، تکنیکی اور سائنسی انداز میں لیا اور نہایت عرق ریزی کے ساتھ دلائل و براہین کی روشنی میں اصل حقائق کو واضح کیا۔ ڈاکٹر ایوب صابر اقبال کے عاشق اور مفسر ہیں۔ اقبالیاتی تحقیق میں اُنھوں نے جس محنت، مہارت اور ریاضت کا عملی ثبوت پیش کیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے اور قابلِ تقلید بھی۔ ڈاکٹر ایوب صابر کے اقبالیاتی سرمایہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے کسی بھی جگہ پر تحقیقی بددیانتی کا ثبوت نہیں دیا۔ اُنھوں نے اپنی تحقیق کے دوران توازنِ فکر اور صداقت شعاری کا ثبوت دیا ہے اگر معترض کا کوئی الزام درست ثابت ہوا ہے تو اُس سے اُنھوں نے اتفاق کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ اُنھوں نے ناقدین، معترضین اور مخالفینِ اقبال کی نفسیاتی تحلیل اور ذہنی تجزیے کی بھی کوشش کی ہے۔ اور اُن اسباب تک رسائی کی ہے جو اعتراضات کے پس منظر میں تھے۔ اس بارے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

> "تجزیہ نگار کسی جوابی تلخ نوائی کا شکار نہیں ہوئے اور اُنھوں نے خنک مزاجی اور توازن سے کام لیتے ہوئے، تنقید کا ایک خاص معیار برقرار رکھا ہے۔۔۔ پھر اُنھوں نے جو نتیجہ اخذ کیا وہ بھی اُن کے توازنِ فکر و ذہن کا ثبوت ہے۔"[۳]

ڈاکٹر ایوب صابر اقبال کے مردِ مجاہد اور سپاہی ہیں۔ اُنھوں نے ہر محاذ پر مخالفین و معترضینِ اقبال کا مقابلہ نہایت دلیری کے ساتھ کیا۔ اقبال کے افکار و نظریات پر اعتراضات ہوں یا اقبال کی شاعری، شخصیت اور فکر و فن پر، وہ ہر محاذ پر اقبال کے دفاع میں سیسہ پلائی دیوار بنے رہے اور تمام اعتراضات کے بت پاش پاش کیے۔

اقبالیاتی ادب میں اقبال شناسی کے ساتھ ساتھ اقبال شکنی اب ایک مستقل موضوع بن چکا ہے اور ڈاکٹر ایوب

صابر اقبال شکنی پر مبنی ادب کی تحقیق اور جانچ پرکھ کے موجد ہیں۔ اُنھوں نے پہلی مرتبہ باقاعدہ طور پر اقبال دشمنی پر مبنی مواد کو منظر عام پر لایا اور دلائل و براہین اور صبر و استقامت کے ساتھ اقبال دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے اور ہر محاذ پر اُنھیں شکست فاش کرتے رہے۔ بلا شبہ ڈاکٹر ایوب صابر ایک عظیم محقق، ادیب اور نقاد ہیں۔ اُن کا نظام فکر مسلسل جدو جہد، لگن اور صداقت پر مبنی ہے۔ اپنے مقصد کی لگن نے اُنھیں کالج کی پروفیسری چھوڑنے پر مجبور کیا۔ خطیر آمدنی کی ملازمت کو چھوڑ کر اپنے آپ کو تحقیق کے خارزار میں لے آنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اُن کے اندر جذبے کی کتنی لگن پائی جاتی ہے تحقیقی اور ادبی دنیا میں ایسے ایثار کی مثال کہیں بھی نہیں ملتی۔ اُن کے سامنے علامہ اقبال کے افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت اور اقبال کے خلاف کی گئی الزام تراشیوں کا جواب دینے کے مقابلے میں کسی عہدے، منصب اور مال و دولت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اقبال شکنی کا مطالعہ ایک کڑا موضوع تھا مگر جس طرح ڈاکٹر ایوب صابر نے اس موضوع پر کام کیا ہے اُس کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال شکنی کے حوالے سے کوئی بات اب ایسی نہیں رہی جس کا ذکر اُن کی کتابوں میں موجود نہ ہو۔ اقبال شکنی کے حوالے سے اُنھوں نے ناقابل تردید دلائل کے ساتھ فیصلہ صادر کیا ہے کہ اقبال پر اعتراضات کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر کے فیصلے کو حرفِ آخر تصور کرنا چاہیے۔

اقبال پر فکری اعتراضات اور ڈاکٹر ایوب صابر

معترضین ومخالفین اقبال نے فکرِ اقبال کے انہدام کے لیے مختلف قسم کے الزامات اور اعتراضات لگائے۔ ان اعتراضات کی نوعیت مختلف تھی۔ کچھ معترضین نے اقبال کی شخصیت اور ذاتی زندگی کو ہدفِ تنقید بنایا اور کچھ نے اقبال کی فکر و نظریات پر الزامات لگائے۔ اسی طرح اقبال کی زبان اور فن پر بھی اعتراضات ہوئے۔ مقالے کے اس حصے میں اقبال پر فنی، فکری، شخصی اور دیگر اعتراضات کا جائزہ ڈاکٹر ایوب صابر کے دلائل کی روشنی میں لیا جائے گا۔

اقبال پر فکری اعتراضات کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنی کتاب اقبال کی فکری تشکیل اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ تحریر کی۔ اس کتاب میں اُنھوں نے فکرِ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ اقبال کی فکری اساس اور نظریات پر اعتراضات کا سلسلہ طویل اور متنوع ہے۔ مختلف معترضین نے فکرِ اقبال کو مستعار قرار دیا اسی طرح کچھ لوگ معترض ہیں کہ اقبال کے ہاں تضاد پایا جاتا ہے۔ مختلف معترضین نے اعتراض کیا کہ اقبال کی فکر مغرب سے مستعار ہے، اور اقبال کا فلسفہ بڑی حد تک نطشے اور برگسان کا مرہون منت ہے۔ نکلسن نے لکھا ہے:

"Iqbal has drunk deep of European Literature, his philosophy owes much to Neitzsche and Bergson"[4]

جب مغربی پروفیسر جس نے اقبال کی مثنوی اسرارِ خودی کا ترجمہ کیا تھا اُس نے اقبال کے فلسفہ کو نطشے اور برگسان کی خوشہ چینی قرار دیا تو برصغیر کے معترضین کو فکرِ اقبال پر اعتراض کا موقع ہاتھ آ گیا اور اُنھوں نے فکرِ اقبال کو مستعار قرار دیا اور اس پر تابڑ توڑ حملے کیے۔ اس بارے میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''نکلسن کا مذکورہ جملہ مغرب میں ایک حد تک لیکن برصغیر میں بڑی حد تک مخالفینِ اقبال کا تکیہ کلام بن گیا۔ اقبال شناسی میں اضافے کے ساتھ ساتھ پروفیسر نکلسن اپنے اس موقف سے دست بردار ہوتے گے لیکن اس جملے کو معترضینِ اقبال نے مضبوطی سے پکڑ لیا اور مختلف انداز سے اب تک دہرا رہے ہیں۔''[۵]

وہ معترضین جو فکرِ اقبال اور اقبال کے فلسفیانہ افکار و نظریات کو نطشے اور برگسان کا مرہونِ منت قرار دیتے ہیں اُن کے پاس ڈاکٹر نکلسن کی رائے ایک معتبر حوالہ تھی مگر ڈاکٹر ایوب صابر نے یہ واضح کر کے کہ نکلسن اپنی ابتدائی رائے سے دست بردار ہو گے تھے، معترضین کے الزام کو لغو قرار دیا۔ اُنھوں نے ۶ نومبر ۱۹۳۱ کو لندن میں منعقدہ اقبال لٹریری ایسوسی ایشن کے ایک مخصوص اجلاس کا حوالہ دیا ہے۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر نکلسن نے کہا:

> ''پچیس سال پہلے کسی طالب علم کے بارے میں یہ پیش گوئی کرنا مشکل تھا کہ وہ آگے چل کر عظمت کی بلندیوں پر پہنچے گا ـــــ اسرارِ خودی شائع ہوئی تو میں ابتدا میں سمجھا کہ اقبال دوسرا نطشے ہے یا نطشے کے خیالات کا چربہ اتارا ہے لیکن میں عمیق مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ بالکل الگ تعلیم ہے۔''[۶]

ڈاکٹر نکلسن کے اس اعتراف کے بعد اس الزام کا کوئی جواز نہیں رہتا کہ اقبال کے فلسفیانہ افکار و نظریات مُستعار اور مغربی مفکرین کی خوشہ چینی ہیں۔ علی عباس جلالپوری اور خلیفہ عبدالحکیم نے اعتراض کیا ہے کہ اقبال کا تصورِ خودی فشٹے سے ماخوذ ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے اس رائے کو مسترد کر دیا ہے اُنھوں نے اپنے دلائل سے واضح کیا ہے کہ اقبال اور فشٹے دونوں کا تصورِ خدا مختلف ہے۔ اقبال کا تصورِ خدا اسلام پر مبنی ہے جبکہ فشٹے عیسائیت کے شخصی خدا کو بھی نہیں تسلیم

کرتا۔ فشٹے بقولِ جلالپوری وحدت الوجودی تھا۔ اس بات کو ڈاکٹر ایوب صابر نے درست تسلیم کیا ہے مگر جلالپوری کا یہ الزام کہ اقبال بھی وحدت الوجودی تھے غلط ہے۔ اقبال کا اپنا ایک مربوط فکری اور فلسفیانہ نظام فکر ہے جس کے سرچشمے اسلام سے پھوٹتے ہیں۔ اقبال نے وحدت الوجود کا توڑ کیا اور اسلامی فکر سے وابستہ ہو کر توحید کی تفسیر و تلقین کی۔ اقبال نے مغربی و مشرقی مفکرین اور فلاسفہ سے استفادہ کیا۔ اُنھوں نے علوم مشرق و مغرب کا گہرا مطالعہ کر کے اپنے لیے ایک الگ راہ متعین کی جس کے سرچشمے مغربی فکر میں نہیں بلکہ اسلام میں ہیں اس سلسلے میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''اقبال نے مغربی مفکرین سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن مغربی فکر کی گمراہیوں سے خود کو محفوظ رکھا ہے۔ درس حکیمانِ فرنگ نے انکے فہم میں اضافہ کیا، لیکن ان کی فکری اساس حکمت فرنگ نہیں ہے۔''[7]

حقیقت بھی یہی ہے کہ فکرِ اقبال مُستعار نہیں ہے بلکہ اقبال کے فلسفیانہ افکار ایک مربوط نظامِ فکر کے تحت پروان چڑھے اُنھوں نے مغربی افکار و نظریات سے استفادہ تو کیا مگر اُن کے افکار کسی کا چربہ نہیں ہیں۔

معترضینِ اقبال نے اقبال کے ہاں تضاد کا الزام اتنی شد و مد کے ساتھ لگایا ہے کہ یہ مسئلہ بھی فکرِ اقبال کی اساس کی طرح ایک متنازعہ مسئلہ بنا رہا۔ یہ الزام زیادہ تر اُن لوگوں کی طرف سے لگایا گیا جو فکرِ اقبال کو مُستعار قرار دیتے ہیں اور جن کے نزدیک اقبال نے مغربی مفکرین کے خیالات کو استعمال کیا ہے۔ ظاہر ہے اُن کا مقصد سوائے انہدامِ اقبال کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ ای۔ ایم فاسٹر نے فکرِ اقبال کو ناقص قرار دیا اور اُن کے نزدیک اقبال فکری تناقص کا شکار ہوئے ہیں۔ کانٹ ویل سمتھ نے اقبال کے ہاں کبھی رجعت پسندانہ عناصر اور کبھی اشتراکیت کے عناصر کی نشاندہی کی ہے۔ سلیم احمد کے نزدیک اقبال کے فکر و عمل میں تضاد ہے اس طرح کے اور بہت سے الزامات دوسرے لوگوں نے بھی اقبال کے فکری تناقص کے حوالے سے اُن پر عائد کیے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''اقبال کے ہاں تضاد دکھانے والے اکثر اہلِ قلم نے یا تو اقبال کے فکری ارتقاء کو نظر انداز کیا ہے یا اقبال کی بنیادی حیثیت متعین کرنے میں عمداً یا سہواً غلطی کی ہے اور یا مختلف اصطلاحوں کے جلو میں جو مغالطے ہوتے ہیں اُنھیں پیش نظر نہیں رکھا۔ اقبال کا ادھورا مطالعہ بھی اس الزام کا باعث بنا۔۔۔ اگر اقبال پر تضادات کے الزام کا بہ نظر غائر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ معترضینِ اقبال جو کچھ

منوانا چاہتے ہیں وہ غلط اور اُن کے بیان کردہ تضادات اقبال کے ہاں نہیں ہیں۔''[۸]

انسانی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کی طرح فکر انسانی میں بھی ارتقاء اور تغیر کا سلسلہ جاری رہتا ہے فکر انسانی ایک جگہ ساکن ہو کر نہیں رہ سکتی۔ اقبال کی شاعری اور افکار و نظریات میں ایک ارتقائی سلسلہ پایا جاتا ہے۔ فکرِ اقبال کو سمجھنے کے لیے فکرِ اقبال کے ارتقائی مراحل اور اُن مراحل کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ارتقائی تبدیلیوں کو سمجھنا ضروری ہے۔ اسی طرح اصطلاحات کے سمجھنے میں بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ جس طرح اقبال نے اپنے آپ کو مجموعۂ اضداد کہا ہے۔ معترضین نے اس اصطلاح سے اقبال کو تضاد کا حامل سمجھنا شروع کیا۔ علامہ اقبال نے اپنی اُردو شاعری میں دو مرتبہ مجموعہ اضداد کی ترکیب استعمال کی ہے۔ پہلی مرتبہ بانگ درا کی نظم "زہد اور رندی" میں اور دوسری مرتبہ بانگِ درا کی نظم "عاشق ہرجائی" میں اس اصطلاح کی بنا پر اقبال سنگھ نے علامہ اقبال پر مجموعۂ اضداد کا اطلاق ہے۔

اقبال سنگھ ایک سنجیدہ لکھاری ہیں اُن کی کتاب راہ نوردِ شوق مکمل طور پر اقبال کی مخالفت میں نہیں لکھی گئی اقبال سنگھ نے علامہ اقبال کی بہت ساری چیزوں اور نظریات کی تعریف کی ہے مگر چند جگہوں پر خاص مقاصد کے تحت انہدام اقبال کی کوشش کی ہے۔ اُنھیں "مجموعہ اضداد" سے پہلے والا شعر جو نظم ''زہد اور رندی'' میں ہے وہ کیوں نظر نہیں آیا؟ اگر مجموعۂ اضداد کا اطلاق اقبال پر ہو سکتا ہے تو "بے داغ ہے مانندِ سحر اُس کی جوانی" کا کیوں نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے لکھا ہے کہ جس ترکیب کو معترضین نے بنیاد بنا کر فکر اقبال کے ہاں تضاد کی نشاندھی کی ہے، یہ ترکیب ۱۹۰۳ کی نظم میں استعمال ہوئی ہے اور اُس وقت اقبال کی شاعری کے پہلے دور کا آغاز تھا اور اُس دور میں اقبال کوئی باقاعدہ مفکر نہیں تھے لہذا اقبال کے ہاں فکری تضاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔[۹]

افکارِ اقبال کو کسی ایک خانے میں مقید نہیں کیا جا سکتا۔ اُن کے افکار میں بوقلمونی پائی جاتی ہے ان کو ترقی پسند اور رجعت پسند کے خانوں میں تقسیم کرنا غلط ہے۔ فکر اقبال کا سرچشمہ قرآن ہے۔ اقبال اسلام اور قرآن کی بنیادی تعلیمات میں کسی قسم کی تبدیلی کے روادار نہیں تھے۔ اور بحیثیت مسلمان ہمارے پاس ایک مکمل نظامِ حیات اور نظامِ فکر موجود ہے اس کے ہوتے ہوئے ہم کسی ازم کے پرستار اور مقلد نہیں ہو سکتے۔ ہر سوچنے سمجھنے والے انسان میں فکری تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں اور علامہ اقبال بھی سوچنے سمجھنے والے زندہ انسان تھے۔ ایل ڈکنسن نے فلسفۂ اقبال کے اطلاق کو مخصوص و محدود قرار دیا۔ رالف رسل کی رائے میں اقبال جب آدمی کو خلیفۂ خدا کی شکل میں دیکھتے ہیں تو اُن

کے تصور میں پوری نسل آدم نہیں ہوتی بلکہ اُس نسل کا صرف وہ حصہ ہوتا ہے جو مسلمان ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر سچد انند سنہا کے نزدیک اقبال کی شاعری میں آفاقیت نہیں پائی جاتی۔

جہاں تک فلسفہِ اقبال کے اطلاق کی حد کا تعلق ہے وہ محدود نہیں ہے۔ دنیا کے جس کونے میں بھی کوئی انسانی ذہن فکرِ اقبال کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اس سے مستفید ہونا چاہتا ہو اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ بات صاف ظاہر ہے اسلام کو مانو گے تو اپنا ادراک ہوگا، جب اپنا ادراک ہوگا تو شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں فکرِ اقبال معاون ثابت ہو گی۔ اقبال کی عالمگیر شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

''کلامِ اقبال کے سرسری مطالعے سے بھی یہ نتیجہ با آسانی نکالا جا سکتا کہ اقبال کی توجہ غیر مسلموں کو مسلمان بنانے پر نہیں ہے۔ وہ مسلمانوں کو مسلمان بنانا چاہتے ہیں۔ تاہم اقبال کی شاعری اسلامی بصیرت کی آئینہ دار ہے اور اسی وجہ سے عالمگیر حقائق کی ترجمان بھی ہے۔''[۱۰]

معلوم نہیں کہ سچد انند سنہا کے نزدیک آفاقیت کس چیز کا نام ہے۔ حال آنکہ دنیا کے تقریباً سبھی ممالک میں فکر اقبال پہنچ چکی ہے اور اُس پر عمل کے اثرات عیاں ہیں۔ خلیفہ خدا کی شکل کا اطلاق تو پوری نسل آدم پر ہو ہی نہیں سکتا۔ رالف رسل کس طرح یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ خلیفہ خدا کی شکل میں اقبال صرف مسلمانوں کو دیکھتے ہیں۔ اللہ نے تو پوری نسل آدم سے خلیفہ خدا کا وعدہ تو نہیں کیا۔ بلکہ زمیں پر خدا کا نائب اور اللہ کا خلیفہ وہی بن سکتا ہے جو احکامات خداوندی پر عمل پیرا ہو۔ ایک منکرِ خدا کیسے اللہ کا نائب ہوسکتا ہے۔ یہ بات رالف رسل کی سمجھ میں نہیں آسکی۔ اقبال صرف اسلامی شاعر تھے کہنا زیادتی ہے اور معترضین نے اُن کو اسلامی شاعر قرار دیا۔ مگر کبھی کسی نے ملٹن کو عیسائی شاعر قرار دے کر اس کے حلقہِ اثر کو محدود نہیں کیا۔ اقبال کے خلاف ایسی باتیں کہنا ایک خاص ذہنیت کی عکاسی ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے درست راہ نمائی کی ہے۔

''اقبال کو شاعر اسلام کہنا غلط نہیں، لیکن ان کی پرستاری یا مخالفت کے جوش میں اُنھیں صرف شاعرِ اسلام سمجھنا غلط ہے۔ وہ شاعرِ ہندوستان بھی ہیں، شاعرِ مشرق بھی اور شاعرِ انسانیت بھی۔''[۱۱]

برصغیر کے اشتراکیت پسندوں اور ہندوؤں نے اقبال کو اسلامی فاشسٹ قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور

لگایا۔اہلِ مغرب نے اقبال کو ایک خونی ستارہ قرار دیا اُنھیں ہمیشہ اس بات کا خدشہ رہا کہ اگر فکرِ اقبال پر مسلمانوں نے عمل کر لیا اور مشرق مسلم ہو گیا تو وہ مغرب کو فتح کر لیں گے۔ سمتھ نے تحریکِ پاکستان کو ایک فاشسٹ تحریک قرار دیا اور الزام لگایا کہ اقبال کی شاعری کو فاشسٹ تحریک کے لیے استعمال کیا گیا۔

تحریک پاکستان فاشسٹ تحریک نہیں تھی بلکہ یہ مسلمانانِ برصغیر کے جائز حقوق کے حصول کی تحریک تھی سمتھ نے یہ الزام صرف روایتی ہندو مسلم دشمنی کے نتیجہ میں عائد کیا ہے۔ اقبال فاشسٹ نہیں تھے اور نہ ہی وہ مسلمانوں کو جنگ کے لیے اُبھارتے تھے وہ اُن تمام جنگوں کو مردود سمجھتے تھے جن کا مقصد ملک گیری ہو۔ اقبال صرف شخصی بقا کے دفاع کی تلقین کرتے ہیں۔ ملک گیری اسلام کے بنیادی مقاصد میں شامل نہیں ہے۔ اقبال کسی بھی طور پر مسلمانوں کو اس چیز کی تلقین نہیں کر سکتے جو اسلام کے مقاصد سے متصادم ہو۔ ڈکنسن کے اعتراض کے جواب میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''ڈکنسن کا اعتراض مفصل اور مدلل ہے اور بظاہر بہت جاندار معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا ماحصل یہ ہے کہ مغرب والے تو کوئی سبق نہیں سیکھتے اسلامی مشرق ہی کو چاہیے کہ شخصیتوں کو مضبوط بنانے کا خیال چھوڑ دیں۔ سخت کوشی سے پرہیز کریں، متحد اور مسلح نہ ہوں۔ اہل مغرب کو اپنا استحصال کرنے دیں اور ہر حال میں جنگ سے گریز کریں۔ مسلمان تو ابھی تک متحد اور مسلح نہیں ہوئے اس کے باوجود بلکہ اسی سبب سے استعمار کی یلغار جاری ہے۔''[۱۲]

اصل میں اقبال مسلمانوں کو اس استعماری یلغار کے مقابلے کی تیاری کی تلقین کرتے ہیں اگر فکرِ اقبال پر عمل ہوتا تو اس وقت مغربی استعمار کی راہیں مسدود ہو چکی ہوتی۔ اقبال کی تعلیمات جنگ نہیں اور نہ ہی اقبال اقتدار پرست ہیں۔ اقبال کی تعلیمات میں اثباتِ ذات، یقین محکم، عمل پیہم، آزادی، مساوات، اخوت، صداقت، عدالت، محبت اور احترام انسانیت شامل ہیں۔ اقبال استعمار کے خلاف ہیں۔ جہاں مسلمانوں پر ظلم وستم ہوتا ہے اقبال اُن مسلمانوں کو درس حریت دیتے ہیں اُنھیں کوشش، عمل اور جدوجہد کی تعلیم دیتے ہیں۔ ڈاکٹر کرشن بالی نے اقبال پر الزام لگایا کہ وہ مسلمانوں کو خون خواری کی تعلیم دیتے ہیں۔ اقبال نے ذاتی اور مذہبی خودی کی پرورش، بحالی اور اظہار پر زور دے کر دنیا کو گمراہ کیا۔[۱۳]

اس بات کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر ایوب صابر نے واضح کیا:

> ''ڈاکٹر بالی جیسے دانش وروں کو چاہیے کہ اپنی سرکار کو سمجھائیں کہ کشمیری مسلمانوں پر مظالم بند کرے اور اُن کے حقِ خود اختیاری کو تسلیم کرے نیز برصغیر کو جوہری جنگ سے بچائے۔اقبال کے خلاف باتیں بنانے کی بجائے بھارتی دانش وروں کو یہ سوچنا چاہیے کہ مقبوضہ کشمیر میں چھے سات لاکھ ہندوستانی فوج کیا کر رہی ہے اور سنگھ پریوار کے عزائم و مشاغل کیا ہیں۔''[۱۴]

برصغیر کے اشتراکیت پسند دانش ور خواہ اُن کا تعلق مسلمانوں سے ہو یا ہندوؤں سے،اُنھوں نے اقبال پر ماضی پرستی اور رجعت پسندی کے اعتراضات بار بار لگائے۔اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔سبط حسن نے اقبال کو ماضی کا پجاری قرار دیا۔احمد علی نے اقبال کی شاعری کو رجعت پسندانہ کہا،علی سردار جعفری نے اقبال کو قدامت پرست قرار دیا۔

اقبال ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور اسلام کے جدید مفسر ہیں۔اقبال نے زمانے کو جدید و قدیم میں تقسیم نہیں کیا۔اُن کی نظر مشرق و مغرب کے ماضی،حال اور مستقبل پر تھی،اقبال مشرق و مغرب کی شب کو سحر کرنا چاہتے تھے۔یہ ہی وجہ ہے کہ اقبال مغرب کی خوبیوں کی تحسین کرتے ہیں اور اس تہذیب میں اخلاقی اور معاشرتی برائیاں نظر آتی ہیں اور فی الحقیقت وہ برائیاں اور اُن کے نتائج سب کے سامنے عیاں ہیں اُن کی تنقیص کرتے ہیں۔فکر اقبال کا بنیادی سرچشمہ اسلام ہے اور وہ اسلام کی حاکمیت پر مکمل اعتماد رکھتے ہیں اور وہ اُن تجدد پسندوں کی مذمت کرتے ہیں جو احکامِ شریعت پر کاربند نہیں۔مغرب آزادیِ نسواں کے حق میں ہے مگر اقبال عورت کو آزادی اسلام کے حلقہ میں رہتے ہوئے دینے کے حق میں ہیں اور اشتراکیت پسندوں کو یہ بات ناگوار گزرتی ہے عورت کے ضمن میں نہ صرف مخالفین و معترضین بلکہ قدر دانوں نے بھی اقبال کو قدامت پرست اور ماضی کی روایات کا پجاری قرار دیا ہے۔جن میں عزیز احمد اور پروفیسر محمد انور صادق وغیرہ شامل ہیں۔ڈاکٹر ایوب صابر عورت کے حوالے سے معترضین کا جواب دیتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ:

> ''عورت کے ضمن میں اقبال اُن حقوق پر زور دیتے ہیں جو اسلام نے یورپ سے پہلے عورت کو دیے لیکن آزادی کے نام پر عورت کی بے راہ روی کی مخالفت کی ہے۔اقبال قومی تعمیر میں عورت کے زبردست قائل ہیں اور اُسے بروئے کار لانا چاہتے ہیں لیکن مغرب کی تقلید کے باعث عورت کا استعمال اس کے لیے منافی

ہے۔ اقبال علم وفن کی حمایت کرتے ہیں اور عریانی کی مخالفت کرتے ہیں۔''[۱۵]

بات سیدھی اور واضح ہے کہ عورتوں کی آزادی اور اُن کے حقوق کے بارے میں اسلام میں ایک مکمل ضابطہ اخلاق موجود ہے اور وہ ضابطہ اخلاق کسی بھی طرح عورت کی آزادی کو ختم اور سلب نہیں کرتا اور نہ ہی جدید دور کے تقاضوں سے متصادم ہے۔ جہاں بھی ہم نے عورت کے حوالے سے اسلامی ضابطہ اخلاق سے انحراف کیا تو اس کے بُرے نتائج ظاہر ہوئے اور اقبال بھی یہ ہی چاہتے ہیں کہ مسلمان عورت کے سامنے دخترِ رسول ﷺ کا کردار اور نمونہ ہونا چاہیے نہ کہ مغربی عورت کا۔ اگر اقبال عملی زندگی میں عورت کے مخالف ہوتے تو وہ کبھی بھی فاطمہ بنتِ عبداللہ کے کردار کو خراجِ تحسین پیش نہ کرتے۔ اقبال مغربی افکار کے حوالے سے عورت اور مغرب کے اُن پہلوؤں کو زیرِ تنقید لاتے ہیں جو فطرت اور اسلام دونوں کے خلاف ہیں۔ اُنھیں عورتوں کی ترقی اور آزادی سے کوئی عناد نہیں اگر وہ ترقی اور آزادی اسلام اور فطرت کے دائرے کے اندر ہو۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے درست بات کی ہے۔

> ''ترقی یہ نہیں کہ بیٹیاں بے پردہ ہو کر رقص کریں اور عورتوں کی پنڈلیاں بلکہ ٹانگیں اوپر تک ننگی ہو جائیں اور اس ضمن میں سردی کی کاٹ کو بھی نظر انداز کر دیا جائے۔''[۱۶]

اقبال نے عورت کا جو تصور پیش کیا اُس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ فرماتے ہیں:

مزرعِ تسلیم را حاصل بتول
مادراں را اسوۂ کامل بتول
نوری وہم آتشی فرما نبرش
گم رضائے در رضائے شوہرش
اں ادب پروردہ صبر و رضا
آسیا گردان و لب قرآں سرا [۱۷]

فاطمہ تسلیم و رضا کی کھیتی کا حاصل اور ماؤں کے لیے اسوہ کامل ہیں۔ نوری اور آتشی سب آپ کے فرمابردار تھے۔ آپ نے اپنی رضا کو شوہر کی رضا میں گم کر دیا۔ آپ نے صبر و رضا کی ادب گاہ میں پرورش پائی تھی۔ ہاتھ چکی پیستے اور لبوں پر قرآن کی تلاوت ہوتی تھی۔ یہ ہے مسلمان عورت کی عملی تصویر جو اقبال ہمیں دکھاتے ہیں۔

اشتراکیت پسندوں نے فکرِ اقبال کے انہدام کے لیے ہر حربہ استعمال کیا۔ اُنھوں نے اقبال کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور اُنھیں بھی اشتراکیت پسند قرار دیا۔ اُنھیں اقبال کی کتاب علم الاقتصاد میں کارل مارکس کی صدائے بازگشت سنائی دی۔ کچھ نے دعوٰی کیا کہ اقبال آخری عمر میں اشتراکی ہو گئے تھے۔ کچھ نے اقبال کو اسلامی اشتراکیت پسند قرار دیا۔ عتیق صدیقی نے "خضرِ راہ" میں علامہ اقبال کے افکار و خیالات کو اشتراکی تعلیمات کا نچوڑ قرار دیا۔ اقبال کی نظم فرمانِ خدا کے بارے میں خلیفہ عبدالحکیم نے یہ رائے ظاہر کی کہ اگر اس کا ترجمہ روسی زبان میں کیا ہوتا اور لینن کے سامنے پیش کیا جاتا تو وہ اُسے بین الاقوامی اشتراکیت کا ترانہ بنا دیتے۔ خلیفہ عبدالحکیم کے اس الزام کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سوچنے کی بات یہ ہے کہ خدا کا فرمان اور وہ بھی فرشتوں سے اشتراکیت کا ترانہ کیسے بنتا، جبکہ اشتراکیت خدا اور فرشتوں کا انکار کرتی ہے۔''[۱۸]

علامہ اقبال کا ایک خط ۲۴ جون ۱۹۲۲ کو رسالہ زمیندار میں شائع ہوا۔ اگر اقبال پر اشتراکیت پسندی کا الزام لگانے والے اس خط کو پڑھیں تو اُمید ہے کہ اُنھیں سچ اور جھوٹ کا پتا چل جائے گا۔ مگر معترضین حقائق کو جانتے ہوئے بھی اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت انہدام کی کوشش کرتے ہیں۔ اُس خط کے چند اہم اجزا حسبِ ذیل ہیں:

☆ بالشویک خیالات رکھنا دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے مترادف ہے۔

☆ مغربی سرمایہ داری اور روسی بالشوازم دونوں افراط و تفریط کا نتیجہ ہیں۔

☆ قرآن نے اعتدال کی راہ بتائی ہے اور اقتصادی مسائل کا بہترین حل پیش کیا ہے۔

☆ اشتراکیوں کا اقتصادی نصب العین درست جبکہ طریقہ کار غلط ہے۔ اس نظام کے نقائص تجربے سے معلوم کر کے روسی قوم بلا آخر اشتراکیت سے دست بردار ہو جائے گی۔

☆ بالشویک سرمائے کی قوت کو معاشی نظام سے خارج کرتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے اسلام سرمائے کی قوت کو معاشی نظام سے خارج نہیں کرتا تاہم اسے مناسب حدود کے اندر رکھتا ہے۔[19]

اقبال نے جا بجا اس بات کا اظہار کیا ہے کہ وہ اشتراکی نہیں ہیں۔ وہ تاریخ کی مادی تعبیر کو سراسر غلط سمجھتے ہیں اور کارل مارکس سمیت دوسرے تمام اشتراکیت پسندوں کو اسلام کا مخالف سمجھتے ہیں۔ اقبال کے واضح افکار و نظریات ہونے کے باوجود بھی اُن پر اشتراکیت پسندی کا الزام عائد کرنا سراسر غلط ہے۔ اقبال نے اشتراکیت اور سرمایہ داری کو

"یزداں نا شناس" قرار دیا ہے۔اقبال کی تعلیمات و افکار کی بنیاد خودی ہے۔تصورِ خودی اور اشترا کی سوچ میں کسی بھی قسم کی مطابقت اور ہم آہنگی نہیں پائی جاتی اور نہ ہی اشترا کی معاشرے میں خودی پروان چڑھ سکتی ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے درست بات کی ہے:

''اقبال کے تصورِ شخصیت کے علاوہ اُن کا اسلامی تصورِ قومیت بھی اشترا کیت سے ہم آہنگ نہیں ہے اقبال زندگی بھران تصورات کے مفسر اور علمبر دار رہے ہیں۔ان بنیادی حقائق کو نظر انداز کر کے فکرِ اقبال کی جو بھی تاویل کی جائے گی وہ غلط اور گمراہ کن ہوگی۔''[۲۰]

علی عباس جلالپوری نے علامہ اقبال کو فلسفے اور سائنس کا مخالف قرار دیا۔جوش ملیح آبادی نے اقبال کے تصور عقل و عشق کو مورد الزام ٹھہرایا اور اعتراض لگایا کہ اقبال نے قرآن کے مردود لفظ عشق کو آسمان پر چڑھا دیا اور قرآن کے محبوب لفظ عقل کو معتوب ٹھہرایا۔ڈاکٹر وحید عشرت نے تصور عقل کے حوالے سے اقبال کو مورد الزام ٹھہرایا۔اسی طرح اور بہت سے معترضین نے اقبال کو خرد دشمن اور مخالفِ علم قرار دیا۔

معترضین اقبال کی ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ وہ اقبال پر کوئی بھی الزام عائد کرنے سے پہلے اقبال کے پورے کلامِ نظم ونثر کو نہیں دیکھتے۔وہ ہمیشہ صرف اُسی بات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جن سے اُن کی اپنی بات پوری ہوتی نظر آتی ہے۔اقبال نے کبھی بھی مجرد عقل کی مخالفت نہیں کی۔خطباتِ اقبال میں عقل کی حمایت میں واضح اشارات موجود ہیں وہ عقل کو نعمتِ خداوندی تصور کرتے ہیں۔

اقبال کے بہت سے اشعار سے عقل کی تائید ہوتی ہے۔

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش! خلافت ہے جہانگیری تری

عقل کی منزل ہے وہ، عشق کا حاصل ہے وہ
حلقہ آفاق میں گرمیِ محفل ہے وہ

عشق اب پیرویِ عقل خداداد کرے
آبرو کوچہ، جاناں میں نہ برباد کرے[۲۱]

اس طرح کے اور بہت سے اشعار ہیں جو عقل کی حمایت میں لکھے گئے ہیں جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اقبال عقل و خرد کی ضرورت و اہمیت سے پوری طرح آ گاہ تھے۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اقبال کے ہاں تضاد نہیں معترضین یہ نہ سوچیں کہ اقبال نے تو خطبات میں عقل کی حمایت کی ہے مگر شاعری میں مخالفت۔ اقبال کے کلامِ نظم میں بہت سے ایسے اشعار موجود ہیں جو عقل کی تائید کرتے ہیں۔ عقل نعمتِ خداوندی ہے اس کے مفید اور مضر ہونے کا انحصار اس کے استعمال پر ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر اقبال کے تصورِ عقل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اللہ نے علم انبیا کی بدولت آدم کو فرشتوں پر فضیلت عطا کی۔ قرآن حکیم میں افلا تعقلون اور افلا یتدبرون کا بار بار ذکر آیا ہے۔ جس سے عقلِ خداداد کی اہمیت وضرورت واضح ہے۔ اقبال کی فکری اساس قرآنِ حکیم ہے۔ وہ عقل اور علم کے مخالف کیسے ہوسکتے ہیں۔ لیکن جب عقل اور علم کو قرآن ہی کے خلاف استعمال کیا تو اقبال اس کی حمایت نہیں کرتے اور مخالفت کرتے ہیں صرف شاعری ہی میں نہیں بلکہ نثر میں بھی صرف زندگی کے آخری ادوار میں نہیں بلکہ ابتدائی ادوار میں بھی۔''[۲۲]

علی عباس جلالپوری اور اس کے پیروکاروں نے اقبال کو نہ صرف خرد دشمن کہا بلکہ اقبال کی حمایت عشق اور وجدان کو بھی غلط ٹھہرایا ہے۔ اُنھیں اقبال کا تصورِ عشق برگسان کی جوششِ حیات کی صدائے بازگشت سنائی دیتا ہے۔ جلالپوری اور اس کے پیروکاروں نے فکرِ اقبال کے انہدام کا بیڑا اُٹھایا ہوا ہے۔ اُنھوں نے غلط مفروضوں پر اپنے دلائل کو استوار کیا ہے اور اُن کے دلائل بے معنویت کا شکار ہو گے ہیں۔ حقیقت میں اقبال عشق اور عقل دونوں کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں اور اُن کے نزدیک جب عشق اور عقل کا بہترین امتزاج ہو گا تو بہت اچھے نتائج حاصل ہوں گے۔ اگر عقل اور وجدان کے ضمن میں اقبال اور برگسان کے بعض خیالات میں مماثلت پائی جاتی ہے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ عقل کے لیے اقبال نے اور بھی بہت سے تراکیب استعمال کی ہیں مگر معترضین کی نظر میں صرف لفظ عقل ہی ہے۔ اقبال نے عقل کے لیے خرد، اندیشہ دانش، شعور، ہوش، فکر، علم، فلسفہ، تدبر اور حکمت وغیرہ جیسی اصطلاحات بکثرت اپنے اردو اور فارسی کلام میں استعمال کی ہیں۔

علی عباس جلالپوری نے علامہ اقبال کو رومانی شاعر قرار دیا۔ اُنھوں نے اقبال کی شاعری میں خود مرکزیت،

داخلیت،طفولیت پسندی اور ماضی پرستی کی نشاندہی کی ہے۔ پروفیسر شریف کے خیال میں رومانیت کی فطری شاعری اور نوفلاطونی نظریوں نے اقبال کی شاعری پر گہرا اثر ڈالا۔علی عباس جلالپوری نے رومانیت کے حوالے سے جو الزامات اقبال پر عائد کیے ہیں وہ سراسر الزام تراشی، مبالغہ آرائی اور مغالطہ آمیزی پر مشتمل ہیں۔اقبال پر رومانیت کا الزام لگانا علی عباس جلالپوری کی ذاتی سوچ اور من مانی کاروائی ہے۔کیا اقبال نے اپنے کلام نظم ونثر میں عشق کی ناکام مہمات کا تذکرہ کیا ہے؟ از منہ وسطی کے مافوق الطبع قصص کب پیش کیے؟ رومانیت پسند شخص مریضانہ انانیت،جنون اور کجروی کا شکار ہوتا ہے جبکہ اقبال کی زندگی ان باتوں سے یکسر مختلف ہے۔وہ ایک عملی انسان تھے۔اعلیٰ تعلیمی مدارج طے کیے، سیاست میں حصہ لیا۔دنیا کے مختلف ممالک کے سفر کیے۔کہاں جنون اور مریضانہ کج روی کا شکار ہوئے؟اگرچہ کلام اقبال کے ابتدائی حصے میں رومانی نظمیں پائی جاتی ہیں مگر ان نظموں میں بھی کیف وموسیقی،تفکر، جوش وخروش اور ولولہ پایا جاتا ہے۔ان ابتدائی نظموں میں کہیں بھی فکری کجروی نہیں پائی جاتی۔علی عباس جلالپوری نے اپنی مخصوص ذہنیت کے پس منظر میں اقبال پر بے جا الزام کا سلسلہ جاری رکھا۔اگر اقبال کی زندگی اور افکار کے حقائق کا ادراک جلالپوری کو نہیں ہوا تو قصور علی عباس جلالپوری کا ہے اور کسی کا نہیں۔علی عباس جلالپوری کے اعتراضات کے رد میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''علی عباس جلالپوری کی تحقیق ناقص ہے اور مقاصد مشکوک ہیں اور اُن کے دعوے حقائق کے منافی ہیں۔اقبال رومانی نہیں بلکہ ایک حقیقت پسند مفکر ہیں۔البتہ اگر رومانیت کی تعریف یہ کی جائے کہ وہ پرانے ڈھانچے کو توڑتی ہے تو خود اسلام میں رومانویت موجود ہے۔اسلام نے انسان کو انسان کی بندگی سے آزاد کر کے معاشرے کو مساوات واخوت کے اصولوں پر اُستوار کیا۔اس مفہوم میں اسلام میں اور افکارِ اقبال میں رومانویت یقیناً موجود ہے مگر اُن معنوں میں نہیں جن پر جلالپوری کو اصرار ہے۔۔۔جلالپوری کے انداز نقد کا ایک نقص یہ ہے کہ وہ کلام اقبال کے تناظرات کو چھپاتے ہیں اور اپنے طے شدہ موقف کے برعکس جو کچھ اقبال کے ہاں ہوتا ہے اُس کے زیرِ بحث نہیں لائے اور جزوی مطالعے کی بنیاد پر غلط نتائج اخذ کرتے ہیں۔''[۲۳]

افکارِ اقبال کے حوالے سے معترضین نے وحدت الوجود کے حوالے سے اقبال پر شدید اعتراضات کیے۔ معترضین نے اقبال کو وحدت الوجودی ثابت کرنے کے لیے کلام اقبال کی شرحیں لکھیں۔ اس حوالے سے مختلف لوگوں نے مختلف قسم کے الزامات وحدت الوجود کے حوالے سے اقبال پر عائد کیے۔ اسلامی تصوف کی اصطلاح میں وحدت الوجود کا فلسفہ نو فلاطونیت سے داخل ہوا۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے باقاعدہ طور پر اس اصطلاح کو اسلامی تصوف کے رنگ میں پیش کیا۔ مسئلہ وحدت الوجود ابن عربی کی تعلیمات و افکار کے بعد اسلامی تعلیمات میں اس طرح گھل مل گیا کہ اصل اسلامی افکار اور وحدت الوجودی نظریات میں فرق کرنا کافی مشکل ہو گیا۔ کائنات کی ہر شے میں خدا کا حلول اور سرایت کر جانا ایک غیر اسلامی تصور ہے اور یہ تصور عقیدہ توحید کو منہدم کرتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کا بنیادی مرکز و محور توحید ہے۔ فلسفہ وحدت الوجود کے حوالے سے ایم یعقوب ہاشمی رقمطراز ہیں:

> ''چونکہ فلسفہ نو فلاطونیت کا نظریہ "وحدت الوجود" اسلام کے عقیدہ توحید سے مشابہت رکھتا ہے اس لیے تیسری صدی ہجری میں صوفیاء اسلام نے اسے اپنایا اور اس کو توحید کا باطنی پہلو تصور کر کے اسلامی تصوف کا لازمی جزو قرار دیا۔ اُنھوں نے اس کی ایک ایک ایسی نئی تاویل کی جو ابتدائے اسلام میں موجود نہ تھی اور اس کی ایسی ایسی توضیحات و تعبیرات پیش کیں کہ تاریخ تصوف اسلام میں یہ ایک مستقل باب بن گیا۔''[۲۴]

اقبال کی شاعری مختلف رُجحانات اور میلانات کی عکاس ہے۔ اگر چہ ابتدائی عمر میں علامہ اقبال نے کچھ ایسے اشعار کہے جن میں ہمہ اوست کا تذکرہ یا اثر ہو سکتا ہے مگر یہ میلان وقتی اور عارضی تھا۔ اگر چہ ابتدا میں اقبال کا فطری اور آبائی میلان تصوف کی طرف تھا۔ یورپ میں رہتے ہوئے ان کا یہ میلان اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔ مگر جب اقبال کا مطالعہ اسلام وسیع ہوا۔ اُنھوں نے قرآن اور تاریخِ اسلام پر تدبر اور غور و فکر کیا تو اُنھیں اپنی غلطی معلوم ہوئی۔ لہٰذا اُنھوں ے وحدت الوجود کو ترک کیا اور اپنے افکار و نشاۃِ ثانیہ کی بنیاد قرآن اور اسلام پر رکھی اور آخر وہ اس پر قائم رہے۔

اس حوالے سے تو یوسف سلیم چشتی خود مغالطے کا شکار رہیں اگر چہ اُنھوں نے کلامِ اقبال کی شرح عقیدت مندی کے تحت کی مگر کلام اقبال کو وحدت الوجود میں ڈبو دیا۔ اُنھوں نے دو بار علامہ اقبال کے وحدت الوجودی ہونے کا ذکر کیا ہے مگر دوسری طرف اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ۱۹۰۸ سے ۱۹۲۲ تک اقبال نے جس قدر نظمیں لکھی ہیں اُن

میں سے کسی میں بھی وحدت الوجود کا رنگ نہیں ہے۔[۲۵]

علی عباس جلالپوری تیس اشعار بھی ایسے نہیں پیش کر سکے جن میں وحدت الوجود کا عُنصر ہو جو اشعار اُنھوں نے پیش کیے ہیں اُن میں بھی وحدت الوجود کی ترجمانی نہیں ہوتی۔ علامہ اقبال نے اپنے افکار میں وحدت الوجود کے خلاف آواز بلند کی ہے اور اس نظریے کے رد میں اُنھوں نے تصورِ خودی کا نظریہ پیش کیا ہے۔ وحدت الوجود کی رو سے لازم ہے کہ انسان اپنی خودی کو ذاتِ خداوندی میں فنا کر دے جبکہ اقبال خودی کا صحیح احساس حاصل کرنے کی تلقین کرتے اور پھر خودی کے احساس سے خدا کی معرفت حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اقبال کے وحدت الوجودی ہونے کے الزام کی تردید میں ڈاکٹر ایوب صابر رقمطراز ہیں:

> ’’علامہ اقبال کے جن اشعار یا نثری جملوں سے وحدت الوجود ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے ان پر ان کے تناظرات سمیت، ذرا گہری نگاہ ڈال کر جائزہ لیا جائے تو واضح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اقبال وحدت الوجود کے قائل نہیں ہیں۔ اقبال توحید کے قائل اور مفسر ہیں اور انسانی خودی (انفرادیت) پر زور دیتے ہیں اور اس ضمن میں کلام اقبال میں تسلسل اور کثرت کے ساتھ شواہد موجود ہیں۔‘‘[۲۶]

کچھ معترضین نے علامہ اقبال پر الزام عائد کیا ہے کہ وہ فلسفی نہیں ہیں اور نہ ہی اُن کا کوئی نظام فکر ہے۔ کچھ نے اقبال کو متکلم قرار دیا اور کچھ نے فلسفی۔ علی عباس جلالپوری نے اقبال پر الزامات لگائے کہ اقبال خود کو فلسفی کہلانا پسند نہیں کرتے تھے۔ اقبال نے اشعار میں فلسفے کی مخالفت کی ہے۔ اقبال فلسفے کو مسلمانوں کے لیے ضرر رساں سمجھتے تھے وغیرہ۔ تحقیقی کسوٹی پر پرکھنے سے یہ الزامات بے بنیاد نظر آتے ہیں۔ اقبال نے شاعری اور فلسفہ کی حدود کو مٹا کر فکر اور جذبے کو ایک نیا آہنگ دیا۔ اقبال نے شاعری میں ایک مربوط اور منعظم فلسفہ پیش کیا۔ علامہ اقبال ایک جامع الحیثیت شخص تھے۔ اُن کے ہاں تاریخ، سیاسیات، شاعری، دینیات، فلسفہ اور ادب کا ایک امتزاج نظر آتا ہے۔ اقبال افکارِ اسلامی کی تاریخ پر گہری بصیرت رکھتے تھے، مسلمانوں کے انحطاط اور عرج و زوال کے اسباب و محرکات جس انداز سے اقبال نے اپنی شاعری میں پیش کیے ہیں شاید اس دور میں کسی اور نے ایسا کیا ہو۔ اقبال کی ساری شاعری اُن کے گہرے غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ جہاں تک تعلق ہے اس اعتراض کا کہ اقبال اپنے آپ کو فلسفی کہلانا پسند کرتے تو اسی طرح اقبال نے کبھی بھی اپنے آپ کو شاعر کہلوانا بھی پسند نہیں کیا۔

کلام اقبال میں واضح طور پر فلسفیانہ افکار پائے جاتے ہیں۔اگر ہم مسلمانوں کی ادبی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہمیں پوری ادبی تاریخ میں کوئی ایسا شاعر نظر نہیں آتا جس کے افکار اتنے گہرے اور عمیق ہوں جتنے علامہ اقبال کے تھے۔مشرق ومغرب کی حکمت کا نچوڑ علامہ اقبال کے افکار ونظریات میں پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے علی عباس جلالپوری کے اُن تمام الزامات کو رد کیا ہے جو علامہ اقبال پر فلسفی نہ ہونے کے حوالے سے عائد کیے تھے۔ان الزامات کی تردید میں وہ لکھتے ہیں۔

> فلسفے کی بیسیوں تعریفوں کی رو سے اقبال فلسفی ہیں۔اقبال خردمند ہی نہیں دانائے راز بھی ہیں اور اُن کے صاحب بصیرت ہونے سے انکار نہیں۔''[۲۷]

اس ضمن میں ڈاکٹر ایوب صابر نے درست بات کی ہے۔ان کی اس بات کی تصدیق معتبر اقبال شناسوں کی آراء سے ہوسکتی ہے۔یہاں چند معتبر اقبال شناسوں کی رائے درج کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر علی شریعتی کے بقول علامہ اقبال بیک وقت فلسفی، سیاست دان، مجاہد، محقق اور عارف ہیں۔[۲۸]

ڈاکٹر عبدالمغنی لکھتے ہیں۔اقبال ایک ایسے دانش ور تھے جو اپنی ایک خاص منعظم فکر رکھتے تھے اُن کو مفکر اور فلسفی کہنا صحیح ہوگا۔[۲۹]

پروفیسر اے۔ار۔ایلسن کے مطابق اقبال تاریخ انسانی کے عظیم ترین شاعر اور فلسفی ہیں۔[۳۰]

ڈاکٹر سید ظفر الحسن نے اقبال کو عظیم فلسفی شاعر قرار دیا۔[۳۱]

اسی طرح کی سینکڑوں اسناد موجود ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ علامہ اقبال ایک عظیم شاعر، فلسفی اور مفکر ہیں۔مگر علی عباس جلالپوری اور اُن کے پیروکار اپنی بات پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

فکر اقبال کے جہاں مختلف گوشوں کو معترضین نے ہدف تنقید بنایا وہیں اُن کے تصورِ جمہوریت کے حوالے سے کافی لے دے ہوئی۔تصورِ جمہوریت کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر نے معترضینِ اقبال کے ساتھ ساتھ ایسے اقبال شناسوں کے الزامات کا بھی جائزہ لیا ہے جنہوں نے علامہ اقبال کے تصورِ جمہوریت کو غلط رنگ دیا۔اس غلط فکری راہ نمائی کے سبب ایسے فکری مغالطوں نے جنم لیا کہ اصل صورتِ حال خرافات میں کھوگی۔ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''سطحی مطالعے، کم نظری اور تعصّبات نے ایسے گل کھلائے ہیں کہ حقیقت خرافات

> میں کھو گئی ہے۔ معاملے کا عبرت ناک پہلو یہ ہے کہ اقبال کے جن اشعار کو سب سے زیادہ ہدفِ تنقید بنایا گیا اُن کا مفہوم معترضین اقبال کے علاوہ اقبال کے قدر شناسوں نے بھی غلط سمجھا ہے۔''[۳۲]

معترضین نے الزام عائد کیا کہ اقبال نے سیاسی لحاظ سے دنیا کو کوئی نیا تصور نہیں دیا اُنھوں نے دورِ جدید کے جمہوری و سیاسی نظریات سے اتفاق نہیں کیا۔ سیاسی اعتبار سے وہ ایک پرانے نظام حکومت کے حامی تھے۔ علامہ اقبال نے جمہوریت کے مقابلے میں جو دوسرے نظام پیش کیے ہیں وہ بدترین استبداد کے نمونے ہیں اور وہ نظام کسی بھی طور پر جمہوریت سے بہتر نہیں ہو سکتے۔ اقبال نے عوام کو گدھے کہہ کر اور آمروں کو عقلِ کُل کہہ کر عوام کی توہین اور آمروں کی خوشامد کی۔ اقبال نے جمہوریت کی مخالفت کر کے قرآن اور سیرتِ رسول کی مخالفت کی ہے۔ اس طرح کے اور دیگر الزامات مختلف لوگوں نے علامہ اقبال پر عائد کیے۔ ان میں مفسر قرآن حمید نسیم سے لے کر کامریڈ مبارک علی تک سبھی لوگ شامل ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے معترضین نے جمہوریت کے حوالے سے علامہ اقبال کے اشعار کو سمجھنے میں غلطی کی ہے اور یہ غلطی بار بار دہرائی جا رہی ہے۔ علامہ اقبال کی پیامِ مشرق میں شامل مختصر نظم بعنوان ''جمہوریت'' کو غلط رنگ دیا گیا۔ اس نظم کی غلط تفہیم کے نتیجے میں اقبال کے تصورِ جمہوریت کو ہدفِ تنقید بنایا گیا۔ ملتِ اسلامیہ کی تشکیل وطنی اور نسلی نظریات سے قطع نظر صرف اسلامی عقیدے پر اُستوار ہے۔ مغرب کا جمہوری نظام سرمایہ دارانہ اور قوم پرستانہ اقدار و نظریات پر مشتمل ہے۔ مغرب کے جمہوری نظام میں جو خامیاں پائی جاتی ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی ہیں ہیں۔ اسلام کا نظامِ خلافت ابدی اہمیت کا حامل ہے۔ اس نظامِ خلافت کے تحت عوام اور حکمران یکساں سطح پر رہتے ہیں جبکہ جمہوری نظام میں تو ایسا کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ علامہ اقبال کی نظم جمہوریت ایک ایسے نظامِ فکر کو مسترد کرتی ہے جو ہمارا نہیں ہے۔ ہمارے ہاں جمہوریت ہے۔ کیا وڈیرے کے حکم کے بغیر ووٹ کا حق حاصل ہے؟ کیا کوئی صاحبِ علم اور صاحبِ بصیرت شخص وڈیرہ شاہی کے مقابلے میں انتخابات جیت سکتا ہے؟ کیا ہمارے انتخابات صاف و شفاف ہوتے ہیں؟ کیا حکومت کرنا صرف چند خاندانوں کا موروثی حق ہے؟ کیا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور صاحبِ بصیرت شخص کے اور ایک ریڑھی بان کے ووٹ میں کوئی فرق ہے؟ کیا جیت کا معیار بندوں کو گننا ہی نہیں۔ وڈیرہ شاہی اور سرمایے کے بل بوتے پر جو جمھوریت وجود میں آتی ہے کیا اُن کا مقصد عوام کی خدمت ہوتا ہے؟ کیا وزیرِاعظم صاحب عوام کو جواب دہ ہوتے ہیں؟ تو یہ کیسی جمہوریت ہے یہ حقائق تو سب پر واضح ہیں ان سے انکار تو ممکن نہیں ہے۔

علامہ اقبال کی نظم ''جمہوریت'' کا مفہوم بھی یہ ہی ہے۔گدھے عوام نہیں ہیں بلکہ علامہ نے دوصد خرِ ان لوگوں کو کہا جو عوام کے ووٹوں سے منتخب ہو کر اسمبلی میں بیٹھتے ہیں۔اور ان کے انتخاب میں سرمایہ داری، کرپشن، جھوٹ اور لوٹ مار شامل ہوتی ہے۔جس طرح دوسو گدھے مل کر بھی ایک انسان کی فکر کو نہیں پہنچ سکتے اسی طرح اسمبلی میں بیٹھے ہوئے جعلی لوگوں کو بھی عوام کی آواز نہیں پہنچ سکتی۔علامہ اقبال کی اس نظم کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''علامہ اقبال نے گدھے قرار دے کر عوام کی توہین کی ہے۔اُنھوں نے آمریت کے ہاتھ مضبوط کیے اور اُنھیں جمہوریت سے نفرت تھی یہ اور اس طرح کے دوسرے الزامات غلط ہیں اس لیے کہ یہ اعتراضات اقبال کی غلط تفہیم اور ناقص مطالعے پر مبنی ہیں۔مخالفین و معترضینِ اقبال کے علاوہ اکثر ماہرینِ اقبال نے بھی پیامِ مشرق میں شامل مختصر نظم بعنوان ''جمہوریت'' کا مفہوم، سنگین لاپروائی کا ارتکاب کرتے ہوئے غلط متعین کی ہے۔''[۳۳]

اقبال کی شخصیت پر اعتراضات اور ڈاکٹر ایوب صابر

علامہ اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنی کتاب اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ تحریر کی ہے۔اس کتاب میں ڈاکٹر ایوب صابر نے اُن اعتراضات کا جائزہ لیا ہے جو معترضینِ اقبال نے اقبال کی شخصیت پر لگائے ہیں۔اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ لیتے ہوئے اُنھوں نے واضح طور پر اُن اسباب و محرکات کی نشاندہی بھی کی ہے جن کے تحت معترضینِ اقبال نے اقبال کی شخصیت کو مجروح و منہدم کرنے کے لیے اُن کی شخصیت پر اعتراضات لگائے ہیں۔انہدامِ اقبال کے حوالے سے معترضین نے سب سے پہلے اقبال کے خاندان پر اعتراضات لگائے۔معترضینِ نے اقبال کے برہمن نژاد ہونے کی نفی ہے۔اُنھوں نے اقبال کے والد کے نام پر بھی اعتراض کیا۔خلیفہ عبدالحکیم نے اقبال کی برہمن زادگی پر فخر کو موردالزام ٹھہرایا۔اُن کے بقول اقبال کا شجرہ نسب دیکھنے سے مایوسی ہوتی ہے کیونکہ اقبال کی پیدائش سے قبل اس خاندان میں علم کی روشنی کسی تک نہیں پہنچی تھی۔

یہ بات تو واضح ہے کہ علامہ اقبال کے آبا و اجداد کشمیری پنڈت تھے جو سپرو کہلاتے تھے۔لفظ سپرو کے حوالے سے علامہ اقبال نے اپنے خط محررہ ۱۶ جنوری ۱۹۳۴ میں وضاحت کی ہے۔

''جس گروہ نے سب سے پہلے فارسی زبان وغیرہ کی طرف توجہ کی اور اس میں امتیاز حاصل کر کے حکومتِ اسلامیہ کا اعتماد حاصل کیا وہ سپرو کہلایا۔اس لفظ کے معنی ہیں وہ شخص جو سب سے پہلے پڑھنا شروع کر دے۔۔۔یہ نام کشمیر کے برہمنوں نے اپنے بھائی بندوں کو از راہِ تحقیر دیا تھا جنھوں نے قدیم رسوم و تعصّبات قومی و مذہبی کو چھوڑ کر سب سے پہلے اسلامی زبان اور علوم کو سیکھنا شروع کیا تھا۔''[۳۴]

یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال کے خاندان میں شروع ہی سے علم وفضل کی روشنی موجود تھی۔اقبال کے جد اعلیٰ بابا لول حج کا شمار کشمیر کے مشہور مشائخ میں ہوتا تھا۔جہاں تک شیخ نور محمد اور شیخ نتھو کا تعلق ہے اس حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر نے مستند دلیل کے حوالے سے واضح کیا ہے کہ شیخ نتھو اُن کا عرف تھا چونکہ پیدائش کے وقت نظرِ بد سے بچنے کے لیے اُن کے ناک میں نتھ ڈالی گئی تھی۔[۳۵]

کسی کا عرفی نام ہونا کوئی معیوب بات نہیں کہ جس کو ہدفِ تنقید بنایا جائے۔معترضین نے اقبال کی شخصیت کو مجروح کرنے کے لیے اُن پر ایک طوائف کے قتل کا الزام لگا دیا۔اقبال سنگھ نے الزام لگایا کہ اقبال نے ایک طوائف کا گلہ داب دیا تھا۔اگر اس کو بچانے کے لیے دو دلال نہ آتے تو وہ کوٹھے سے قبرستان پہنچ گئی ہوتی۔[۳۶]

اس حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

''اس معاملے میں ڈاکٹر رستوگی کا ماخذ اقبال سنگھ کا کوئی مضمون ہے۔رستوگی کا حوالہ نامکمل اور اصول تحقیق کی رو سے معتبر نہیں ہے۔''[۳۷]

معترضین نے جو الزام عائد کیا ہے اس کی رو سے بھی قتل تو کہیں ثابت نہیں ہے صرف الزام یہ ہے کہ طوائف کا گلا داب دیا تھا اور دو اشخاص نے اُسے بچا لیا۔پھر قتل کا الزام کیسے؟ اگر ایسا ہوتا تو کوئی رپورٹ درج ہوتی، اُس دور کے اخبارات میں اس کی تشہیر ہوتی مگر ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوا۔دراصل معترضین نے علامہ اقبال کا تعلق طوائفوں سے جوڑنے کے لیے یہ الزام اُن پر عائد کر دیا۔اسی طرح مخالفینِ اقبال نے علامہ اقبال پر شراب نوشی کا الزام بھی عائد کیا۔صوفی غلام مصطفےٰ تبسم اور عبدالمجید سالک نے یہ دعویٰ کیا کہ کسی زمانے میں اقبال شراب پیتے تھے مگر بعد میں اُنھوں نے شراب نوشی ترک کر دی۔[۳۸]

ڈاکٹر ایوب صابر نے مستند حوالوں سے اس بات کی تردید کی ہے کہ اقبال شراب پیتے تھے اور ان دلائل میں کسی قسم کی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔حقیقت بھی یہی ہے اقبال عشقِ رسول سے سرشار تھے۔مے عشقِ مصطفٰے میں غرق شخص کے سامنے حرام شراب کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔شعرا میں سے جن لوگوں نے شراب نوشی کی ہے اُن کے بارے میں واضح اور پکے ثبوت سب کے سامنے ہیں جبکہ اقبال کے حوالے سے اُن کے احباب میں سے کسی نے بھی اقبال کی شراب نوشی کے حوالے سے کبھی کوئی بات نہیں کی۔

معترضینِ اقبال نے اقبال کی شخصیت کے انہدام کے لیے اقبال کے معاشقوں اور رنگ رلیوں کا ذکر بڑی شدو مد سے کیا ہے۔اقبال کے معاشقوں اور رنگ رلیوں کے حوالے سے معترضین نے جو الزامات لگائے ہیں اُن کا لُب لباب مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

اقبال جوانی میں رنگ رلیوں کے لیے مشہور تھے۔اقبال طوائفوں کے ہاں کثرت سے جایا کرتے تھے۔اقبال نے امیر،عطیہ اور ویگے ناست کے ساتھ عشق کیا۔اقبال کو عشق ومحبت میں ناکامی ہوئی اور مختلف عورتوں نے اُن کے ساتھ بے وفائی کی۔اقبال نے دوسری عورتوں کے ساتھ معاشقے کی وجہ سے اپنی وفا شعار بیوی کے ساتھ بے وفائی کی وغیرہ۔

اصل بات یہ ہے کہ اقبال ایک انسان تھے ایک خوبرو نوجوان تھے۔اُن کے سینے میں بھی دل دھڑکتا تھا اور بدن میں گرم خون گردش کرتا تھا اُن سے یہ اُمید کرنا کہ وہ فرشتہ تھے فضول ہے۔معترضین یہ بھول جاتے ہیں کہ اگر اقبال کی زندگی معاشقوں اور رنگ رلیوں میں گزری ہوئی ہوتی تو انجمنِ حمایت اسلام کے جلسوں میں اقبال کی آمد پر پنڈال اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں سے نہ گونج اُٹھتا۔اگر چہ یہ درست ہے کہ اقبال ابتدائی عمر میں گانا سنتے تھے مگر گانا سننا کوئی معیوب بات نہیں ہے۔عبدالمجید سالک نے اقبال کی رنگ رلیوں کے حوالے سے جو الزامات اقبال پر عائد کیے ہیں اُن کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''سالک کا ذہن "ترک موالاتی تھا" اسی باعث "سرکار کی دہلیز پر سر ہو گے اقبال" کہا سالک کچھ شاعر تھے اور زیادہ صحافی تھے۔لیکن محقق نہ تھے۔بغیر کسی سند کے اقبال کو بٹیر باز کہہ دیا۔نیز امیر کے ضمن میں غلط قصہ شورش کشمیری سے بیان کیا جس کی کوئی سند نہیں ہے۔''[۴۰]

علامہ اقبال نے تین شادیاں کی تھیں۔اقبال کی پہلی شادی کریم بی سے ۱۸۹۳ میں ہوئی۔اُن کی یہ شادی بزرگوں نے

طے کی تھی۔شادی کے وقت بمطابق مروجہ تاریخِ پیدائش اقبال کی عمر سولہ برس تھی۔اُنھوں نے بزرگوں کے احترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے شادی سے انکار نہ کیا۔مگر بعد کی تحریروں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اس شادی سے ناخوش تھے۔اقبال اُس دور میں چونکہ طالب علم تھے۔حصول علم کے لیے لاہور منتقل ہوئے اور ہوسٹل میں قیام پذیر رہے۔ملازمت لاہور کے دوران بھاٹی دروازے والے مکان میں کریم بی نے بھی اُن کے ساتھ قیام کیا۔۱۸۹۸ میں علامہ اقبال کے بیٹے آفتاب اقبال کی ولادت ہوئی۔اقبال اور کریم بی کی ذہنی میلانات میں شروع ہی سے ہم آہنگی نہیں پائی جاتی تھی آہستہ آہستہ کشیدگی بڑھتی گی۔اس کشیدگی کہ وہ اسباب ومحرکات نہیں تھے جو معترضین نے پیش کیے ہیں۔آخر کار نوبت طلاق تک پہنچ گی مگر والدہِ آفتاب طلاق پر راضی نہ ہوئیں۔چناں چہ طے ہوا کہ اقبال ہر مہینے خرچہ ادا کریں گے۔اقبال نے آخر تک ہر مہینے طے شدہ خرچہ ادا کیا۔بچے ابھی چھوٹے تھے اور والدہ کے ساتھ ہی رہے۔معراج بی بی تو فوت ہوگیں مگر آفتاب اقبال بہک گے۔لوگوں نے آفتاب اقبال کو ساتھ ملا کر اقبال کے خلاف ایک محاذ قائم کرلیا اور اقبال کی شخصیت پر طرح طرح کے الزامات اس حوالے سے عائد کیے۔اس حوالے سے اقبال پر الزامات کی پوری پوری کتابیں لکھی گئیں۔علامہ اقبال اور اُن کی پہلی بیوئی از حامد جلالی اس سلسلے میں سر فہرست ہے۔معترضین نے الزام لگایا کہ اقبال نے پہلی بیوی کو نہ طلاق دی اور نہ حق مہر دیا۔آفتاب اقبال کو حق وراثت سے محروم کر دیا۔علامہ اقبال ظالم اور غاصب تھے وغیرہ۔ڈاکٹر ایوب صابر نے ان الزامات کو تحقیقی انداز میں غلط ثابت کیا اور دلائل کے ساتھ اصل حقائق کو واضح کر کے آفتاب اقبال کے اصل چہرے کو بے نقاب کیا۔حقیقت میں آفتاب اقبال اپنے والد کے انہدام کے لیے خود لوگوں سے کتابیں لکھواتے تھے اور بیگم رشیدہ آفتاب بھی اس مہم میں باقاعدہ شریک تھیں۔جب ڈاکٹر ایوب صابر نے اس مسئلے پر تحقیقی بحث کی تو بیگم آفتاب اقبال سیخ پا ہوگئی اور ڈاکٹر ایوب صابر کے خلاف ذاتیات پر اُتر آہیں۔بیگم صاحبہ نے ڈاکٹر ایوب صابر کے خلاف نازیبا زبان استعمال کی ہے۔ڈاکٹر صاحب اگرچہ بیگم آفتاب اقبال کو جواب دینا چاہتے تھے مگر مشفق خواجہ کے کہنے پر اُنھوں نے جواب نہیں دیا۔اس حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''بیگم صاحبہ نے راقم کے خلاف وہی حربے استعمال کیے ہیں جو اُن کے شوہر اپنے والد کے خلاف استعمال کرتے تھے۔ان لوگوں کے نزدیک اچھائی اور بُرائی کا ایک ہی معیار ہے جو علامہ اقبال کو غلط اور آفتاب اقبال کو صحیح قرار دے وہ اچھا ہے اور جو آفتاب اقبال کے کرتوتوں کی نشاندہی کرے اور علامہ اقبال کا جائز دفاع کرے وہ

بُرا ہے۔راقم نے جو آفتاب کی جو تصویر پیش کی ہے وہ بدنما ہے لیکن اصلی ہے۔جو تصویر آفتاب نے اور رشیدہ بیگم نے بنائی ہے وہ خوش نما تو ہے لیکن اصلی نہیں ہے۔علامہ اقبال کو گندے اور غلیظ خط لکھ کر ذہنی اذیت سے دوچار کرنے والے اور اُن کے خلاف الزام تراشی اور پروپیگنڈے کو روا رکھنے والے اُن کے وارث بنے پر تلے ہوئے ہیں۔''[۴۱]

حقیقت بھی یہ ہی ہے کہ اقبال اور اُن کی پہلی بیوی کے حوالے سے جو بھی اعتراضات ہوئے ہیں اور اس جن اشخاص نے بھی کیے اُن کے پسِ منظر میں آفتاب اقبال کا ہاتھ ہے۔آفتاب اقبال اور اُن کی اہلیہ نے پیسے دے کر حامد جلالی سے اپنے والد کے خلاف ایک جھوٹی کتاب لکھوائی جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ علامہ اقبال کو ظالم اور غاصب اور اپنے آپ کو مظلوم اور علامہ اقبال کا حقیقی جانشین ثابت کیا جاسکے۔جو کہ صرف اُن کی خام خیالی ہے۔

۱۹۲۳ میں حکومتِ برطانیہ کی طرف سے علامہ اقبال کو سر کا خطاب ملا۔تاریخی شواہد موجود ہیں کہ اقبال نے اس خطاب کے حصول کے لیے ذاتی طور پر کسی قسم کی کوئی جدوجہد نہیں کی۔حکومت نے علامہ اقبال کی عالمگیر شہرت اور آپ کے وہ علمی و ادبی کارنامے جن سے یورپ و امریکا بھی مرغوب تھا، اُن خدمات کے عوض خود "سر" کا خطاب دینے کی پیش کش کی۔مگر معترضین نے علامہ اقبال کو سر کا خطاب ملنا بھی ناگوار گزرا اور اپنی روایتی دشمنی اور حسد و رقابت کے جذبات کے تحت علامہ اقبال پر اعتراضات کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ ہندوؤں، ہندی قوم پرست مسلمانوں ،قادیانیوں اور اقبال کے دوسرے مخالفین نے علامہ اقبال کو خطاب ملنے پر اعتراضات کا جو سلسلہ شروع کیا اُس کی بازگشت آج تک سنائی دی جا رہی ہے۔اقبال پر اعتراض کیا گیا کہ وہ انگریزوں کا کاسہ لیس ہیں اور اُنھیں یہ خطاب سابقہ اور آئندہ سیاسی خدمات کے صلے میں ملا ہے۔

علامہ اقبال کی ۱۹۲۳ سے پہلے کی زندگی اور اس کے بعد کی زندگی ہر کسی کے سامنے عیاں ہے۔نہ ہی تو اقبال نے سر کا خطاب ملنے سے پہلے انگریزوں سے وفاداری کی اور نہ خطاب ملنے کے بعد اُن کی کاسہ لیسی۔حیرت اس بات کی ہے کہ معترضین کن دلائل کی بنیاد پر اُن کے خطاب کو "غداری کا صلہ" قرار دیتے ہیں۔اس حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

''اقبال نے خطاب کے لیے خود خواہش نہیں کی تھی۔دوسرے لوگوں کی طرح دوڑ

ڈھوپ بھی نہیں کی بلکہ خطاب کی پیش کش کو ردو قدح کے بعد قبول کیا۔ ان کے نزدیک اعزازات کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ اقبال مغرب کے بہت بڑے ناقد تھے۔ خطاب ملنے کے بعد اس تنقید میں اضافہ ہوا۔''[۴۲]

حقیقت بھی یہ ہی ہے کہ خطاب ملنے کے بعد اقبال کی شاعری اور نثر میں انگریزی حکومت اور مغربی تہذیب کے خلاف تنقید پہلے کی نسبت زیادہ ہوئی ہے۔ ہندی متحدہ قومیت کے نقطہ نظر سے اقبال کو موردالزام ٹھہرایا گیا۔ اقبال کے نقطہ نظر سے ہندی متحدہ قومیت کی تحریک ہی غلط تھی۔ اس تحریک کا ساتھ دینا الگ مسلم ریاست کے قیام کی راہ روکنا تھا۔ اس وجہ سے اقبال نے اس تحریک کا ساتھ نہیں دیا اور یہ ہی بات معترضین کو کھٹک رہی تھی۔

خوبیاں اور خامیاں دنیا کی ہر چیز میں پائی جاتی ہیں نہ کوئی چیز مکمل طور پر خامیوں کا مرکب ہوتی ہے اور نہ ہی خوبیوں کا۔ مغرب میں خوبیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی۔ تہذیبی نقطہ نظر سے اقبال کی نظر مغرب کے حوالے سے اُس کی خوبیوں اور خامیوں دونوں پر رہی۔ اقبال کو مغرب کی جس چیز پر سب سے زیادہ اعتراض تھا وہ مغرب کا استعماری کردار تھا۔ اقبال نے مغرب کے اس کردار پر زبردست تنقید کی ہے۔ اُن کی یہ ہی تنقید معترضین کے نزدیک مغرب دشمنی پر مبنی ہے۔ معترضین نے الزام عائد کیا کہ اقبال کو مغربی تہذیب میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ اُنھیں مغربی تہذیب کے اندر باہر ہر جگہ فساد ہی فساد نظر آتا ہے۔ اُن کی نظر میں مغرب کی ترقی کی کوئی قدر نہیں اور وہ اس سے جلتے ہیں۔ اس قسم کے اور بہت سے اعتراضات مغرب دشمنی کے حوالے سے اقبال پر عائد کیے گئے۔

معترضین کی یہ رائے کہ اقبال کو مغربی تہذیب کے اندر اور باہر فساد ہی فساد نظر آتا ہے واضح غلطی پر مبنی ہے۔ اس تہذیت کی جو اچھی باتیں ہیں اقبال نے اُن کو سراہا ہے اقبال مغرب کی خامیوں کے ساتھ ساتھ اُس کی خوبیوں سے بھی واقف تھے۔ اس وجہ سے تو وہ کہہ رہے ہیں۔

فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا
افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند[۴۳]

اقبال نے صرف مغرب کا استعماری کردار، ہوس زر، سرمایہ دارانہ نظام، ظاہری چمک و دمک اور کسی ضابطہ اخلاق کے نہ ہونے کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو مغربی تہذیب بُری نہیں ہے۔ خامیاں مشرق و

مغرب دونوں میں پائی جاتی ہیں۔ مغرب میں صرف اصولِ دین نہیں ہیں باقی بہت سی باتوں میں مغرب اس وقت مشرق سے بہتر ہے۔ اور اقبال نے بھی مکمل طور پر مغربی تہذیب کو مسترد نہیں کیا۔ وہ اس کی خوبیوں کو اپنانے کے تلقین کرتے ہیں۔ اقبال کی مغرب دشمنی کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر نے واضح بات کی ہے:

> ''تنقید اقبال کا ہدف اولاً صرف مغرب نہیں۔ مشرق بھی ہے۔ وہ دونوں کی شام کو سحر کرنے کے متمنی ہیں ۔ ثانیاً اقبال کی تنقید مغرب میں کمال درجے کا توازن ہے توازن بھی ہے اور نکتہ رسی بھی۔ اس اعتبار سے کوئی دوسرا مفکر یا دانش ور اقبال کے مقابلے پر نہیں لایا جاسکتا۔''[۴۴]

معترضین کی ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ وہ اقبال کے انہدام کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ انھوں نے اقبال کی شخصیت اور افکار کو مختلف خانوں میں منقسم کر کے اُن میں تضاد ظاہر کرنے کی سر توڑ کوشش کی۔ عتیق صدیقی کے نزدیک اقبال کے فکر و عمل میں تضاد تھا۔ اُن کے افکار کی اُن کے عمل سے مطابقت نہیں ہے۔ عمل کے لحاظ سے وہ انگریزوں کے دوست تھے۔ اُنھوں نے مزید الزام عائد کیا ہے کہ اقبال کی شاعری اور اُن کی زندگی میں تضاد ہے۔ اُن کی عملی زندگی اُن کی شاعری کے بالکل برعکس ہے۔ وہ طرز رہن سہن میں انگریزی طرز بود و باش سے متاثر تھے ۔ اس طرح کے مختلف اعتراضات دوسرے معترضین نے بھی اقبال کے تضادِ فکر و عمل کے حوالے سے کیے ہیں۔ معترضین کے نزدیک جیل نہ جانا، خطاب قبول کرنا، پنجاب کونسل کی ممبری، سائمن کمیشن سے تعاون اور گول میز کانفرنس میں شرکت ایسے اعمال تھے جو قابل گرفت ہیں اور غلط ہیں۔ معلوم نہیں کہ معترضین نے جیل جانے کو حق و باطل اور حبِ وطنی کا معیار کیوں قرار دیا۔ کیا صرف وہی شخص سچا راہ نما ہوتا ہے جو جیل جائے؟ علامہ اقبال مسلمانوں کو اتحاد اور عمل کی تعلیم دے رہے تھے۔ اقبال نے مسلمانوں کو اسلامی نشاۃِ ثانیہ کی راہ دکھائی۔ یہ راہ انگریز دوستی کی نہیں تھی۔ اقبال نہ صرف برصغیر بلکہ پوری دنیا میں مسلمانوں کی برتری چاہتے تھے۔ انگریزوں نے انگریز دشمنی کی وجہ سے کسی راہ نما چاہے وہ کتنا ہی عرصہ جیل میں کیوں نہ رہا ہو کو "خونی ستارہ" قرار نہیں دیا بلکہ انگریز دانش ور اقبال کو خونی ستارہ سمجھتے تھے۔ انگریزوں نے خود اقبال کے بارے میں کہا ہے۔ جو کہ اُن کی طرف سے الزام مگر مبنی بر حقیقت بات ہے کہ اقبال عالمِ اسلام کو متحد کرنا چاہتے ہیں۔ ڈکنسن نے بڑی واضح بات کی ہے:

> ''اگر عالمِ اسلام متحد اور مسلم ہو گیا وہ دنیا کو یا تو فتح کرے گا اور یا اس کوشش میں

ناکام ہو جائے گا۔''[۴۵]

خطاب قبول کر کے اقبال نے کوئی غلطی نہیں کی معترضین کو جس بات کا ڈر تھا وہ پوری نہیں ہوئی اور اقبال اپنے اعمال و افکار میں سیدھے راستے پر قائم رہے۔ معترضین کے الزامات کے رد میں جو اُنھوں نے اقبال کی ممبری وغیرہ کے حوالے سے لگائے ہیں اس بارے میں ڈاکٹر ایوب صابر نے بڑی واضح بات کی ہے:

''کونسل کا ممبر بننا اقبال ہی کے ضمن میں قابلِ اعتراض کیوں؟ اقبال کا صوبائی کونسل میں جانا عملی سیاست میں اُترنے کے مترادف تھا۔اس کا فائدہ ہوا ہے۔اس لیے کہ خطبہ الہٰ آباد بھی اسی میدان کا معرکہ اور سائمن کمیشن سے تعاون مسلم مفاد کے تحت تھا۔''[۴۶]

حقیقت بھی یہ ہی ہے کہ ہندوستانی راہ نماؤں نے سائمن کمیشن کا مقاطعہ صرف اس وجہ سے کیا تھا کہ اس کمیشن میں کسی ہندوستانی کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔اس وقت ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلم مطالبات کو واضح طور پر کمیشن کے سامنے پیش کیا جائے کیونکہ ہندو راہ نما کسی بھی صورت میں مسلمانوں کے مطالبات کو پیش نہیں کر سکتے تھے۔ان حالات کے پیش نظر علامہ اقبال نے سائمن کمیشن کا ساتھ دیا اور یہ بات معترضین کو ناگوار گزری۔علامہ اقبال کا یہ اقدام انگریز دوستی پر مبنی نہیں تھا بلکہ مسلم دوستی اور راہ نمائی کا عملی ثبوت تھا۔

اقبال کی شخصیت اور فکر کے انہدام کے حوالے سے ترقی پسند مصنفین نے بھرپور کردار ادا کیا۔اُنھوں نے اقبال کی شاعری کو خیالی قرار دیا اور اس بات کا خدشہ ظاہر کیا کہ ایسی خیالی شاعری انسان کو بے عملی کی طرف لے جاتی ہے۔اقبال نہ تو خود بے عمل انسان تھے اور نہ ہی اُن کی شاعری بے عملی کی طرف لے جاتی ہے۔اقبال کی ابتدائی زندگی سے لے کر وفات تک کی زندگی جدوجہد اور سعی وکوشش کی عملی مثال ہے۔اُنھوں نے جامد زندگی بسر نہیں کی ذہنی تفکر جسمانی مشقت سے زیادہ مشکل اور ارفع ہے۔اقبال کا سب سے عظیم عمل اُن کا تفکر ہے۔اُنھوں نے لاکھوں افراد کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ڈاکٹر اسرار احمد نے بڑی درست بات کی ہے:

''حضرت علامہ ہمیں وہ فکر دے گے جو اُس دور کے لاکھوں نہیں کروڑوں "باعمل" لوگ بھی نہیں دے سکتے تھے۔''[۴۷]

ڈاکٹر ایوب صابر نے بھی اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اقبال آخر دم تک سرگرم انسان تھے۔وہ ایک سچے عاشقِ رسول تھے اور عشق رسول دین کی شرط اول ہے۔جو انسان لاکھوں دلوں کو گرمائے اُن میں جذبہ حریت، سعی و عمل اور اعلیٰ انسانی اخلاقی اقدار کی تبلیغ کرے وہ خود کیسے بے عمل ہو سکتا ہے اور اس کی شاعری کیسے خیالی ہو سکتی ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر ایک بلند پایہ مصنف اور نقاد ہیں۔اُنھوں نے ادب کی مختلف اصناف پر خامہ فرسائی کی ہے۔ دیگر اصناف کے ساتھ ساتھ اقبالیات پر بھی اُن کا خاصا کام ہے۔اقبال کے حوالے سے اُنھوں نے فکرِ اقبال کے منور گوشے، اقبال کا ادبی نصب العین، علامہ اقبال ،حیات فکرو فن، اقبالیات کے نقوش،اقبال ممدوحِ عالم، اقبال شعاع صد رنگ، ایران میں اقبال شناسی کی روایت،فکرِ اقبال کا تعارف، اقبال کی فکری میراث، اقبال اور ہمارے فکری رویے ،اقبال شخصیت افکار و تصورات، اقبال کا نفسیاتی مطالعہ اور شرح ار معان حجاز جیسی مبسوط کتب مرتب اور تحریر کی ہیں۔ان کتب کے علاوہ اقبال کے حوالے سے بیسیوں مضامین بھی مختلف مجلّات میں شائع ہو چکے ہیں ڈاکٹر سلیم اختر کی متذکرہ بالا کتابوں میں سے اُن کی کتاب اقبال کا نفسیاتی مطالعہ کو متنازعہ کتاب کہا گیا ہے۔اس کتاب میں مختلف مضامین ہیں۔اور کتاب کا پہلا مضمون "اقبال کا نفسیاتی مطالعہ" ہے جو کتاب کا نام بھی ہے۔کسی بھی شخصیت کا نفسیاتی مطالعہ اُس شخصیت کے تاریک گوشوں کو عیاں کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ڈاکٹر سلیم اختر کے اس مضمون سے جو نتائج اخذ کیے گئے ہیں وہ اس طرح ہیں کہ شبلی اور اقبال عطیہ سے متاثر ہوئے۔ڈاکٹر سلیم اختر کی اس بات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔مگر دونوں کے متاثر ہونے کی نوعیت مختلف تھی۔اقبال عطیہ سے شادی کرنا چاہتے تھے۔لیکن ایسا نہ کر سکے۔سلیم اختر کی یہ بات مبنی بر حقیقت نہیں ہے اور نہ ہی اس کا تاریخی ثبوت میسر ہے اس بات کی حیثیت مفروضے سے زیادہ نہیں۔کیا اقبال کے سر پر کوئی عورت سوار تھی؟ اس بات کا جواب ہاں میں بھی ہے اور نہیں میں بھی۔ڈاکٹر سلیم اختر کے بارے میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

> ''جو نتائج اقبال کی تحلیل نفسی کے دعویٰ کے ساتھ کیے گئے ہیں اُس سے نہ تحلیل نفسی کا معیار قائم ہوا اور نہ سلیم اختر کا۔موصوف نے دیباچے میں اقبال پر بے معنی مقالات لکھنے کی مخالفت کی ہے اس طرح کی ''افراطِ اقبالیات'' کو ناپسند کیا ہے جبکہ خود ''فضولیاتِ اقبال'' میں اضافہ کیا ہے۔''[۴۸]

یہاں ڈاکٹر ایوب صابر نے ڈاکٹر سلیم اختر کے اقبالیاتی سرمایہ کو فضولیاتِ اقبال میں شمار کیا ہے جو کہ درست نہیں۔ صرف ایک مضمون کی بنیاد پر ہم ڈاکٹر سلیم اختر کو معترضین اقبال نہیں قرار دے سکتے اور نہ ہی اُن کی یہ کوشش انہدام اقبال کی ہے۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر سلیم اختر کا یہ مضمون اقبال کی مکمل تحلیل نفسی نہیں ہے۔ بس صرف اس مضمون کی وجہ سے ہم ڈاکٹر سلیم اختر کی دیگر کتب جو اقبالیاتی ادب میں مستند مانی جاتی ہیں کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے اپنے ایک طریقہ کار کے مطابق تحلیلِ نفسی اور اقبال کے حوالے سے ایک مضمون لکھا ہے اگر چہ اُس میں فروگذاشتیں بھی ہیں چونکہ وہ مکمل تحلیل نفسی نہیں ہے لہذا اس مضمون کی حیثیت ڈاکٹر سلیم اختر کی دیگر کُتب کے سامنے معمولی سی ہے اور ہم مکمل طور پر ڈاکٹر سلیم اختر کے کام کو فضولیاتِ اقبال نہیں کہہ سکتے۔

علامہ اقبال پر فنی اعتراضات اور ڈاکٹر ایوب صابر

جس طرح معترضین اقبال نے اقبال کی شخصیت کے انہدام کے لیے مختلف حربے استعمال کیے جن میں اقبال کی شخصیت پر اعتراض، افکار پر اعتراضات اور نظریات پر اعتراضات شامل ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر ایوب صابر نے بھی ہر حوالے سے اُن الزامات کا جائزہ لیا جو انہدام اقبال کے حوالے سے لگائے گے تھے۔ اقبال شناسی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال پر سب سے پہلے جو الزامات لگائے گے وہ فن اور زبان و بیان کے حوالے سے تھے۔ اقبال پر زبان و بیان اور فن کے حوالے سے اہل زبان نے پہل کی۔ علامہ اقبال پر زبان اور فن کے حوالے سے معترضین نے جو الزامات عائد کیے اُن کی جانچ پرکھ کے لیے ڈاکٹر ایوب صابر نے علامہ اقبال پر فنی اعتراضات ایک جائزہ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں اُنھوں نے اُن تمام الزامات کا جائزہ لیا ہے جو زبان وفن کے حوالے سے علامہ اقبال پر لگائے گے تھے۔ اُنھوں نے نہ صرف الزامات کا جائزہ لیا ہے بلکہ ان الزامات کے پیچھے کارفرما نفسیاتی عوامل، اسباب اور محرکات کا بھی تحقیقی انداز میں جائزہ لیا ہے۔

اُردو کے معیار کے حوالے سے اہل لکھنؤ اور اہل دہلی کو سند کا درجہ حاصل ہے۔ اہلِ لکھنؤ اور اہل دہلی ہمیشہ سے اس زعم میں مبتلا رہے ہیں کہ زبان کی سند کے حوالے سے اُن کی حیثیت برتر ہے۔ علامہ اقبال کا تعلق نہ تو لکھنؤ سے تھا اور نہ ہی دہلی سے۔ جب پنجاب سے ایک نئی اور جاندار آواز اُبھری تو اہل لکھنؤ اور اہل دہلی کو یہ آواز ناگوار گزری۔ کیوں کہ یہ آواز اتنی جاندار تھی کہ اہل لکھنؤ اور اہل دہلی اہل زبان ہونے کے بے جا فخر کو ختم کر سکتی تھی۔ ویسے بھی زبان نہ تو کسی کے گھر کی باندی ہوتی ہے اور نہ ہی کسی مخصوص علاقے یا لوگوں کے گروہ کی اجارہ داری ہوتی ہے۔

مگر اہل زبان حضرات اس فخر میں ہمیشہ مبتلا رہے ہیں۔زبان اورفن کے حوالے سے بحث کرنا کوئی غلط بات نہیں۔فن میں کوتائیاں بھی ہوسکتی ہیں۔مگر جب ہم کسی کی زبان اورفن میں سے صرف اس وجہ سے خامیاں تلاش کریں کہ ہمارے ایسا کرنے سے اُس کی حیثیت کم ہوگی تو یہ محض خام خیالی ہے۔زبان اورفن کے حوالے سے الزامات کی ابتدا علامہ اقبال کی زندگی ہی میں شروع ہوگی تھی۔اقبال پرفنی اعتراضات کی ابتدا۱۹۰۲ سے ہوتی ہے اور مختلف مواقع پر علامہ اقبال نے بذات خود بھی ان الزامات کے جوابات دیے ہیں۔۱۹۰۳ میں حکیم عبدالکریم برہم نے اعتراض کیا کہ جب سے علامہ اقبال کی نظمیں رسالہ مخزن میں شائع ہونی شروع ہوئی ہیں اُس وقت سے اہل پنجاب کا دماغ سر پر چڑھ گیا ہے۔اس مضمون میں حکیم برہم نے علامہ اقبال اورخوشی محمد ناظر کے اشعار پر روزمرہ اور محاورے کے حوالے سے اعتراضات کیے۔[۴۹]

بانگِ درا اور بالِ جبریل کی اشاعت کے بعد اقبال کی زبان پر اعتراضات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔جوش ملیسانی نے ایک طویل مضمون اقبال کی خامیوں کے حوالے سے تحریر کیا۔برکت علی گوشہ نشین نے خادمانہ تبدیلیاں اور مودبانہ تبدیلیاں کے عنوان سے اقبال کی شاعری پرلسانی اعتراضات کیے۔سیماب اکبرآبادی نے علامہ اقبال کے ایک شعر پر یوں اعتراض کیا ہے۔علامہ اقبال کا شعر ہے۔

روزِ حساب جب مرا پیش ہو دفترِ عمل
آپ بھی شرمسار ہو، مجھ کو بھی شرمسار کر[۵۰]

بمطابق سیماب اکبرآبادی یہ شعر یوں ہونا چاہیے۔

حشر میں دفترِ عمل پیش ہے اس کو دیکھ کر
آپ بھی شرمسار ہو،مجھ کو بھی شرمسار کر [۵۱]

سیماب اکبرآبادی نے اس شعر کے حوالے سے اعتراضات کیے ہیں کہ ردیف" کر"صیغہ امر ہے اور امر کا تعلق زمانہ حال سے ہوتا ہے۔سراج لکھنوی نے سیماب اکبرآبادی کی اس دلیل کو غلط قرار دیا ہے کہ امر کا تعلق حال سے ہوتا ہے۔نمونے کے طور پر دونوں کے شعر درج ہیں۔سیماب اکبرآبادی کا شعر پڑھنے سے عام قاری کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ شعر کے اندر کسی قسم کی نغمگی،موسیقیت اور اثر اندازی کی صلاحیت نہیں پائی جاتی۔اقبال پر زبان و بیان کے

حوالے سے لگائے گئے اعتراضات کی تردید میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

''اقبال کے اہل زبان معترضین تا دیر اس معجزۂ فکر و فن کا ادراک نہ کر سکے۔ اگر چہ اقبال شعری صنعت گری کو حیات انسانی کے تابع رکھتے ہیں۔ تاہم اُن کا اُسلوب شعر گوئی پر اثر سحر آفرین ہے۔ اقبال کی زبان اور اُن کی فکر سے ہم آہنگ اور اعلیٰ و ارفع ہے۔ لیکن معترضین جب اقبال کی زبان کو بزعمِ خود درست کرتے ہیں تو معجزۂ فن قائم نہیں رہ سکتا اور اقبال کی زبان اہلِ زبان کی سطح پر آجاتی ہے جو قواعد سے واقف ہیں لیکن زبان کے تخلیقی استعمال سے ناواقف تھے۔''[۵۲]

ڈاکٹر ایوب صابر نے اس حوالے سے واضح کیا ہے کہ اقبال کی شاعری ایک واضح نصب العین کی حامل تھی وہ الفاظ کے گورکھ دھندے میں نہیں اُلجھے۔ اُن کی زیادہ توجہ خیال پر تھی نہ کہ الفاظ پر۔ اہلِ زبان نے جو الزامات عائد کیے ہیں اُن کے پس منظر میں اُن کا صوبائی تعصب اور کم نظری کارفرما ہے کبھی بھی اہل لکھنؤ اور اہل دہلی محاورہ، تذکیر و تانیث اور روزمرہ کے حوالے سے اہل پنجاب کو سند کا درجہ دینے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ اُنھوں نے واضح کیا ہے کہ اہل زبان کا فطری لگاؤ عہد تنزل کی شاعری سے تھا۔ وہ شاعری میں صرف عشق و عاشقی کے قصے اور ہجر و وصال کی داستانیں سننے کے عادی تھے۔ اُن کے کان کسی نئی آواز کو سننے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ اُن کے نزدیک صرف وہی مانوس تراکیب تھی جو عرصہ سے رائج تھی وہ اقبال کی نئی اور انوکھی تراکیب کو سمجھنے کے قابل نہیں تھے۔ علامہ اقبال کی زبان و بیان کی پرکھ کے لیے ڈاکٹر ایوب صابر نے چند اصول وضع کیے ہیں۔

☆ روزمرہ، محاورہ اور امورِ قواعد کی رو سے کلامِ اقبال کو پرکھنا پرانا طریقہ ہے۔ اس سے اقبال کے ترقی یافتہ فن کا ادراک نہیں ہوسکتا۔

☆ اقبال نے فارسی اور اُردو شاعری کی بنیادی روایات سے انحراف نہیں کیا مگر اُنھوں نے اپنے فکری سرمایے کو پیکر شعر میں ڈھالتے ہوئے مروجہ اصطلاحات کو نئے معانی عطا کیے ہیں۔

☆ اقبال کا فن اتنا ترقی یافتہ ہے کہ روایتی تنقیدی اصطلاحات اُن کے فن کا مکمل طور پر احاطہ نہیں کرسکتی۔

☆ بڑی شاعری کی یہ بنیادی خوبی اور وصف ہے کہ وہ اپنا ڈھانچا خود مرتب کرتی ہے۔ اس کی سند اساتذہ ماقبل

کے ہاں تلاش کرنا، یا پھر اُن اصولوں پر اصرار کرنا جو اساتذہ ماقبل نے مرتب کیے ہیں، لسانی شعور و آگہی کے خلاف ہے۔[۵۳]

حقیقت بھی یہ ہے کہ ہم اقبال کے فکر و فن کا تجزیہ مروجہ روایتی تنقیدی اصولوں کے تحت نہیں کر سکتے۔۱۹۰۲ میں جب اقبال پر فنی اور لسانی اعتراضات کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ اُن کی نومشقی کا زمانہ تھا۔ابتدائی زمانے میں ہر کسی سے غلطیاں ہوتی ہیں۔جن جن لوگوں نے اس حوالے سے اقبال پر الزامات لگائے ہیں اُن میں سے بھی زیادہ تر شاعر تھے اگر اُن کے کلام کو دیکھا جائے تو ایسی تمام اَغلاط اُن کے اپنے کلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔شاعری صرف زبان، محاورات اور روزمرہ کا نام نہیں ہے۔اقبال نے کبھی بھی اپنے آپ کو شعرا میں شمار نہیں کیا اور اُنھوں نے خود واضح کیا ہے کہ اُن کے معیار تنقید نگاروں کے عام ادبی معیاروں سے مختلف ہے اور اُن کے کلام میں شاعری کو صرف ثانوی حیثیت ہے۔رہی اغلاط کی بات تو معترضین کسی بھی ایسے شاعر کا نام نہیں دے سکیں گے جن کا کلام ہر قسم کی اغلاط سے پاک ہو۔اس حوالے سے شمس الرحمان فاروقی لکھتے ہیں:

> ''میر انیسؔ، میر دردؔ، مومنؔ، داغؔ ان سب کے ہاں مذکر مونث، محاورہ، تلفظ اور معنی کی غلطیاں ملتی ہیں۔''[۵۴]

اقبال کے فن کے حوالے سے معترضین نے اُن پر تذکیر و تانیث "اختلافِ لغت" "اختلالِ الفاظ خرابی بندش، تقدیم و تاخیر، بے جا ضرورت الفاظ اور حشو زوائد، فارسیت، سرقہ، متروکات کا استعمال، بے ربطیِ کلام اور معنوی لغزشیں وغیرہ کا الزام عائد کیا۔اس طرح کے تمام الزامات جو زبان کے حوالے سے علامہ اقبال پر عائد کیے گئے اُن کی ابتدا جوش ملیسانی کی کتاب اقبال کی خامیاں سے ہوتی ہے۔جب علامہ اقبال کی کتاب بانگ درا شائع ہوئی تو مولانا تاجور نجیب آبادی نے اس کی ایک جلد جوش ملیسانی کو دی اور اُن سے کہا کہ اس میں پائی جانے والی لسانی اغلاط کی نشاندہی کریں۔جوش ملیسانی نے حضرت جراح کے نام سے قسط وار مضامین ہفتہ وار اخبار پارس میں شائع کیے۔بعد میں انہی مضامین کو اقبال کی خامیاں کے عنوان سے شائع کیا گیا۔کتاب کی وجہ اشاعت کے بارے میں کالی داس گپتا رضا لکھتے ہیں:

> ''قبلہ جوش ملیسانی کے مزاج میں فتنہ پروری نہ تھی وہ اُن مضامین کو بصد مشکل جراح کے فرضی نام سے شائع کرنے پر تیار ہوئے تھے۔اُنھیں کتابی شکل دینے پر

وہ کس طرح راضی ہو سکتے تھے۔ لیکن میں نے اُن کی اجازت کے بغیر ہی اس کتاب کو اقبال کی خامیاں کا نام دے کر چھاپ دیا۔۔۔جب اس کتاب کو علامہ اقبال نے دیکھا تو پیشانی پر بغیر کوئی بل لائے ہوئے فرمایا کہ جوش میرے خواجہ تاش ہیں میری طرف سے اُن کا شکریہ ادا کیجیے گا اور کہیے گا کہ میں اس کتاب سے استفادہ کروں گا۔''[۵۵]

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جوش ملیسانی کا مقصد کسی بھی طور پر انہدام اقبال نہیں تھا بلکہ اُنھوں نے تو صرف اپنے استاد مولانا تاجور نجیب آبادی کے کہنے پر اَسقام کی نشاندہی کی جس کا مقصد صرف زبان کی فہم وفراست تھی نہ کہ انہدامِ اقبال۔ کالی داس گپتا مزید لکھتے ہیں:

''اب زبان کے نظریے بدل چکے ہیں۔ ہوسکتا بعض باتیں آج قابل قبول نہ ہوں تو بھی کتاب چھاپی جارہی ہے۔ اس کے چھپنے سے نہ اُس وقت علامہ کی بلند قامتی میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے اور نہ اب ہونے والی ہے۔''[۵۶]

جوش ملیسانی نے علامہ اقبال کی نظم "طفلِ شیر خوار" کے ایک مصرع، کیا تماشا ہے ردی کاغذ سے من جاتا ہے تو پر اعتراض کیا ہے کہ "ردی" کی دال مشدد ہونی چاہیے اس کے جواب میں ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

''جہاں تک لفظ "ردی" یا "ردّی" (دال کی تشدید کے ساتھ) غلط العام ہے۔''[۵۷]

حقیقت میں معترضین نے اپنے اپنے ذہنی میلان اور رُجحان طبع کے مطابق اقبال پر لسانی اعتراضات کیے ہیں۔ ان اعتراضات کے پس منظر میں جو محرکات کارفرما تھے اُن میں سے سب سے زیادہ اہم یہ ہے کہ معترضین اقبال کے فنی اور لسانی شعور کا مکمل طور پر ادراک نہیں کر سکے۔ اقبال کی حیثیت الفاظ، محاورات، تذکیر و تانیث اور روز مرہ وغیرہ سے متعین نہیں ہوتی بلکہ اصل چیز اُن کے افکار اور ونظریات ہیں جن کے اظہار کے لیے اقبال نے شعری پیکر اختیار کیا۔ اقبال پر فنی اور لسانی اعتراضات کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر نے واضح کیا ہے کہ زبان کے حوالے سے الزام تراشیاں کرنا اہل دہلی اور اہل لکھنؤ کی سرشت میں شامل رہا ہے اور دونوں دبستانوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کبھی بھی اہل لکھنؤ اور اہل دہلی کسی بات پر متفق نہیں ہوئے۔ غلطیاں ہر کسی کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ غلطیوں سے ماورا کوئی بھی ادیب اور شاعر نہیں ہے۔ اقبال بھی لسانی غلطیوں سے ماورا نہیں ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر

نے بڑی واضح بات کی ہے:

''بڑے سے بڑے شاعر کے کلام میں کیڑے نکالنا چاہیں تو نکال سکتے ہیں۔ ہر بڑے شاعر کے ہاں کچھ فروگذاشتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن پر اعتراضات بجا بھی ہوتے ہیں۔کلام اقبال پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں اُن میں سے متعدد درست تھے۔خصوصاوہ جو اُس کے ابتدائی کلام پر کیے گئے۔تاہم اقبال کے فنی عیوب کثیر نہیں قلیل تھے۔''[۵۸]

اس بات سے ڈاکٹر ایوب صابر کے واضح تنقیدی شعور کا ادراک ہوتا ہے کہ اُنھوں نے ہر الزام کو تحقیقی کسوٹی پر پرکھا ہے۔ اُن کی آنکھوں پر جانب داری کی مہر ثبت نہیں ہے جو الزام درست ہے یا اقبال میں کوئی کمی نظر آتا ہے تو اُسے تسلیم کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کرتے۔

کلیم الدین احمد نے اقبال کی شاعری پر کافی اعتراضات کیے ہیں۔ اُنھوں نے انہدام اقبال کے لیے پوری کتاب اقبال ایک مطالعہ لکھی۔اس کتاب میں کلیم الدین احمد نے اقبال پر طرح طرح کے الزامات عائد کیے۔کلیم الدین احمد کے نزدیک اقبال کی شاعری میں شعریت کی بہت زیادہ کمی پائی جاتی ہے۔"خضرِ راہ" میں کسی قسم کا ربط اور تسلسل نہیں پایا جاتا۔اُن کے نزدیک اقبال کی طویل نظمیں شاعری نہیں بلکہ خطابت ہیں۔ اُن کے نزدیک علامہ اقبال کی طویل اور عظیم نظم "مسجدِ قرطبہ" سرے سے نظم ہی نہیں بلکہ یہ منتشر اور بکھرے ہوئے خیالات و افکار کا ایک مجموعہ ہے۔

کلیم االدین احمد کی حیثیت ایک متنازعہ نقاد کی ہے اُنھوں نے ہمیشہ اُردو ادب کو انگریزی تنقیدی اصولوں پر جانچا ہے اور جگہ جگہ مات کھائی ہے۔انہدام اقبال کی غرض سے اُنھوں نے جو کتاب اقبال ایک مطالعہ کے نام سے لکھی اُن کی اس کوششِ فضول کو ڈاکٹر عبدالمغنی نے اقبال ایک مطالعہ لکھ کر بے اثر کر ڈالی۔مسجد قرطبہ پر کلیم الدین احمد کے اعتراضات کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

''نظم میں کوئی خامی نہیں ہے۔اس کے برعکس یہ نظم معجزۂ فکروفن ہے۔ خامی نقاد کی بصیرت اور کمی اس کی رسائی میں ہے۔اقبال شکنی کے شوقِ فضول نے معترض کا اپنا پول کھول دیا ہے۔''[۵۹]

فنی حوالے سے علامہ اقبال کے بارے میں ڈاکٹر ایوب صابر کے نظریات اور اصول حسبِ ذیل ہیں۔

☆ روایتی مضامین کے اظہار کے لیے عام روایتی زبان اور اُسلوب ہی موزوں ہوتا ہے۔ چونکہ اقبال کی شاعری میں بیان کردہ مضامین روایتی اور عام نہیں تھے اس لیے اُنھوں نے اپنے مقاصد اور افکار کے اظہار کے لیے نئی زبان، اصطلاحات اور تراکیب وضع کیں۔

☆ اقبال شعری اسالیب کے اعتبار سے مشرق ومغرب کے جامع ہیں۔

☆ اقبال نے جس طرح کی شاعری کی ہے مغربی شاعری میں اُس کے نمونے موجود نہیں تھے۔ اگر اقبال مغربی شاعری کو اپنا معیار بنا لیتے تو وہ کبھی بھی اُن بلند اور عظیم نظریات کو بیان نہ کر سکتے جو اُن کے پیش نظر تھے۔

☆ روایتی نقادانِ فن کا سارا زور مضمون کی صفائی اور الفاظ پر ہوتا ہے۔ وہ نئی اصطلاحات، تشبیہات اور علائم و رموز کو استعمال کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

☆ اقبال کی شاعری عظیم شاعری ہے۔ بڑی شاعری ہمیشہ اپنا لسانی پیکر خود تیار کرتی ہے وہ مروجہ روایتی جکڑ بندیوں کی متحمل نہیں ہوتی۔

☆ اقبال کی بیشتر طویل نظمیں ترکیب بند میں ہیں۔ کلیم الدین احمد نے ترکیب بند کی فارسی روایت کو نظر انداز کر کے اُن نظموں کو انگریزی تنقیدی اصولوں کی کسوٹی پر پرکھا ہے جو کہ ایک غلط اصول ہے۔

☆ اقبال نے بلند ترین خیالات، افکار ونظریات اور اعلیٰ ترین انسانی جذبات واحساسات کو عمدہ ترین شعری پیکر عطا کیا ہے۔

☆ اقبال نے دنیا کی بہترین شعری ادب سے استفادہ کیا ہے مگر اپنے آپ کو کسی خاص خانے میں مقید نہیں کیا۔

☆ اقبال کی جو نظمیں انگریزی سے ماخوز ہیں وہ کلیم الدین احمد کے معیار ربط وتسلسل پر پوری اُترتی ہیں اور جو طویل نظمیں شاعری کا بہترین نمونہ ہیں وہ پست نظر آتی ہیں اس بات سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ کلیم الدین احمد نے ایک مخصوص نظریے اور سوچ کے تحت الزامات لگائے ہیں۔

جب تنقید میں جانبداری آجاتی ہے یا مقاصدِ تحقیق پہلے سے متعین ہوتے ہیں تو ایسے حالات میں نقاد اصل

نوعیت کو واضح نہیں کر سکتا۔ اُس کا سارا زورِ تحقیق اپنے مطلوبہ مقاصد کے حصول کے گرد ہی گھومتا ہے اور ایسا ہی انداز تنقید ان معترضین کا ہے جنھوں نے اپنے مخصوص مقاصد کے تحت انہدام اقبال کی کوشش کی ہیں۔ کلامِ اقبال میں اگر چہ لسانی اغلاط پائی بھی جاتی ہیں تو اُن پر غیر ضروری الزام تراشی کرنا اور اُن کو بنیاد بنا کر انہدام کی مہم کو تیز کر دینا غیر منطقی اور غیر علمی رویہ ہے۔ فنی الزامات کے پس منظر میں معترضین صرف اپنی علمی دھاک اور رغب بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر، اقبال دشمنی ایک مطالعہ، مصنف، ایوب صابر، ڈاکٹر، نشریات، لاہور، ۲۰۰۸، ص ۱۷

۲۔ ایضاً، ص ۱۹

۳۔ ایضاً، ص ۱۸

۴۔ رفعت حسن، مرتب، The Sword and the Sceptre، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۷، ص ۶۳

۵۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی فکری تشکیل اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۷، ص ۳۰

۶۔ فاروقی، محمد حمزہ، مرتب، سفر نامہ اقبال، مکتبہ اسلوب، کراچی، طبع ثانی، ۱۹۷۹، ص ۸۶

۷۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی فکری تشکیل اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ، ص ۴۸

۸۔ ایضاً، ص ۱۵۶

۹۔ ایضاً، ص ۱۹۱

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۳۶

۱۱۔ ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر، اقبالیاتی جائزے، گلوب پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۰، ص ۱۶۹

۱۲۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی فکری تشکیل اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ، ص ۲۵۱

۱۳۔ بالی، کنور کرشن، ڈاکٹر، ''اقبال پر ایک تنقیدی نظر''، مشمولہ: عصری ادب، سائیتہ اکادمی، نئی دہلی، جولائی ۱۹۹۰، ص ۱۹

۱۴۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی فکری تشکیل اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ، ص ۲۶۵

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۷۸

۱۶۔ ایضاً،ص ۲۷۸

۱۷۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال فارسی اسرار و رموز، مکتبہ دانیال، لاہور، س ن، ص ۵۷۱

۱۸۔ ایوب صابر،ڈاکٹر ، اقبال کی فکری تشکیل اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ،ص ۳۱۹

۱۹۔ ہاشمی، رفیع الدین،ڈاکٹر،مرتب، خطوطِ اقبال،مکتبہ خیابانِ ادب، لاہور ۱۹۷۶،ص ۱۵۵ تا ۱۵۷

۲۰۔ ایوب صابر،ڈاکٹر،اقبال کی فکری تشکیل اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ،ص ۳۲۴

۲۱۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال اُردو،عبداللہ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۹،ص بالترتیب ۱۸۶، ۳۸۶، ۵۶۵

۲۲ ایوب صابر،ڈاکٹر، اقبال کی فکری تشکیل اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ،ص ۳۵۷

۲۳۔ ایضاً،ص ۴۱۹۔۴۲۶

۲۴۔ ہاشمی، ایم یعقوب،''وحدت الوجود''، مشمولہ دائرہ معارفِ اقبال ، پنجاب یونی ورسٹی لاہور، جلد سوم ۲۰۱۴،ص ۶۴۳

۲۵۔ چشتی، یوسف سلیم،شرح اسرارِ خودی، اقبال اکیڈمی ظفر منزل،تاج پورہ، لاہور، س ن،ص ۱۸۳

۲۶۔ ایوب صابر،ڈاکٹر ، اقبال کی فکری تشکیل اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ،ص ۴۶۲

۲۷۔ ایضاً،ص ۵۰۹

۲۸۔ علی شریعتی،ڈاکٹر،''اقبال ڈاکٹر علی شریعتی کی نظر میں''، مشمولہ: بیا مجلسِ اقبال لاہور، س ن،ص ۲۸۷

۲۹۔ عبدالمغنی،ڈاکٹر،تنویر اقبال،ص ۴۳۵

۳۰۔ سلیم اختر،ڈاکٹر،اقبال ممدوح عالم، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۷۸،ص ۱۲۳

۳۱۔ حسن انور،عشرت،ڈاکٹر،اقبال کی مابعد الطبعیات ،مرتب،صدیقی، شمس الدین،ڈاکٹر، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۸، پیش لفظ

۳۲۔ ایوب صابر،ڈاکٹر،اقبال کے فہمِ اسلام پر اعتراضات ایک مطالعہ، اقبال اکادمی پاکستان،

لاہور،۲۰۱۶،ص۲۷۳

۳۳۔ ایضاً،ص۲۷۹

۳۴۔ جاوید اقبال،ڈاکٹر، زندہ رود،شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور،۱۹۷۹،ص۱۵

۳۵۔ ایوب صابر،ڈاکٹر،اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ،بیت الحکمت،لاہور،۲۰۰۳، ص۴۵

۳۶۔ اقبال سنگھ،راہ نوردِ شوق،محمد اقبال حیات اور کارنامے،مترجم،ملک نعیم اللہ،اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس،کراچی،۲۰۰۳،ص۲۱۰

۳۷۔ ایوب صابر،ڈاکٹر ،اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ،ص۵۴

۳۸۔ جاوید اقبال،ڈاکٹر ،زندہ رود،ص۱۷۷

۳۹۔ ایوب صابر،ڈاکٹر،اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ،ص۶۱

۴۰۔ ایضاً،ص۴۷

۴۱۔ ایضاً،ص۳۵۳

۴۲۔ ایضاً،ص۱۱۷

۴۳۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال،ص۳۱۲

۴۴۔ ایوب صابر،ڈاکٹر،اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ،ص۱۸۶

۴۵۔ رفعت حسین،مرتب،*The Sword and the Sceptre*،ص۲۸۹،۲۹۰

۴۶۔ ایوب صابر،ڈاکٹر،اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ،ص۳۲۲

۴۷۔ اسرار احمد،ڈاکٹر،علامہ اقبال اور ہم،مرکزی انجمن خدام القرآن،لاہور،۱۹۹۵،ص۶۴

۴۸۔ ایوب صابر،ڈاکٹر،اقبال کی شخصیت پر اعتراضات کا جائزہ،ص۳۲۲

۴۹۔ عبدالکریم،حکیم،اقبال کی صحتِ زبان،نصرت پبلیشرز،لکھنو،۱۹۹۸،ص ۹۸

۵۰۔ محمد اقبال،ڈاکٹر،کلیاتِ اقبال،ص ۳۰۹

۵۱۔ محمد یعقوب،ڈاکٹر،اُردو کے ادبی معرکے،ترقی اُردو بیورو،نئی دہلی،۱۹۹۰،ص ۴۳۵

۵۲۔ ایوب صابر،ڈاکٹر،کلامِ اقبال پر فنی اعتراضات ایک جائزہ،ص ۳۵

۵۳۔ ایضاً،ص ۲۴۔۳۵

۵۴۔ فاروقی،شمس الرحمٰن،اثبات و نفی، مکتبہ جامعہ،نئی دہلی،۱۹۸۶،ص ۵۷

۵۵۔ گپتا،کالی داس،اقبال کی خامیاں، مصنف،جوش ملیسانی،ساکار پبلیشرز، بمبئی،۱۹۹۴،ص ۶

۵۶۔ ایضاً،ص ۷

۵۷۔ ایوب صابر،ڈاکٹر،کلامِ اقبال پر فنی اعتراضات ایک جائزہ،ص ۶۳

۵۸۔ ایضاً،ص ۱۰۲

۵۹۔ ایضاً،ص ۱۴۷

ماحصل

ڈاکٹر ایوب صابر کی اقبال شناسی کا مجموعی جائزہ

علامہ اقبال ایک ہمہ جہت شخصیت کے حامل مفکر اور شاعر ہیں۔ اُن کی شخصیت کو کسی ایک احاطے میں مقید کرنا ممکن نہیں ہے۔ علامہ اقبال کی زندگی ہی میں اُن کے افکار و نظریات کی تفہیم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ گویا اقبال شناسی کی روایت کا آغاز اُن کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ علامہ اقبال پوری اُردو ادب کی تاریخ میں وہ واحد شخص ہیں جن پر سب سے زیادہ لکھا گیا ہے۔ ہزاروں کتابیں اور مضامین علامہ اقبال کے فکر و فن، شاعری اور نظریات پر لکھے جا چکے ہیں اور یہ سلسلہ ابھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا۔ اقبال شناسی کے ذخیرے میں ہر سال خاطر خواہ اضافہ ہوتا چلا آ رہا ہے۔ جب ہم اقبالیات کے اتنے وسیع ذخیرے کو دیکھتے ہیں تو عام طور پر یہ ہی گمان گزرتا ہے کہ اقبال کے حوالے سے اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اب اس حوالے سے مزید لکھنا ممکن نہیں اور اگر لکھا بھی جائے تو کوئی نئی بات دریافت کرنا کارِ محال ہے۔ ماہرین اقبالیات نے اقبال کے نظریات کو ہر زاویے سے پرکھنے کی مکمل کوشش کی ہے، مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس حوالے سے مشفق خواجہ لکھتے ہیں:

> ''اقبال شناسی کی منزل کی طرف بڑھتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ابھی بہت سا کام باقی ہے اور اقبال کی زندگی کے بہت سے گوشے تا حال ایسے ہیں جن تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی۔''[۱]

اور ایسا ہی ایک گوشہ اقبال پر الزامات کے حوالے سے تھا جس کی طرف باقاعدہ طور پر توجہ نہیں دی گئی تھی۔ اقبال شناسی کے ساتھ ساتھ اقبال شکنی کی روایت بھی علامہ اقبال کی زندگی میں شروع ہوئی تھی اور دونوں روایات یکساں طور پر آج تک جاری و ساری ہیں۔ جس طرح علامہ اقبال کی زندگی میں اُن کے کلام اور نظریات کی تحسین کرنے والے موجود تھے اور آج بھی ہیں اسی طرح فکرِ اقبال کو منہدم کرنے والے اُن کی زندگی میں بھی مصروفِ عمل تھے اور آج بھی مصروفِ عمل ہیں۔ ڈاکٹر ایوب صابر کے دل میں علامہ اقبال کی عقیدت کا جذبہ فطری طور پر موجود تھا اور یہ جذبہ بتدریج بڑھتا گیا۔ اور آخر کار آپ نے اپنی ساری زندگی فکرِ اقبال کی ترویج و اشاعت میں صرف کرنے کا تہیہ کر لیا۔ ڈاکٹر ایوب صابر کا شمار صفِ اول کے اقبال شناسوں میں ہوتا ہے۔ آپ کی اقبال شناسی کی حدود ملک سے باہر نکل چکی ہیں۔ اقبالیات کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر نے جو کام سرانجام دیا وہ اقبال شناسی کی عام روایات سے منفرد ہے۔

اُنھوں نے اپنے لیے ایسے کام کا انتخاب کیا جو پہلے نہ ہونے کے برابر تھا۔ اگر ہم اقبال شناسی کی پوری روایت کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کے فکر و فن پر لگائے گئے الزامات کا مکمل تحقیقی جائزہ نہیں لیا گیا تھا۔ معترضین کے اعتراضات کا ایک وسیع ذخیرہ موجود تھا اور ان اعتراضات میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ ان تمام الزامات کا جائزہ تحقیقی انداز میں غیر جانبدار رہ کر لیا جائے اور اصل حقیقتِ حال کو واضح کیا جائے۔ چناں چہ ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنے لیے جس راہ کا انتخاب کیا وہ اقبال دشمن شناسی کی راہ تھی۔ اور یہ راہ کانٹوں سے پر تھی۔ اس خارزار پر چلتے ہوئے بہت سے خطرات لاحق تھے مگر ڈاکٹر ایوب صابر نے تحقیقی دیانت داری اور غیر جانبداری کو اپنی ڈھال بنائے ہوئے اس راستے کا سفر طے کیا اور گوہرِ مراد حاصل کیا۔ اقبالیات اور اقبال شناسی کی طرح ڈاکٹر ایوب صابر نے اقبالیاتی ادب میں ایک نئی اصطلاح ایجاد کی جو اقبال دشمن شناسی کی ہے۔ اور اقبال دشمنی کے حوالے سے جتنا مربوط، منظم اور وقیع کام ڈاکٹر ایوب صابر نے سرانجام دیا ہے وہ کوئی اور نہیں کر سکا۔

جب انسان کو کسی کام سے عشق ہوتا ہے تو پھر وہ زمانے کے سرد و گرم کو خاطر میں نہیں لاتا اور اپنی منزل کے حصول کے لیے ہر تکلیف برداشت کر لیتا ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر کو بھی اپنے کام سے بے انتہا عشق ہے وہ علامہ اقبال کے خلاف بے بنیاد الزامات اور پروپیگنڈوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اسی منزل کے حصول کے لیے اُنھوں نے ۲۳ سال مسلسل محنت شاقہ سے کام لیا۔ ہمیشہ نئے سے نئے مآخذ کی تلاش میں رہے۔ علامہ اقبال کے خلاف ہر الزام کو دیکھا، پرکھا اور اصل نتائج کو اپنی آٹھ کتابوں میں تحریر کیا۔ اُنھوں نے تحقیقی دلائل اور براہین کی روشنی میں تمام الزامات کو اس طرح مدون کیا ہے کہ شائد کوئی اعتراض علامہ اقبال کی شاعری، شخصیت، فلسفیانہ نظریات اور افکار کے حوالے سے ایسا ہو جس کا تجزیہ اُنھوں نے نہ کیا ہو۔ اس حوالے سے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے بڑی واضح بات کی ہے:

> ''اقبال کی زندگی، شخصیت، اُن کے فکر و فلسفے اور فن پر ہر چھوٹے بڑے اعتراض کا جواب پروفیسر محمد ایوب صابر کی کتابوں میں مل جائے گا۔ اقبالیات میں دفاعِ اقبال ایک بڑا محاذ ہے جس کے سالار کی حیثیت سے اُن کی فتوحات قابلِ داد ہیں۔ انھیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور اُن سے استفادہ کیا جاتا رہے گا۔''[۲]

ڈاکٹر ایوب صابر نے فکرِ اقبال کے ساتھ اپنی پوری زندگی بسر کی ہے۔ اُن کا یہ کام جز وقتی نہیں تھا بلکہ ایسے تحقیقی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اُنھوں نے کسی بھی چیز پر سمجھوتا نہیں کیا اور یہاں تک کہ اُن کی نوکری کام کی تکمیل میں

آڑے آ رہی تھی تو اُنھوں نے قبل از وقت ملازمت سے ریٹائرمنٹ لے لی۔کوئی بھی الزام کسی بھی حیثیت سے جو علامہ اقبال پر معترضین نے لگایا ہو اُنھوں نے اُس کا مدلّل، علمی، فکری، تحقیقی اور تنقیدی انداز میں اس طرح جائزہ لیا ہے کہ ہمیں اُس حوالے سے کسی اور چیز کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر ایوب صابر اقبال شناسی کے حوالے سے ایسا کندن بن چکے ہیں کہ وہ اب اقبال شناسی کے حوالے سے ایک معتبر حوالہ ہیں۔جب بھی اقبال پر الزامات اور اُن الزامات کے سچے یا جھوٹے ہونے کی بات ہوگی تو ڈاکٹر ایوب صابر کی رائے کو حتمی اور معتبر تسلیم کیا جائے گا۔اقبالیات کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر کی حیثیت ایک چلتے پھرتے علمی دبستان کی ہے۔اُن کی کتابیں نہ صرف پاکستان میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں بلکہ بیرونِ ممالک میں بھی اُن کی پذیرائی ہے اور کوئی بھی محقق ڈاکٹر ایوب صابر کی کتب سے استفادہ کیے بغیر فکرِ اقبال کو صحیح تناظر میں نہیں سمجھ سکتا۔ اُن کی تحقیق کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ اُنھوں نے سچ بات کہنے میں کبھی عار محسوس نہیں کی۔اور تحقیق کی روشنی میں جو نتائج حاصل ہوئے اُنھیں بیان کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا۔ڈاکٹر ایوب صابر کی اقبال شناسی کے حوالے سے ڈاکٹر طالب حسین سیال لکھتے ہیں:

> ''اُن کی علمی وفکری خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے خیالات کا دیانت داری اور شفافیت کے ساتھ اظہار کرتے ہیں وہ کسی مصلحت، ڈر اور خوف کو خاطر میں نہیں لاتے۔''[۳]

کسی بھی محقق کی سب سے بڑی خوبی یہ ہی ہوتی ہے کہ وہ دیانت داری، غیر جانبداری اور بغیر کسی خوف وخطر کے تحقیقی حاصلات کو منظرِ عام پر لائے اور یہ خوبی ڈاکٹر ایوب صابر میں بدرجہ اُتم موجود ہے۔ اُنھوں نے علامہ اقبال پر لگائے گے الزامات کو تحقیقی کسوٹی پر پرکھا اور سچ اور جھوٹ کو عیاں کر دیا۔اُنھوں نے اپنے دلائل کو الفاظ کا گورکھ دھندہ بننے نہیں دیا بلکہ واضح اور دوٹوک بات کی ہے۔اگر معترضین کا کوئی الزام تحقیق کے بعد درست ثابت ہوا تو اُسے درست تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی اور اگر غلط ثابت ہوا تو اُسے رد کیا۔ڈاکٹر ایوب صابر کے تحقیقی انداز کے بارے میں پروفیسر شہناز پروین لکھتی ہیں:

> ''ڈاکٹر صاحب کا طرزِ تحریر تکنیکی اور سائنسی انداز کا حامل ہے۔ وہ نہایت عرق ریزی کے ساتھ دلائل و براہین کی روشنی میں اپنے نقطۂ نظر کو خوش اُسلوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور کلامِ اقبال کی نئی جہتوں کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ان کا یہ انداز آسان اور عام فہم ہے۔''[۴]

فکرِ اقبال کا فروغ اور علامہ اقبال کے خلاف بے جا الزامات کا محاسبا کرنا ڈاکٹر ایوب صابر کی زندگی کا نصب العین ہے۔ اُنھوں نے یہ سارا کام کسی دنیاوی فائدے، عہدے، ملازمت یا جاہ و منصب کے حصول کے لیے نہیں کیا۔ اُنھیں اپنے مقصدِ حیات سے اس قدر لگاؤ ہے کہ وہ فکرِ اقبال کی ترویج و اشاعت کے لیے اس وقت بھی جب کہ اُن کی عمر ۷۷ برس ہو چکی ہے دن رات مصروف عمل ہیں۔ اُن کی یہ سعی و کوشش نام و نمود کے حصول کی خواہش نہیں ہے۔ ان کی ابتدائی زندگی سے لے کر اس وقت تک کی پوری زندگی کے تجزیے اور مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اُن کا دل فکرِ اقبال کے ساتھ ڈھرکتا ہے۔ اسلام، پاکستان اور علامہ اقبال اُن کی زندگی اور سوچ کا مرکز و محور ہے۔ اُنھوں نے اپنی پوری زندگی اقبالیات کی تدریس اور تحقیق میں صرف کی دی۔ اپنے شاگردوں کو ہمیشہ حق اور سچ کی تلقین کی اور اُن پر واضح کیا کہ ہماری تمام مشکلات اور پریشانیوں کا حل فکرِ اقبال میں موجود ہے۔ یہ اُن کی تربیت کا اثر ہے کہ آج اُن کے شاگردوں میں کئی ماہر اقبال شناس پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے فکرِ اقبال کی اشاعت کے لیے ہر محاذ پر کام کیا۔ آپ اقبال کے ایک مستعد سپائی ہیں جہاں مخالفینِ اقبال نے الزام لگایا تو آپ اُن کے مقابلے پر اُتر آئے اور معترضین و مخالفین اقبال کے لیے سیسہ پلائی دیوار ثابت ہوئے۔ علامہ اقبال پر تمام عائد شدہ الزامات کا جائزہ لینے اور اُن کو معترضین کے حصار سے نکالنے میں ڈاکٹر ایوب صابر کا بہت بڑا کردار ہے۔ جب بھی اقبال کے خلاف الزامات کی بات ہو گی تو ڈاکٹر ایوب صابر کی خدمات کا ذکر ضرور ہو گا۔ ڈاکٹر ایوب صابر کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ وہ علم کی اعلیٰ منازل پر فائز ہیں۔ اقبالیات اور علامہ اقبال پر اعتراضات کے حوالے سے اُن کی رائے کو حتمی سند کا درجہ حاصل ہے مگر اس کے ساتھ وہ عجز و انکسار کا مجموعہ ہیں۔ اُنھوں نے اقبال شناسی اور اقبال کے ساتھ اپنے قلبی لگاؤ اور اقبالیات کی تحقیق کو اپنے لیے سستی شہرت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ اُن کا اندازِ تحریر ایسا واضح اور سلجھا ہوا ہے کہ ہر بات آسانی کے ساتھ قارئین اور سامعین پر واضح ہو جاتی ہے۔ محمد روز خان نے بڑی سچی بات کی ہے:

> ''ایک وقت آئے گا اور ضرور آئے گا جب لوگ محض اس بات پر فخر کریں گے کہ ہم نے ڈاکٹر ایوب صابر کو دیکھا ہے۔ اُن سے ملے ہیں۔ اُن کے قلمی کارنامے اس امر کے متقاضی ہیں کہ اُن سے استفادہ کیا جائے۔''[۵]

ڈاکٹر ایوب صابر کی اقبال شناسی کی نمایاں خصوصیات

☆ اقبالیاتی ادب میں اپنی تحقیق کے ذریعے ڈاکٹر ایوب صابر نے یہ واضح کیا کہ علامہ اقبال اعتراضات سے

ماورانہیں ہیں۔مگر کوئی بھی اعتراض کرنے سے پہلے حقائق کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

☆ علامہ اقبال کی شخصیت اور فکر وفن پر عائد شدہ تمام الزامات کو اُنھوں نے مثبت سوچ، کشادہ دلی، غیر جانبداری اور تحقیقی اندازِ نظر سے دیکھا ہے۔

☆ اُنھوں نے اقبالیاتی ادب میں ایک نئی اصطلاح کو متعارف کرایا جو اقبال دشمن شناس کی ہے۔اس طرح ہم بجا طور پر اُنھیں اقبال دشمن شناس کہہ سکتے ہیں۔

☆ اُنھوں نے روایتی اقبال شناسی کی راہ کو ترک کر کے اقبال شناسی کی ایک نئی سمت کی طرف ہماری توجہ مبذول کی ہے۔

☆ اُن کا اقبالیاتی سرمایہ، اقبالیات کے ذخیرے میں ایک نیا اور کار آمد اضافہ ہے۔عام طور پر اقبال کے حوالے سے جو کتابیں لکھی جا رہی ہیں اُن میں وہی باتیں بار بار دہرائی جا رہی ہیں جو پہلے سے ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ مگر اُنھوں نے ایسے موضوعات پر تحقیق کی ہے جن کو اُن سے قبل نظر انداز کیا گیا تھا۔

☆ تحقیقی کام میں خلل اندازی کی وجہ سے قبل از وقت ملازمت سے ریٹائرمنٹ لے لی اور اقبال کی تحقیق کو اپنا مقصدِ حیات بنایا ایسی مثال ڈھونڈنا مشکل ہے۔

☆ اعتراضات کا جواب تمام حوالہ جات کی روشنی میں دینے کے ساتھ ساتھ اُن تمام اسباب اور معترضین کے ذہنی محرکات کی نشاندہی بھی کی ہے جو اعتراضات کا سبب تھے۔

☆ تحقیق میں صبر بہت ضروری ہے۔ڈاکٹر ایوب صابر کو اللہ تعالیٰ نے اس صفت سے بڑی حد تک نوازا ہے جس کا ثبوت اُن کی ساری زندگی بالعموم اور ۱۹۹۳ سے آج تک کا عرصہ بالخصوص اہم ہے جس میں اُنھوں نے رات دن اقبالیات کی تحقیق میں صرف کر دی۔

☆ ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنے تحقیقی حاصلات کو نہایت دیانت داری اور شفافیت کے ساتھ ظاہر کیا ہے۔اس حوالے سے وہ کسی قسم کی جانبداری، مصلحت اور ڈر کا شکار نہیں ہوئے۔

☆ ڈاکٹر ایوب صابر کا شمار ماہر اقبال شناسوں میں ہوتا ہے۔فرزندِ اقبال ڈاکٹر جاوید اقبال اُن کی اقبال شناسی کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اقبال شناسی میں ڈاکٹر ایوب صابر محتاجِ تعارف نہیں ہیں ۔میں نے اُن کی کئی ایک تصانیف کا مطالعہ کیا ہے۔اُن کا اقبالیاتی کام ادب میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔میری رائے عالمانہ نہیں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر ایوب صابر اقبال شناسی کے ممتاز نقاد ہیں۔''[۶]

☆ ڈاکٹر ایوب صابر کی کتب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علامہ اقبال پر جس قدر بھی تحقیق کی جائے وہ عظیم تر ثابت ہوتے ہیں۔اُن کی شخصیت شاعری اور فکر وفن پر کوئی بھی اعتراض ایسا نہیں جس کا دفاع نہ کیا جا سکے۔

☆ اقبالیات کے حوالے سے بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے مگر ڈاکٹر ایوب صابر کے تحقیقی کام کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال پر مکمل اور مدلل کام کرنا آسان نہیں اس کے لیے کافی وقت اور محنت درکار ہے۔ عام لکھنے والے اقبال پر دو چار کتابیں پڑھ کر اپنی کتاب لکھ ڈالتے ہیں ایسا کام معیاری نہیں ہوسکتا۔

☆ ڈاکٹر ایوب صابر کی کتابوں میں علامہ اقبال پر عائد ہر الزام خواہ وہ شخصیت کے بارے میں ہو فلسفیانہ افکار و نظریات، شاعری، خاندانی زندگی، ذہنی افکار یا کسی بھی حوالے سے لگایا گیا ہو اُس کا جواب مکمل تحقیق اور حوالوں کے ساتھ مل جائے گا۔

☆ علامہ اقبال کا دفاع، پاکستان کی ترقی و استحکام، پاکستان میں اسلامی اصولوں کا نفاذ، اسلامی تعلیمات اور دینی اقدار کا فروغ ڈاکٹر ایوب صابر کی زندگی اور اُن کی تحقیقی ریاضت کی اولین اور بنیادی ترجیحات اور وہ ساری زندگی اُن ترجیحات کے عملی نفاذ کے لیے سرگرم رہے۔

☆ اُنھوں نے اپنی تحقیق سے یہ بات واضح کی ہے کہ معترضینِ اقبال کسی نہ کسی طرح مخالفینِ پاکستان ہیں۔

☆ اپنی تحقیق میں ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنی رائے کو زبردستی دوسروں پر مسلط نہیں کیا بلکہ ہمیشہ دلائل اور صبر و استقامت کے ساتھ اقبال مخالفین کا مقابلہ کیا۔

☆ اپنی تحقیق کے دوران ڈاکٹر ایوب صابر کسی بھی مقام پر معترضین اقبال سے اُلجھتے یا جھگڑتے نظر نہیں آتے بلکہ وہ تہذیب اور شائستگی کے دائرے میں رہتے ہوئے دشمن کے ہر وار کو ناکام بناتے ہیں۔

☆ اگر تحقیق کے دوران علامہ اقبال پر کوئی الزام درست ثابت ہو گیا تو اُنھوں نے اُسے درست تسلیم کرنے میں کوئی اعتراض نہیں کیا اور اس الزام کو درست ثابت کرلیا جو کہ تحقیقی دیانت داری اور غیر جانبدارانہ رویے کا اظہار ہے۔

☆ ڈاکٹر ایوب صابر نے پہلی مرتبہ معترضینِ اقبال کی الزام تراشیوں کی تردید کو مربوط اور نتیجہ خیز انداز میں پیش کیا ہے۔

☆ معترضینِ اقبال نے اقبال کی علمی اور فکری سطح کے انہدام کی کوشش کر کے نئی نسل کو فکرِ اقبال سے دور کرنے کی منصبط کوششیں کیں۔اُن کی ان کوششوں سے نہ صرف عام لوگوں طالب علموں اور اساتذہ بلکہ اقبال شناس حضرات کے اذہان میں بھی کئی طرح کے شکوک وشبہات پیدا ہو چکے تھے۔ڈاکٹر ایوب صابر نے ان تمام اشخاص کو فکرِ اقبال کے حوالے سے ذہنی گمراہی سے بچایا۔

زیرِنظر مقالہ چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ''معترضینِ اقبال اور ان کے اعتراضات کی نوعیت'' پر مشتمل ہے۔ اس باب میں راقم نے علامہ اقبال پر مختلف قسم کے اعتراجات ان کی نوعیت، اسباب اور محرکات پر بحث کی ہے۔ اس باب میں معترضینِ اقبال کی گروہ بندی کی گئی ہے اور گیارہ قسم کے مختلف گروہ بنائے گئے ہیں اور ہر گروہ سے تعلق رکھنے والے مختلف افراد، ان کے اعتراضات اور ان اعتراضات کے اسباب ومحرکات پر بحث کی گئی ہے۔

دوسرے باب کا عنوان ''ڈاکٹر ایوب صابر کی فکر اقبال سے وابستگی'' ہے اس بارے میں ڈاکٹر صابر کی اقبال شخصیت اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر ایوب صابر کی اقبال شناسی کے مختلف حوالوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس باب میں فکر اقبال کے ساتھ ڈاکٹر ایوب صابر کی وابستگی اسباب ومحرکات اور ارتقائی مراحل کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف اوقات میں ڈاکٹر ایوب صابر نے اخبارات و رسائل کے ذریعے فکر اقبال کی ترویج واشاعت کے لیے جو مضامین شائع کیے ہیں ان میں سے چیدہ چیدہ مضامین پر بحث کی گئی ہے۔

باب سوم جس کا عنوان ''ڈاکٹر ایوب صابر کا اقبالیاتی سرمایہ: تعارفی مطالعہ'' ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر ایوب صابر کی علامہ اقبال سے متعلقہ کتب کا تعارفی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ متذکرہ باب میں علامہ اقبال پر اعتراضات کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر کے جوابات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر ایوب صابر کا اقبالیاتی سرمایہ کافی وسیع ہے جس کو

پڑھنے کے لیے کافی وقت درکار ہے۔ مقالہ کا باب سوم پڑھ کر با آسانی ان کے تمام کام سے آگاہی حاصل ہو سکتی ہے۔

باب چہارم میں معترضینِ اقبال کے رد میں ڈاکٹر ایوب صابر کے نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب میں معترضینِ اقبال کے اعتراضات اور ایوب صابر کے جوابات کا تجزیہ کرنے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر ایوب صابر کے تحقیقی انداز اور طریقہ تحقیق کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے۔

سفارشات

دورانِ تحقیق فکرِ اقبال کے حوالے سے اعتراضات کے مختلف پہلو اُجاگر ہوئے ان تمام کا جائزہ لیا اس مقالے میں ممکن نہیں تھا۔ میں مستقبل کے محقق کے لیے چند سفارشات مرتب کرنا چاہتا ہوں جو اس موضوع کو مزید وسعت اور بہتری عطا کریں گی۔

☆ مسلمانوں، مستشرقین اور ہندوؤں کے علامہ اقبال کی شخصیت اور فکر و فن پر اعتراضات کو الگ الگ کر کے ان کا جائزہ لیا جائے۔

☆ علامہ اقبال پر تمام اعتراضات غلط بھی نہیں ہیں۔ تمام اعتراضات کو مرتب کیا جائے اور ساتھ ان کے جوابات بھی لکھے جائیں جو اعتراضات درست ہیں وہ بھی واضح ہوں اور جو غلط ہیں ان کی بھی واضح تردید ہو۔ ایسا کرنے سے مختصر وقت میں پورا مقدمہِ اقبال پیش ہو جائے گا۔

☆ علامہ اقبال پر کیے گئے اعتراضات میں تکرار پائی جاتی ہے۔ ان الزامات کو الگ کیا جائے جو بار بار دہرائے گئے ہیں۔

☆ جس طرح اقبال شناسی کے حوالے سے مختلف کتب کے تعارف پر مبنی الگ کتب شائع ہوئی ہیں اسی طرح ان تمام کتب جو اقبال کی مخالفت میں لکھی گئی ہیں ان کو بھی یکجا کیا جائے تا کہ مستقبل کے محقق کو تلاشِ مواد میں آسانی ہو سکے۔

حوالہ جات

۱۔ مشفق خواجہ،’’اقبال پرستی سے اقبال شناسی تک‘‘، مشمولہ:علامہ اقبال افکار و خیالات ،فرحان پبلشرز ،لاہور،جون ۱۹۷۷،ص۱۱۳

۲۔ ہاشمی،رفیع الدین،ڈاکٹر،’’پروفیسر محمد ایوب صابر۔۔۔ایک محقق ایک دوست‘‘،مشمولہ:ڈاکٹر ایوب صابر بطور اقبال شناس،مصنف تبسم،ہارون الرشید،ڈاکٹر ،بک کارنر،جہلم،۲۰۱۵،ص۳۸۹

۳۔ سیال،طالب حسین،ڈاکٹر،’’صدق صمیم جومخالفِ اقبال کے لیے مانندِفولاد ہے‘‘، مشمولہ ڈاکٹر ایوب صابر بطور اقبال شناس،ص۳۹۸

۴۔ شہناز پروین،پروفیسر،’’ڈاکٹر ایوب صابر اوراُن کی تنقید‘‘،مشمولہ:ڈاکٹر ایوب صابر بطورِ اقبال شناس،ص۴۳۱

۵۔ روز خان،محمد،’’عہد حاضر کا نابغہ‘‘،مشمولہ:ڈاکٹر ایوب صابر بطورِ اقبال شناس،ص۴۲۷

۶۔ جاوید اقبال،ڈاکٹر،’’ڈاکٹر ایوب صابر بطورِ اقبال شناس‘‘،مشمولہ: ڈاکٹر ایوب صابر بطورِ اقبال شناس ،ص۳۸۵

کتابیات

اردو کتب

۱۔ آزاد، جگن ناتھ، اقبال اور اُس کا عہد، ادارہ، انیس اُردو، الہ آباد، ۱۹۶۰ء

۲۔ آزاد، جگن ناتھ، ہندوستان میں اقبالیات، مکتبہ علم ودانش، لاہور، ۱۹۹۱ء

۳۔ آسی ضیائی، کلامِ اقبال کا بے لاگ تجزیہ، الخدمت، لاہور ۱۹۵۷ء

۴۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، اقبال اور ہم، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۹۵ء

۵۔ اصلاحی، نجم الدین، مولانا، اقبال اور مودودی کا تقابلی جائزہ، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۷۹ء

۶۔ اقتدار علی، صاحبزادہ، تنقیدات اقتدار بر نظریات اقبال، بریڈفورڈ، انگلستان ۱۹۹۳ء

۷۔ اختر، ملک حسن، ڈاکٹر، اقبال اور نئی نسل، نذیر سنز پبلشرز، لاہور ۱۹۸۸ء

۸۔ ارشد خانم، ڈاکٹر، علامہ اقبال اور عبدالماجد، عقائد اور افکار کا محاکمہ، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۱۰ء

۹۔ اقبال سنگھ، راہ نوردِ شوق، محمد اقبال حیات اور کارنامے، مترجم نعیم اللہ ملک، اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، کراچی ۲۰۰۳ء

۱۰۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی فکری تشکیل-اعتراضات اور تاویلات کا جائزہ، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء

۱۱۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، کلامِ اقبال پر فنی اعتراضات: ایک جائزہ، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء

۱۲۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، معترضینِ اقبال، انٹرنیشنل اُردو پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۰۴ء

۱۳۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کے فہمِ اسلام پر اعتراضات: ایک مطالعہ، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۶ء

۱۴۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال کی شخصیت: اعتراضات کا جائزہ، بیت الحکمت، لاہور، ۲۰۰۳ء

۱۵۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، تصورِ پاکستان: علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ، نیشنل بک

فاونڈیشن، اسلام آباد،۲۰۰۴ء

۱۶۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، اقبال دشمنی: ایک مطالعہ، جنگ پبلشرز، لاہور،۱۹۹۳ء

۱۷۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، علامہ اقبال کا تصورِ اجتہاد، (مجموعہ مقالات، شریک مرتب)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۸ء

۱۸۔ بٹالوی، عاشق حسین، اقبال کے آخری دو سال، آئینہ ادب، لاہور، طبع دوم، ۱۹۶۹ء

۱۹۔ برنی، مظفر حسین، مرتب، کلیات مکاتیبِ اقبال، بک کارنر، جہلم ۲۰۱۶ء

۲۰۔ بشیر احمد، اقبال اور قادیانیت: تحقیق کے نئے زاویے مجلس علم و دانش، راولپنڈی، ۲۰۰۶ء

۲۱۔ تاثیر، ڈاکٹر، اقبال کا فکرو فن، مرتب قریشی، افضل حق، منیب پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۷ء

۲۲۔ تبسم، ہارون الرشید، ڈاکٹر، ڈاکٹر ایوب صابر بطورِ اقبال شناس، بک کارنر جہلم، ۲۰۱۵ء

۲۳۔ ثاقب رزمی، اقبال ایک نیا مطالعہ، آئینہ ادب، لاہور،۱۹۸۴ء

۲۴۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، منتشر خیالاتِ اقبال، مرتب، مترجم ساجد علی میاں، علامہ اقبال سٹیمپ سوسائٹی، لاہور، ۲۰۱۵ء

۲۵۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، خطباتِ اقبال: تسہیل و تفہیم، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء

۲۶۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، مے لالہ فام، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، طبع دوم،۱۹۷۲ء

۲۷۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، طبع سوم، ۱۹۸۵ء

۲۸۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، شذرات فکرِ اقبال، (مرتب) مترجم، صدیقی افتخار احمد، ڈاکٹر مجلس ترقیِ ادب، لاہور،۱۹۷۳ء

۲۹۔ جوش ملیسانی، اقبال کی خامیاں، ساکار پبلی کیشنز، بمبئی ۱۹۹۴ء

۳۰۔ جعفری، رئیس احمد، اقبال اپنے آئینے میں، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۶ء

۳۱۔ جلال پوری، علی عباس، سید، اقبال کا علم الکلام، مکتبہ فنون، لاہور،۱۹۷۲ء

۳۲۔ چغتائی، محمد عبداللہ، ڈاکٹر، اقبال کی صحبت میں مجلس ترقیِ ادب، لاہور، ۱۹۷۷ء

۳۳۔ چشتی، یوسف سلیم، فکر اقبال اور تحریک احمدیہ، عشرت پبلکیشنگ ہاؤس، لاہور، س ن

۳۴۔ حامد جلالی، سید، اقبال اور ان کی پہلی بیوی، ناشر بیگم آفتاب اقبال، کراچی، ۱۹۹۶ء

۳۵۔ حسن الدین، میر، مترجم، ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقاء، بنام، فلسفہ عجم، نفیس اکادمی حیدر آباد، دکن، طبع سوم، ۱۹۴۴ء

۳۶۔ حسن رضوی، مرتب، اقبال کے فکری آئینے، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۰ء

۳۷۔ حمید نسیم، اقبال ہمارے عظیم شاعر، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، ۱۹۹۳ء

۳۸۔ حمید یزدانی، خواجہ، ڈاکٹر، علامہ اقبال کی پسندیدہ شخصیات، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء

۳۹۔ حنیف شاہد، محمد، مفکرِ پاکستان، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۲ء

۴۰۔ خالد مسعود، ڈاکٹر، اقبال کا تصورِ اجتہاد، مطبوعاتِ حرمت، راولپنڈی، ۱۹۸۵ء

۴۱۔ خان، محمد احمد، اقبال کا سیاسی کارنامہ، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء

۴۲۔ خان، حمید احمد، پروفیسر، اقبال کی شخصیت اور شاعری، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۷۴ء

۴۳۔ درویش، صلاح الدین، ڈاکٹر، فکر اقبال کا المیہ، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۴ء

۴۴۔ رالف رسل، پروفیسر، اقبال اور ان کا پیغام، انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی، ۱۹۹۶ء

۴۵۔ رفیق افضل، محمد، مرتب، گفتارِ اقبال، ادارہ تحقیقاتِ پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۶۹ء

۴۶۔ رئیسہ پروین، بیسویں صدی کی اُردو نظم پر علامہ اقبال کے اثرات، دارالشعور، لاہور، ۲۰۱۵ء

۴۷۔ زبیدہ جبیں، پروفیسر محمد منور، بطورِ اقبال شناس، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۱ء

۴۸۔ سرور، آل احمد، پروفیسر، دانش ور اقبال، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۶ء

۴۹۔ سرور، آل احمد، پروفیسر، مرتب، اقبال کی اردو غزل ونظم، اقبال انسٹی ٹیوٹ، سری نگر، س ن

۵۰۔ سلیم احمد، اقبال ایک شاعر، قوسین، لاہور ۱۹۸۷ء

۵۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبال اور ہمارے رویے، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء

۵۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبال شخصیت اور افکار: مطالعے کا نیا تناظر، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء

۵۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبالیات کے نقوش، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۷۷ء

۵۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبال کا نفسیاتی مطالعہ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء

۵۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، مرتب، علامہ اقبال: حیات فکر و فن، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء

۵۶۔ سمیع الحق، ڈاکٹر، خطباتِ اقبال: تفکیر دین پر تجدیدِ نظر، مکتبہ جمال، لاہور ۲۰۱۶ء

۵۷۔ سید، جابر علی، پروفیسر، اقبال کا فنی ارتقاء، بزمِ اقبال، لاہور ۱۹۷۸ء

۵۸۔ شاہین، رحیم بخش، مرتب، اوراقِ گم گشتہ، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۷۵ء

۵۹۔ شفیق عجمی، ڈاکٹر، اقبال شناسی عالمی تناظر میں، پاکستان رائیٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور ۲۰۱۱ء

۶۰۔ صابر کلوروی، داستانِ اقبال، نشریات، لاہور، ۲۰۰۹ء

۶۱۔ صابر کلوروی، ڈاکٹر، مرتب، اقبال کے ہم نشین، مکتبہ خلیل لاہور، ۱۹۸۵ء

۶۲۔ صائب عاصمی، اقبال قلندر نہیں تھا، تخلیق کار، لاہور ۱۹۶۷ء

۶۳۔ صوفی، خالد نظیر، اقبال درونِ خانہ، بزم اقبال لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۳ء

۶۴۔ طارق، عبدالرحمان، جہانِ اقبال، ملک دین محمد اینڈ سنز، لاہور، طبع چہارم، ۱۹۶۵ء

۶۵۔ طارق سعید، اُسلوبیاتِ اقبال، اودھ اکادمی، فیض آباد، انڈیا، ۱۹۹۱ء

۶۶۔ عابد علی، عابد، شعرِ اقبال، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۵۹ء

۶۷۔ عابد علی، سید، تلمحیاتِ اقبال، سنگِ میل، پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۲ء

۶۸۔ عبدالحکیم، خلیفہ، فکرِ اقبال، بزمِ اقبال، لاہور ۱۹۸۸ء

۶۹۔ عبدالحق، مولوی، چند ہم عصر، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی س ن

۷۰۔ عبدالکریم، حکیم، اقبال کی صحتِ زبان، نصرت پبلیشرز، لکھنو ۱۹۹۸ء

۷۱۔ عبدالغنی، شاہ محمد، پروفیسر، قرآنی تصوف اور اقبال، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۶۱ء

۷۲۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، ولی سے اقبال تک، مکتبہ خیابانِ ادب، لاہور، ۱۹۷۶ء

۷۳۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، مطالعہ اقبال کے چند نئے رُخ، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۸۴ء

۷۴۔ عتیق صدیقی، اقبال جادو گرہندی نژاد، مکتبہ جامعہ، دہلی ۱۹۸۰ء

۷۵۔ عرفانی، عبدالحمید، ڈاکٹر، اقبال ایرانیوں کی نظر میں، اقبال اکادمی پاکستان، کراچی، ۱۹۵۷ء

۷۶۔ عطیہ بیگم، اقبال، مترجم، برنی، ضیا الدین، اقبال اکادمی پاکستان، کراچی، ۱۹۵۶ء

۷۷۔ فاروقی، برہان احمد، ڈاکٹر، اقبال کی تشکیل نو، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور ۱۹۷۹ء

۷۸۔ فاروقی، عبدالغنی، ڈاکٹر، مغرب پر اقبال کی تنقید، ادارہ معارفِ اسلامی، لاہور ۱۹۹۴ء

۸۹۔ فاروقی، محمد طاہر، ڈاکٹر، اقبال اور محبتِ رسول، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع دہم، ۲۰۱۵ء

۸۰۔ فاروقی، محمد حمزہ، اقبال کا سیاسی سفر، بزم اقبال، لاہور ۱۹۹۲ء

۸۱۔ کسانہ، نثار احمد، مطالبہ پاکستان اور چودھری رحمت علی، کوشان پبلیکشنز، فیصل آباد، س ن

۸۲۔ کنیز فاطمہ، یوسف، ڈاکٹر، اقبال اور عصری مسائل، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۵ء

۸۳۔ فتح محمد، ملک، پروفیسر، اقبال فراموشی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۲ء

۸۴۔ قاضی جاوید، سر سید سے اقبال تک، بک ٹریڈرز، لاہور، ۱۹۷۹ء

۸۵۔ قدوسی، اعجاز الحق، اقبال کے محبوب صوفیاء، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۶ء

۸۶۔ قریشی، عبداللہ، محمد، باقیاتِ اقبال، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۷۸ء

۸۷۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال فارسی، عبداللہ اکادمی لاہور، ۲۰۰۳ء

۸۸۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات، اقبال اُردو، عبداللہ اکادمی، لاہور، ۲۰۰۳ء

۸۹۔ محمد ریاض، ڈاکٹر، اقبال اور فارسی شعراء، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء

۹۰۔ محمد عظیم، عکسِ اقبال، مکتبہ میری لائبیری، لاہور ۱۹۷۵ء

۹۱۔ محمد فرمان، پروفیسر، اقبال اور تصوف، بزمِ اقبال، لاہور، طبع دوم، ۱۹۶۴ء

۹۲۔ محمد منور، پروفیسر، ایقان اقبال، ایوانِ اُردو، کراچی، ۱۹۷۷ء

۹۳۔ محمد منور، پروفیسر، برہانِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع پنجم ۲۰۱۲ء

۹۴۔ مدنی حسین احمد، مولانا، متحدہ قومیت اور اسلام، مکتبہ محمودیہ، لاہور، ۱۹۵۸ء

۹۵۔ منظور احمد، ڈاکٹر، اقبال شناسی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۲ء

۹۶۔ معینی، عبدالواحد، سید، باقیاتِ اقبال، آئینہ ادب، انارکلی، لاہور ۱۹۶۶ء

۹۷۔ مکیش، اکبرآبادی، نقدِ اقبال، آئینہ ادب، لاہور، طبع سوم، ۱۹۷۰ء

۹۸۔ ندوی، عبدالسلام، اقبالِ کامل، الفیصل ناشران وتاجرانِ کتب، لاہور ۲۰۰۳ء

۹۹۔ ندوی، ابوالحسن، سید، نقوش اقبال، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، ۱۹۸۹ء

۱۰۰۔ ندیم شفیق، ملک، ڈاکٹر، علامہ اقبال کی تابندہ یادیں، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد ۲۰۱۵ء

۱۰۱۔ ندیم شفیق، ملک، ڈاکٹر، علامہ اقبال کا خطبہ الہٰ آباد، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۳ء

۱۰۲۔ نذیر احمد، پروفیسر، تشبیہاتِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۷۷ء

۱۰۳۔ نذیر نیازی، سید، اقبال کے حضور، اقبال اکادمی کراچی، ۱۹۷۱ء

۱۰۴۔ نذیر نیازی، سید، مرتب، مکتوباتِ اقبال، اقبال اکادمی کراچی، ۱۹۵۷ء

۱۰۵۔ وحیدالدین، سید، فقیر، روزگارِ فقیر (دوجلدیں) مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، س ن

۱۰۶۔ وقارعظیم، سید، ڈاکٹر، اقبال معاصرین کی نظر میں، مجلس ترقیِ ادب، لاہور، ۱۹۷۳ء

۱۰۷۔ ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر، اقبال بحثیتِ شاعر، مرتب، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۷ء

۱۰۸۔ ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر، کتابیاتِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء

۱۰۹۔ ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر، تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۱ء

۱۱۰۔ ہاشمی، رفیع الدین ڈاکٹر، اقبالیاتی جائزے، گلوب پبلیشرز، لاہور ۱۹۹۰ء

انگریزی کتب

1. Bag, Abdullah Anwar, *The Poet of the East*, Iqbal Academy Paksitan, Lahore 2004.
2. Ghuaba, K.L, *The consequences of Pakistan*, Peopole Publishing House, Lahore.
3. Ghuaba, K.L, *Friends and Foes*, People's Publishing House Lahore.
4. Gibb, Hamitton Alexander Rosskenn, *Modern Trands in Islam*, University of Chicago Press, Chicago, 1945.
5. K.K. Aziz, *Complete work of Ch. Rehmat Ali*, Vanguard Books, Lahore 1983.
6. K.K. Aziz, *A History of Idea of Pakistan*, Vanguard Books, Lahore 1987.
7. Rustogi, Tara, Charan, *Iqbal in Final Countdown*, Omsons Publications, New Dehli 1981.
8. Riffat Hassan, Compiler, *The Sword and the Sceptre*, Iqbal Academy Paksitan, Lahore 1977.
9. Sachidanda, Sinha, *Iqbal the Poet and his Massage*, Ram Narain Lal, Allahabad 1947.
10. Shafique Ali, Doctor, *Iqbal concept of North West Muslims State*, Markaz Shower-e-Adab, Karachi 1987.

رسائل وجرائد

۱۔ افکار، کراچی، نومبر ۱۹۷۸ء

۲۔ اقبال، لاہور، اکتوبر ۱۹۵۳ء

۳۔ اقبال ریویو، لاہور جولائی ۱۹۸۴ء

۴۔ اقبالیات، لاہور، جولائی ۱۹۸۵ء

۵۔ اقبال کی صحتِ زبان، لکھنو، ۱۹۹۸ء

۶۔ اوراق، لاہور، ستمبر ۱۹۷۵ء

۷۔ خیابان، اقبال نمبر، پشاور یونیورسٹی، جون ۱۹۶۲ء

۸۔ سیارہ، اقبال نمبر، لاہور، مئی ۱۹۶۳ء

۹۔ شاعر، اقبال نمبر، بمبئی، بھارت، ۱۹۸۸ء

۱۰۔ شعر و حکمت، حیدر آباد، بھارت، ۱۹۹۰ء

۱۱۔ فکر و نظر، اسلام آباد، دسمبر ۱۹۶۸ء

۱۲۔ ماہ نو، کراچی، اپریل ۱۹۶۹ء

۱۳۔ نقوش، سال نامہ، لاہور، جنوری ۱۹۷۹ء

۱۴۔ نگار، سال نامہ، اقبال نمبر، ۱۹۶۲ء

۱۵۔ نقدِ اقبال حیات اقبال میں، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۲ء